جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

اسم الكتاب : ........................
نورالقرآن السنة -------------- ................
تأليف : ...........................
فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري
الطبع :...........................
...........................
الثانى سنة ١٤٤٦هـ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شانرے باجور باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقدمہ

﴿ الم ۞ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾

''الم۔اس کتاب میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نوع انسانی کے لیے جو سرچشمۂ ہدایت آخری آسمانی کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، یعنی قرآن مجید اُس کے آغاز ہی میں فرمادیا کہ یہ پرہیز گاروں کو درست راہ دکھانے والی ہے۔

اب یہاں اسی بات کو لے کر چلیے تو ظاہر ہے کہ پرہیز گاری کی اولین شرط تو مندرجہ ذیل باتوں پر ایمان لانا ہے:

1 اللہ پر ایمان

2 فرشتوں پر ایمان

3 الہامی کتابوں پر ایمان

4 انبیاء پر ایمان (رسالت)

5 تقدیر پر ایمان، یعنی خیر وشر کا خالق اللہ ہے

6 روزِ قیامت پر ایمان یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر ایمان

اب یہ بحث کہ مذکورہ بالا ایمانیات کا مطلقاً درست نظریہ کیا ہونا چاہیے؟

اس کا جواب خود اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں مختلف

مقامات پر دیا ہے اور بلاشبہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا احسان اور توفیق ہے کہ میں نے ایمانیات، عبادات اور دیگر معاملاتِ زندگی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرامین کو قرآن مجید کی متفرق جگہوں سے لے کر موضوعاتی ترتیب سے کم وبیش ابواب پر مشتمل ایک کتاب ''نورالقرآن السنۃ'' ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے۔

دراصل اس دنیائے فانی میں کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں کلامُ اللہ عزوجل اور سنت رسول کی کرنیں نہ پہنچی ہوں، نہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا ہے جسے قرآن نے ہدایت کے نور سے مُزیّن نہ کیا ہو۔

اب یہ مطلقاً ہماری ہی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنے حواسِ خمسہ میں فرقہ وارانہ تعصُّب کا کوئی شائبہ نہ آنے دیں اور فرامین الٰہی کو شیاطین کے وسوسوں سے بچتے ہوئے صحیح طریقے سے اپنی زندگیوں پر لاگو کریں اور دونوں جہانوں میں کامیاب قرار پائیں۔

راقم الحروف کی زیر نظر کاوش اسی مقصد کی ایک کڑی اور ایک ایسی چھوٹی سی گزر گاہ تصور کی جائے گی جو ان شاءاللہ آگے چل کر آپ کو اس عظیم کلامِ پاک کے صحیح فہم تک پہنچانے والی عظیم شاہراہ پر گامزن کر دے گی۔ **والحمد للّٰہ رب العالمین۔**

اللہ ہمارے عزم و عمل کو قبولیت عطا فرمائے اور مزید توفیق سے نوازے۔

اللہ اسے ہماری، ہمارے والدین اور عزیز و اقارب کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ **(آمین)**

محتاجِ دعا ابو عطاء المنعم رضاءاللہ بن الحاج خان بادشاہ باجوری پاکستانی حفظہ اللہ

## انبیاء علیہا السلام کی بعثت کا بڑا مقصد

اعلم (رحمک اللّٰہ) أن التوحید ہو: افراد اللّٰہ (سبحانہ) بالعبادة۔

وہو الدین الرسل الذی ارسلہم اللّٰہ بہ الیٰ عبادہ۔ فأولہم نوح علیہ السلام۔

أرسلہ اللّٰہ الیٰ قومہ لما غلوا فی الصالحین: ((ودًّا وسواعًا ویغوث ویعوق ونسراً))، وآخر الرسل محمد صلی اللّٰہُ علیہ وسلم، وہو کسر صور ہؤلاء الصالحین۔

أرسلہ اللّٰہ الیٰ أناس یتعبدون ویحجون ویتصدقون ویذکرون اللّٰہ کثیرًا، ولکنہم یجعلون بعض المخلوقات وسائط بینہم وبین اللّٰہ، یقولون: نرید منہم التقرب الیٰ اللّٰہ، ونرید شفاعتہم عندہ؛ مثل الملائکة، وعیسیٰ، ومریم، وأناس غیرہم من الصالحین۔

فبعث اللّٰہ محمداً صلی اللّٰہُ علیہ وسلم یجدد لہم دین أبیہم ابراہیم علیہ السلام، ویخبرہم: أن ہذا التقرب والاعتقاد محض حق اللّٰہ تعالیٰ، لا یصلح منہ شیء لغیر اللّٰہ، لا لملک مقرب، ولا لنبی مرسل، فضلاً عن غیرہما۔

ایک اللہ کی عبادت کرنے اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنے کا نام توحید ہے۔ یہی تمام انبیاء کا دین رہا ہے، جس کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بندوں کے پاس بھیجا۔

سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جنہوں نے وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر جیسے صالحین کے بارے میں غلو کرنا شروع کیا تھا۔ سب سے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ ہی نے مذکورہ بزرگوں کے مجسموں کا خاتمہ فرمایا۔ آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے وہ اللہ کی عبادت کرتے، حج (وعمرہ) کرتے، صدقہ وخیرات کرتے اور اس کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بعض مخلوق مثلاً ملائکہ، عیسیٰ علیہ السلام، مریم یا دوسرے نیک لوگوں کو واسطہ بناتے تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ہاں ان کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، تاکہ آپ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے دین کی تجدید فرمائیں اور لوگوں پر یہ واضح کردیں کہ یہ تقرب اور ہر قسم کا توکل اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ کسی اور کا تو ذکر ہی کیا کسی مقرب فرشتے یا رسول کے بارے میں بھی یہ عقیدہ نہیں رکھا جاسکتا کہ ان کے ذریعے تقرب حاصل کیا جائے۔

.................. شرح.....................

فاضل موٗلف نے اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی ابتداء اسی آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اپنے خطوط اور دیگر تحریروں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہی ابتداء کیا کرتے تھے۔[1]

لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا نام ہے اسی نام کی بنیاد پر باقی تمام نام پکارے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِo اَللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾(ابراہیم:1،2) ''

یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے تمہاری طرف تاکہ تم لوگوں کو اندھیروں

( [1]صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب نمبر ۶ حدیث نمبر ۷۔ صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر ، باب کتاب النبی صلی الله علیه وسلم الی حرقل یدعوہ الی الاسلام حدیث نمبر ۱۷۷۳۔

سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئو ان لوگوں کے رب کے حکم سے، غالب و تعریف کیے ہوئے (اللہ تعالیٰ) کے راستے پر۔ اللہ وہ ہے کہ اس کے لیے زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت ہے۔'' لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ یہ خود نام ہے۔ اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بہترین تعارف لفظ اللہ سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ لفظ اللہ کے سوا کسی دوسرے پر نہیں بولا جاسکتا۔

**الرحمن** کا معنیٰ ہے: بہت وسیع تر رحمتوں کا مالک۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اسی لیے کسی دوسرے کو اس نام کے ساتھ نہیں پکارا جاسکتا۔

**الرحیم** اللہ تعالیٰ اور اس کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے: رحمتوں والا۔

**الرحمن** کا معنیٰ ہو گا: اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور رحیم کا معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دوسروں کو پہنچتی ہے۔ جب یہ دونوں الفاظ ایک جگہ ذکر ہوں تو الرحیم سے مراد یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے۔ اسی مفہوم میں قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے:
﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ﴾(العنکبوت:21)

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس پر رحم کرتا ہے، اسی کی طرف تم سب لوگ پلٹ کر جائو گے۔'' رحمن سے یہاں مراد وسیع رحمت ہو گی۔

## علم اور اس کے درجات

علم کي تعریف: کسی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا جو صحیح اور پختہ ہوں۔ معلومات کی چھ اقسام ہیں:

نمبر1:... علم

**نمبر2:...واضح جہالت، یعنی کسی بھی چیز سے مکمل لاعلمی۔**

نمبر3:... جہلِ مرکب، یعنی کسی چیز کے بارے میں ایسی معلومات جو اس کی حقیقت سے مختلف ہوں۔ اسے جہلِ مرکب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دو طرح کی جہالتیں ہوتی ہیں: پہلی جہالت یہ کہ انسان حقیقت میں لاعلم ہوتا ہے اور دوسری جہالت یہ کہ اس لاعلمی کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت بڑا واقف کار، عالم اور سمجھدار ہوں۔

نمبر4:... وہم، یعنی احتمال کے ساتھ کسی چیز کا علم ہونا۔ حقیقت سے مختلف بات کو اپنے ذہن میں غالب رکھنا۔

نمبر5:... شک، یعنی دونوں طرح کی باتیں انسان کے ذہن میں یکساں موجود ہوں۔

نمبر6:... گمان۔ کسی بھی چیز کی ایسی معلومات کہ اس سے مخالف کا احتمال بھی ہو لیکن وہ ذہن پر غالب نہ ہو۔

علم کی دو اقسام ہیں:

1۔ ضروری 2۔ نظری

ضروری علم اس کو کہتے ہیں جو انسان کو خود بخود معلوم ہو۔ اس میں اسے کوشش اور دلیل کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے ہر انسان کو علم ہے کہ آگ گرم ہے اور جلا دیتی ہے، اس کے لیے اسے کسی قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں۔ نظری علم اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کو دیکھ کر نیز کسی دلیل کی بنیاد پر علم حاصل کرے۔ جیسے اس بات کا علم حاصل کرنا کہ وضو کرتے وقت نیت کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اگر اس کا علم حاصل نہیں کرے گا تو یقیناً اس کے وضو میں نیت شامل نہ ہو گی اور اس کا وضو نامکمل رہے گا۔ اس کے بعد فاضل مؤلف نے اس کتاب کو پڑھنے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ زندگی کے تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے اور باقی زندگی میں گناہوں سے تمہیں محفوظ رکھے۔

رحمت کا بنیادی معنٰی یہ ہے کہ انسان کو اچھے کاموں کی توفیق میسر ہو اور بقیہ زندگی میں انسان گناہوں سے محفوظ رہے۔ اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مؤلف اپنی اس کتاب کو پڑھنے والے اور اس تحریر کو سننے والے پر کس قدر شفقت اور مہربانی فرماتے ہیں۔

**توحید کا حقیقی معنی** صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

**توحید کا لغوی معنی** یہ ہے کہ کسی چیز کو تنہا و یکتا کرنا۔ اس کام کے لیے ضروری ہے کہ ایک بات کی نفی کی جائے اور دوسری کو ثابت اور موجود تسلیم کیا جائے۔ یعنی جس چیز کو آپ تنہا و یکتا قرار دیتے ہیں اس کے سوا ہر چیز کی نفی کر دی جائے اور صرف اس اکیلے کو تسلیم کیا جائے۔ اس کی مثال کلمہ طیبہ میں موجود ہے کہ لا الہ کوئی معبود نہیں الا اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یہاں بھی انسان ہر چیز کی نفی کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرتا ہے۔ اس طرح انسان صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کا اقرار کرتا ہے۔

**اصطلاحی معنوں** کی وضاحت کرتے ہوئے فاضل مؤلف کہتے ہیں: توحید کہتے ہی اس کو ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ یعنی انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ بلکہ محبت، عظمت، خوف اور شوق کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالائے۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہی وہ توحید ہے جس کو بیان کرنے کے لیے رسولوں کو اس دنیا میں بھیجا گیا۔ یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے انبیاء نے اپنی دعوت پیش کی اور اسی وجہ سے انبیاورسل اور ان کی قوموں کے درمیان مخالفت اور جھگڑا شروع ہوا۔

اس سے بھی واضح تعریف یہ ہو سکتی ہے: اللہ تعالیٰ کو ان تمام امور میں اکیلا سمجھا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔

اس طرح توحید کی تین اقسام ہوں گی۔

**والا فهؤلاء المشركون يشهدون: أن الله هو الخالق الرزاق وحده لا شريك له، وأنه لا يرزق الا هو، ولا يحيى ولا يميت الا هو، ولا يدبر الأمر الا هو، وأن جميع السماوات ومن فيهن، والأرضين السبع ومن فيهن، كلهم عبيده وتحت تصرفه وقهره۔**

فاذا أردت الدليل علىٰ أن هؤلاء المشركين الذين قاتلهم رسول الله صلى اللهُ عليه وسلم يشهدون بهذا، فاقرأ قوله تعالى: ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [يونس: 31]

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ o قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ [المؤمنون: 84-89]، وغير ذلك من الآيات۔

فاذا تحققت أنهم مقرون بهذا، لم يدخلهم فی التوحيد الذی دعاہم اليه رسول اللّٰه، وعرفت ان التوحيد الذی جحدوه ہو توحيد العبادة الذی يسميه المشركين فی زماننا: ((الاعتقاد)) كما كانوا يدعون اللّٰه سبحانه ليلاً ونهارًا۔

## توحید ربوبیت اور مشرکین کا عقیدہ

مشرکین مکہ اس بات کا اقرار کرتے اور گواہی دیتے تھے کہ اللہ ہی خالق و رازق ہے۔ صرف وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ وہی اکیلا کائنات کا مالک و متصرف ہے۔ آسمان وزمین اور ان میں بسنے والے سب اس کے غلام اور ماتحت ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾(یونس:31)

''پوچھو تو سہی، تم کو آسمان اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مُردہ کون نکالتا ہے؟ تمام کاموں کو کون چلاتا ہے؟ تو اس کے جواب میں یہ (مشرک) ضرور کہیں گے: اللہ! پھر تم پوچھو کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں بچتے ہو؟''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ o قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ o﴾ (المؤمنون:84۔89)

''ان سے پوچھو زمین اور جو کچھ اس میں ہے، کس کا ہے؟ اگر تم جانتے ہو۔ وہ فورًا کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ کہو پھر تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور بڑے تخت (عرش عظیم) کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ان سے پوچھو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں، کہو پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو۔''

مشرکین ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے تھے اور دن رات اللہ تعالیٰ کو پکارتے بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس دائرہ توحید میں داخل نہ ہو سکے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت دیتے تھے یعنی عبادت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنانا۔

شرح

## نمبر1:... توحید ربوبیت

اللہ تعالیٰ پیدا کرنے، بادشاہت کرنے اور معاملات چلانے کے اعتبار سے اکیلا ہے۔

**دلائل:**

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔"(الزمر:62)

دوسری جگہ فرمایا: "کوئی اللہ کے سوا پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمینوں میں رزق دیتا ہے؟ کوئی الہ یا معبود نہیں سوائے اس کے۔"(فاطر:3)

پھر فرمایا: "بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"(الملک:1)

نیز فرمایا: " خبردار وہی اس مخلوق کا مالک ہے اور تمام معاملات کا مالک ہے۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو جہانوں کا رب ہے۔"(اعراف:54)

## نمبر2:... توحید الوہیت

انسان اللہ تعالیٰ کو عبادت میں اکیلا سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو عبادت میں شریک نہ کرے۔ نیز کسی دوسرے کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انسان کوشش کرتا ہے۔

## نمبر3:... اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں اس کو اکیلا سمجھنا

اللہ تعالیٰ کے نام اور وہ صفات جو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں منقول ہیں ان ناموں اور صفات کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ان کو تسلیم کیا جائے اور جن صفات کا اللہ تعالیٰ نے انکار کیا ہے ان کا انکار کیا جائے اس دوران کسی قسم کی تحریف، تعطیل(یعنی کسی خاص نام یا صفت کا انکار کرنا)، کیفیت اور مثال بیان نہ کی جائے۔

## تمام انبیاء کا دین کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء اور رسول بھیجے ان سب کا پیغام یہی تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ہم نے ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔"(نمل:36) دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾(انبیاء:25)

"آپ سے پہلے ہم نے جس رسول کو بھیجا اس کے ہاں ہم نے یہ پیغام بھیجا کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے میرے۔ لہٰذا تم سارے میری ہی عبادت کرو۔" توحید کی دوسری قسم کی حقیقت مشرکین مکہ سمجھ نہ سکے اور گمراہ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا شروع کر دیا، اس جھگڑے میں انہوں نے مسلمانوں کے خون حلال کر لیے۔ ان کا مال، ان کی جان، ان کے گھر بار اور ان کی خواتین اور بچے ہر چیز میں دست اندازی کرنے لگے۔ جس شخص میں توحید کی یہ صفت موجود نہ ہو وہ مشرک اور کافر ہے۔ اگرچہ توحید ربوبیت اور اسماء وصفات کا اقرار کرتا ہو پھر بھی اس پر مشرک اور کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا نظریہ تمام رسولوں کا تھا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیا۔ اسی سلسلے میں فاضل مؤلف ذکر کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ O اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ﴾(ہود:25،26)

"ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے کہا کہ میں تم کو ڈرانے کے لیے آیا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔" دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاہُمْ ہُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾(ہود:50)

" قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔" پھر ایک جگہ فرمایا: ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاہُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾(ہود:61) " ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تمہارا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔"

پھر ایک جگہ فرمایا:

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاہُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾(ہود: 84)

"قومِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔"

سب سے پہلے نبی نوح علیہ السلام تھے۔ یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ اسی سے پتا چلتا ہے کہ مؤرخین سے یہ غلطی ہوئی کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ﴾ (النساء:163)

"ہم نے تمہاری طرف بھی اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح علیہ السلام پر وحی کی تھی اور ان کے بعد باقی انبیاء کی طرف بھی وحی کی۔"

اسی طرح حدیث میں منقول قیامت کے روز سفارش والا واقعہ بھی ہے: "

لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف زمین پر بھیجا تھا۔" [1]

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی رسول نہیں گزرا جن کو کتاب دی گئی ہو۔ کتاب و سنت کی روشنی میں نوح علیہ السلام ہی سب سے پہلے رسول ہیں۔ نوح علیہ السلام ان پانچ رسولوں میں سے ایک ہیں جنہیں اولوالعزم کہا جاتا ہے۔

(1) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (2) موسیٰ (3) ابراہیم (4) نوح اور (5) عیسیٰ علیہما السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں دو مقام پر اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ سورہ احزاب آیت نمبر 7۔ سورہ الشعراء آیت نمبر 13۔

## نوح علیہ السلام کے آنے کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اس وقت بھیجا جب وہ لوگ اپنے عقائد میں سرکشی کرنے لگے۔ جب اس قوم نے اپنے نیک لوگوں کے متعلق یہ عقیدہ بنالیا کہ یہ بھی عبادت کے حق دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ان کے ذریعے کی جانی چاہیے. وہاں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے کہ انسانیت کے کفر کا سبب اور

( [1]صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وعلم آدم الاسماء کلہا حدیث :۴۴۷۶۔ صحیح مسلم ، کتاب الایمان باب ادفی اہل الجنۃ منزلۃ فیہا: ۱۹۳۔

دین الٰہی کے چھوڑنے کی وجہ درحقیقت نیک لوگوں کے متعلق غلط عقائد ہیں۔

غلو کا معنٰی یہ ہے کہ انسان عبادات، معاملات اور کسی کی صفات بیان کرنے میں اس کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ حد سے بڑھنا چار طرح ہوتا ہے:

1۔ انسان اپنے عقیدے میں حد سے تجاوز کرتا ہے، جس طرح متکلمین اللہ تعالیٰ کی صفات میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ نتیجتاً یہ لوگ یا تو اللہ تعالیٰ کی مثالیں بیان کرنے لگتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کر دیتے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کا مذہب درمیانی درجہ میں شمار ہوتا ہے، یعنی جو صفات اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے بیان کی ہیں ان کو تسلیم کیا جائے۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا چند صفات کو چھوڑنا، ان کی کیفیت بیان کرنا اور ان کی کسی طرح بھی مثالیں بیان کرنا، ان سب کاموں سے اہل سنت والجماعت اجتناب کرتے ہیں۔

2۔ عبادات میں حد سے تجاوز کرنا۔ جس طرح خارجی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔ معتزلہ کا تجاوز یہ تھا کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب دونوں مرتبوں یعنی اسلام اور کفر کے درمیان پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس قدر سخت اور معتصبانہ آراء کے بالمقابل مرجیہ نے اس قدر کمزور موٗقف اختیار کیا کہ ایمان کی موجودگی میں کسی بھی قسم کا گناہ نقصان نہیں دیتا۔ ان ہر دو طرح کی آراء کے درمیان اہل سنت والجماعت کا موٗقف ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کا ایمان گناہ کی مقدار کے مطابق کمزور ہوتا ہے۔

3۔ معاملات میں حد سے تجاوز ہے۔ ہر چیز کی حرمت کے متعلق سختی کرنا پھر اس کے بالمقابل یہ رائے قائم ہوگئی کہ جو چیز بھی محنت اور مال خرچ کر کے حاصل کی جائے وہ حلال ہے حتیٰ کہ سود وغیرہ میں بھی اگر محنت شامل ہو تو یہ بھی حلال ہو جائے گا۔ ان دونوں طرح کی آراء میں درمیانی موٗقف یہ ہے کہ جو معاملات انصاف پر مبنی ہوں گے وہ حلال ہوں گے اور انصاف وہی ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں درست ہو۔

4۔ بزرگوں کے طریقوں میں تجاوز کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرانے رسوم و رواج پر سختی سے کاربند رہے اور اس سے بہتر بات کا علم ہونے پر بھی اپنی عادات کی اصلاح نہ کرنا۔ اگر پرانی عادات درست ہوں تو انسان ان اچھی عادات کو برقرار رکھ سکتا ہے جو انسان کے لیے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے بھی مفید ہوں گی۔

## قوم نوح کے نیک لوگ

نیک اس شخص کو کہتے ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اہتمام کرے۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ یہ پانچ افراد قوم نوح کے نیک لوگ تھے۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں نام قوم نوح کے نیک لوگوں کے ہیں، جب یہ لوگ فوت ہوگئے تو شیطان نے لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ تم ان کی قبروں پر جایا کرو اور ان کی تصویریں اپنی مجلسوں میں رکھ لو اور ان کے نام ہمیشہ یاد رکھو۔ لہٰذا اس قوم نے یہ کام کیے، لیکن وہ ان نیک لوگوں کی عبادت نہ کرتے تھے۔ البتہ یہ نسل جب فوت ہوگئی تو اس کام کی حقیقی وجہ، نیک لوگوں کا مرتبہ اور ان کی بتائی ہوئی اچھی باتیں جب لوگ بھول گئے تو آئندہ زمانے میں لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔[1]

اس تفسیر میں ایک اشکال ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نوح علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

﴿اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًاo وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًاo وَ قَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًاo﴾(نوح:23)

"اس قوم نے میری نافرمانی کی ہے اور یہ ان کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے مال واولاد میں صرف نقصان کا اضافہ کریں۔ انہوں نے بہت بڑی تدبیر کی

([1]صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب ودّ ولا سواعاولا یغوث و یعوق حدیث نمبر ۴۹۲0۔

ہے۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔" اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قوم نوح ان نیک لوگوں کی عبادت کرتے تھے اور نوح علیہ السلام ان لوگوں کو ان کی عبادت سے روکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں اس آیت کریمہ کا مفہوم تو موجود ہے لیکن بظاہر یہ نیک لوگ نوح علیہ السلام سے پہلے گزر چکے تھے۔ واللہ اعلم

## خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾(الاحزاب:40)

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں کسی مرد کے والد نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ رسول ہیں۔
**جواب:**... یہ بات درست ہے لیکن وہ رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نافذ کریں گے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، ان کی تابعداری کریں اور ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾(آل عمران:81)

"جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں گا تو تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس موجود پیغام کی تصدیق کرے تو کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے اور تم اس کی مدد کرو گے...... تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔" وہ رسول جو پہلے انبیاء کے تمام پیغامات کی تصدیق کریں گے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس بات کی وضاحت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بھی کی ہے۔[1]

## نیک لوگوں کی عبادت کس نے ختم کی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کے ستونوں سے ان نیک لوگوں کی تصویریں مٹادیں جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے اس وقت اس کے آس پاس تین سو ساٹھ بت موجود تھے، آپ اپنی چھڑی کے ساتھ ان کو گراتے جارہے تھے اور یہ آیتِ کریمہ تلاوت کررہے تھے۔

﴿جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾(الاسراء: 81)

''حق آگیا اور باطل چلا گیا، باطل نے آخر کار چلے ہی جانا ہے۔''

## محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، لیکن باطل اور کسی دوسرے کی عبادت نہیں جس کی کوئی دلیل آسمان سے نازل نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہ لوگ صدقہ بھی کرتے ہیں اور اچھے اچھے کام بھی سرانجام دیتے ہیں لیکن یہ ساری باتیں ان کے کفر کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان مسلمان ہو۔ جب تک کوئی مسلمان نہیں ہوتا اس کی عبادت، صدقہ وخیرات اور دوسرے نیکی کے کام اسے کوئی فائدہ نہیں دیں گے یہ سب کچھ بیکار رہے گا۔

( [1]تفسیر الطبری جلد۵ ص:۵۴۳، تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص:۳۷۸۔

## وسیلہ کی حیثیت

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے مختلف وسیلے اختیار کیا کرتے اور کہتے: ہم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو سفارشی سمجھتے ہیں۔ فرشتے، عیسیٰ علیہ السلام، مریم[ اور ان کے علاوہ نیک لوگ ہماری سفارش کریں گے یعنی وہ ان بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ بت ان عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں قابل غور بات یہ ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عبادت کے لائق نہیں، بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کم تر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بلند تر ہے، یہ بذات خود کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں؛ البتہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔ درحقیقت یہ سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی اور ان لوگوں کو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾(المدثر: 48)

''قیامت کے دن کسی سفارش کرنے والے کی سفارش ان کو فائدہ نہ دے گی۔'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے شرک سے ناراض ہے، اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کی سفارش کی اجازت مرحمت فرمائے۔ سفارش کی اجازت صرف اس کے لیے ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو گا جبکہ کافروں سے اور جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ﴾(یونس: 18)

''مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ فائدہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کریں گے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں سے عبادت کی صورت میں تعلق قائم کرتے تھے، لیکن یہ تعلق ان کے کسی کام کا نہیں بلکہ اس عمل سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جائیں گے کجا یہ کہ مشرکین ان معبودوں کی وساطت سے کوئی سفارش حاصل کر سکیں یا کسی سفارش کی امید رکھیں، کیونکہ یہ لوگ تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی ان کی بے وقوفی ونادانی کی دلیل ہے کہ ایک آدمی کسی عمل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جائے۔

## محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دین ابراہیمی

فاضل مؤلف فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے اور یہ سمجھتے کہ ہم ان کی وساطت سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، یہی ان کا کفر تھا۔ انہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا۔ اور ان کی زبان سے خالص توحید پیش کروائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور شرک سے ڈرایا، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ﴾(المائدہ:72)

'' جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ کے حقوق میں سے کوئی چیز کسی دوسرے کو دینا جائز نہیں اگرچہ انسان کسی فرشتے، نبی یا رسول کو وہ حق دے یا یہ کہ فرشتے اور انبیاء کے علاوہ عام انسانوں یا نیک لوگوں کو یہ حق دے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمۡ اَعۡہَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ٭ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ﴾(یٰس: 61،60)

''اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کروگے وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور صرف میری ہی عبادت کروگے یہی سیدھا راستہ ہے۔''

## ابراہیمی دین

فاضل موٴلف یہاں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًاط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾(النمل:123)

''ہم نے پھر آپ کی طرف وحی کی تاکہ آپ ابراہیم کی تابعداری کریں وہ یکسو تھے مشرک نہ تھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں انسان کا عقیدہ اخلاص پر مبنی ہونا چاہیے۔

## مشرکین مکہ توحید ربوبیت کے قائل تھے

مشرکین مکہ جنہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدۂ توحید کی دعوت دی وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ صرف اللہ تعالیٰ انسانوں کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ وہی اللہ ہے جو تمام دنیا کے معاملات کو چلاتا ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾(الزخرف:9)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو وہ ضرور یہ جواب دیں گے کہ انہیں غالب جاننے والے نے پیدا کیا۔''

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾(الزخرف:87)

دوسری جگہ فرمایا:

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔''

یہی مضمون متعدد آیات میں موجود ہے۔ لیکن یہ اعتقاد ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا کیوں کہ وہ صرف توحید ربوبیت کے قائل تھے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ کسی انسان کو صرف توحید ربوبیت کا اقرار کافی نہیں ہوتا جب تک کہ وہ توحید الوہیت کا اقرار نہ کرے یعنی ہر طرح کی عبادات کے لائق بھی صرف اللہ تعالیٰ کو نہ سمجھتا ہو۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو تسلیم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توحید ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا اور دنیا کے معاملات کو چلانے والا ہے اور اسی کی بادشاہت ہے تو عبادت کا حق بھی صرف اسی کا ہو اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ یہ الزامی دلیل ہے اور اسی طرح دوسری صورت میں یعنی توحید الوہیت میں توحید ربوبیت اس لیے ضروری ہے کہ عبادت اسی کی ہوگی جو رب ہوگا جس کے متعلق یہ عقیدہ ہوگا کہ وہی پیدا کرنے والا ہے اور دنیائے انسانیت کے تمام معاملات کو چلانے والا ہے۔ مشرکین مکہ کی توحید ربوبیت کی دلیل معلوم کرنی ہو تو قرآن مجید کی درج بالا آیت پڑھو۔ یعنی جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، ہر چیز کے معاملات چلانے والا بھی وہی ہے، ہر کسی کو رزق دینے والا، ہر ایک کی سننے اور ہر کسی کو دیکھنے والا بھی وہی مالک ہے اور وہی اس چیز پر قادر ہے کہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکال لے۔ چنانچہ جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرے اور عبادت میں تم کسی دوسرے کو شریک کرلو؟ دوسری آیت یہ ہے: ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ﴾ (المومنون) اس مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں جو مشرکین کے عقیدے کو واضح کرتی ہیں۔ جن مشرکین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی وہ لوگ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے یعنی اس بات کو تسلیم کرتے کہ اس زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی ملکیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ نیز اس بات کو بھی تسلیم کرتے کہ آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اس عرشِ عظیم کا مالک اور رب وہی ہے، پھر اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر چیز کی بادشاہت اس کے پاس ہے وہی ہے جو کسی کو اپنی پناہ میں رکھے اور جسے چاہے اپنی پناہ سے نکال دے۔ یہ سب الزامی دلائل ہیں کہ ان خیالات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کریں۔ اس انداز میں ان کو یہ ڈانٹ سنائی گئی ہے کہ اگر تم ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہو اور پھر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حقیقی مفہوم کو نہیں سمجھتے؟ اس قسم کی تمام آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ مشرکینِ مکہ جن کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید پیش کی وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ قارئین کرام غور فرمائیے! مشرکین مکہ توحید ربوبیت کے اقرار کے باوجود اس توحید کو تسلیم کرنے والوں میں شامل نہ ہوسکے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پیش کی۔ اس کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جان ومال محفوظ نہ کرواسکے۔ چنانچہ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صرف توحید الوہیت سے انکار کے نتیجہ میں ان کا عقیدہ مسلمانوں والا نہ ہوا، جس طرح ہمارے آج کے زمانے میں مشرکین کی صورتحال ہے۔ یعنی صرف توحید ربوبیت سے کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس کے ساتھ توحید الوہیت کا اقرار نہ کرے۔

ثم منهم من يدعو الملائكة لأجل صلاحهم وقربهم من اللّٰه؛ ليشفعوا له، أو يدعو رجلًا صالحًا مثل اللات، أو نبيًّا مثل عيسىٰ. وعرفت أن رسول اللّٰه صلى اللّٰهُ عليه وسلم قاتلهم علىٰ هذا الشرك ودعاهم الىٰ اخلاص العبادة للّٰه وحده؛ كما قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن:18] وكما قال تعالىٰ: ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ [الرعد:14]

وتحققت أن رسول اللّٰہ صلی اللہُ علیه وسلم قاتلهم؛ لیکون الدعاء کله للّٰہ، والذبح کله للّٰہ، والنذر کله للّٰہ، والاستغاثة کلها باللّٰہ، وجمیع أنواع العبادات کلها للّٰہ۔ وعرفت أن اقرارہم بتوحید الربوبیة لم یدخلهم فی الاسلام، وأن قصدہم الملائکة، أو الأنبیاء او الأولیاء یریدون شفاعتهم، والتقرب الیٰ اللّٰہ بذلک ہو الذی أحل دماء ہم وأموالهم، عرفت حنیئذ التوحید الذی دعت الیه الرسل وابیٰ عن الاقرار به المشرکون۔ وہذا التوحید ہو معنیٰ قولک: ((لا اله الا اللّٰہ))۔ **غیر اللہ سے مانگنا** پھر بعض مشرکین ایسے بھی تھے جو فرشتوں کو پکارتے تھے تاکہ یہ فرشتے اللہ کے مقرب ہونے کے ناطے ان کی شفاعت کر دیں، اسی طرح بعض نیک انسانوں کو بھی مثلاً: ''لات'' یا کسی نبی کو مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی مقصد کے لیے پکارتے تھے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کے شرک پر ان مشرکین سے قتال کیا اور انہیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''''مسجدیں اللہ ہی (کی عبادت) کے لیے ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَيۡءٍ﴾[الرعد:14]

''اسی (اللہ) کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ ان کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین سے اس لیے قتال کیا تاکہ ہر قسم کی دعا، تمام نذرو نیاز اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو جائے، ہر قسم کی مدد اللہ سے طلب کی جائے۔ صرف توحید ربوبیت کا اقرار انہیں شرک سے نکال کر اسلام میں داخل نہیں کر سکا بلکہ ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کو پکارنے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھنے کی وجہ سے ان کے جان ومال کی حفاظت اسلام نے اپنے ذمہ نہ لی اور انہیں کافر سمجھا گیا۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اس توحید کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، جس کی دعوت انبیاء ورسل نے دی اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا مطلب بھی یہی ہے، جس کا انکار مشرکین نے کیا تھا۔

.................. شرح ....................

## مشکل وقت میں پکارنا

مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب وہ کسی مشکل میں پھنس جاتے تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے، کچھ ایسے بھی تھے جو فرشتوں کو اللہ کا قریبی ہونے کی وجہ سے پکارتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا قریبی ہو وہ بھی عبادت کا مستحق ہے۔ یہ عقیدہ ان کی جہالت کا نتیجہ ہے کیوں کہ عبادت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو لات بت کو پکارتے۔ لات حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، اس میں گھی ڈالتا اور

حاجیوں کو کھلاتا۔ جب یہ آدمی فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھنے لگے اور پھر آہستہ آہستہ اس کی عبادت کرنے لگے۔ ان مشرکین میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیوں کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مختلف نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

کچھ ایسے بھی مشرکین ہیں جو اولیاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ اولیاء اللہ تعالیٰ کے قریبی لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ تمام باتیں شیطانوں نے خوبصورت بنا کر پیش کی ہیں تاکہ لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ ہَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاo اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾(الکهف:103۔105)

"کیا میں تمہیں سب سے زیادہ نقصان دہ افراد والے کی خبر نہ دیں؟ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیا میں ضائع ہو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے اچھا کام کیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیات اور ملاقات کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے دن ہم ان کے لیے ترازو بھی نہ لگائیں گے۔"

## توحید الوہیت کے لیے جنگ

عبادت میں شرک کرنے کی وجہ سے یہ لوگ مشرکین کہلائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی شرک کی بنا پر ان سے جنگ کی بلکہ ان کے مال و جان پر دست اندازی کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ وہ لوگ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے لیکن اس میں جرم یہ تھا کہ وہ اس اقرار کے باوجود عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس عبادت میں شرک کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت پیش فرمائی، یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے، نیز عزت کا مقام حاصل کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ عبادت کرے۔ درج بالا آیتِ کریمہ میں مشرکین کا عقیدہ کہ "یہ لوگ اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں اور وہ ان کا جواب نہیں دیتے" مطلب یہی ہے کہ وہ انکا جواب دے ہی نہیں سکتے۔ اسی مضمون کی دوسری آیت کریمہ کہ

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾(الاحقاف:5تا6)

"اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو پکارے حالانکہ وہ قیامت تک ان کا جواب دینے پر بھی قادر نہیں اور وہ ان کی دعائوں سے بھی لاعلم ہیں۔ جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔"

# دعا کی اقسام

اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی دو اقسام ہیں: ایک دعا عبادت ہوتی ہے، کہ انسان جس کو پکارتا ہے گویا اس کی عبادت کرتا ہے، تاکہ اس سے اجر و ثواب حاصل کرے اور اس کی سزا و پکڑ سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھ کر انسان کسی کو پکارنا چاہے تو ایسی پکار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے درست نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو یہ شرکِ اکبر میں شمار ہوگا، نیز یہ مجرم ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جائے گا۔ اسی کے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (غافر: 60)

"جو لوگ مجھے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔" دعا کی دوسری قسم یہ ہے کہ دنیاوی ضروریات میں انسان کسی سے کچھ مطالبہ کرے، اس صورت کی پھر تین قسمیں ہیں کہ

1۔ انسان اللہ تعالیٰ کو ان کاموں میں پکارے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، یہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہلائے گی کیونکہ اس میں انسان اپنی محتاجی اور لجاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھتا ہے۔ پھر یہ عقیدہ بھی رکھے کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا، فضل کرنے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے وہ کام جو صرف اللہ تعالیٰ کی طاقت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے مانگے تو ایسا شخص مشرک ہے کافر ہے۔ جس کو یہ پکارتا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ، دونوں صورتوں میں پکارنے والا کافر اور مشرک ہی قرار پائے گا۔

2۔ انسان کسی زندہ شخص کو آواز دیتا ہے کہ اے فلاں مجھے پانی پلاؤ یا کچھ اور مطالبہ کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

3۔ انسان کسی فوت شدہ شخص یا کسی غیر موجود آدمی کو اسی طرح پکارے جس طرح دوسری قسم میں پکارتا ہے تو یہ شرک ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کی ضرورت پوری کر سکے۔ اس کا یہ پکارنا دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ میری ضرورت پوری کرے گا، اس کے مشرک ہونے کی یہی وجہ ہے۔

# ذبح کرنا بھی عبادت ہے

ذبح کا معنی ہے کہ ایک مخصوص طریقے سے کسی ذی روح جانور کا خون بہانا۔ جانور مختلف مقاصد کے لیے ذبح کیے جاتے ہیں: 1۔ جس کے لیے ذبح کیا جا رہا ہو اس کی عظمت پر اسے قربان کیا جائے اور خود کو اس سے کم تر سمجھا جائے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو یہ عبادت ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے درست نہیں اور یہ کام شریعت کے اصول و ضوابط کے مطابق ہی کیا جائے گا۔ یہی عمل اگر کسی دوسرے کے لیے کیا جائے تو شرکِ اکبر کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o لَا شَرِیۡکَ لَہٗ﴾(الانعام:162۔163)

’’ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔‘‘ 2۔ انسان کسی مہمان کی عزت افزائی کے لیے جانور ذبح کرتا ہے یا کسی ولیمہ وغیرہ کے لیے ذبح کرتا ہے تو ایسی صورت میں یہ عمل درست ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔)) [1]

’’جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔‘‘ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ’’ولیمہ ضرور کرو اگرچہ ایک بکری ہی ذبح کرو۔‘‘[2]

3۔ انسان تجارت یا کھانے وغیرہ کے لیے جانور ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ o وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ﴾ (یٰس:71،72)

([1]صحیح بخاری، کتاب الادب باب من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر :۶۰۱۸۔ [2]) صحیح بخاری، کتاب البیوع باب ما جاء فی قول اللّٰہ تعالیٰ فاذاقضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض :۲۰۴۹۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق :۱۴۲۷۔

’’کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان کے لیے وہ جانور پیدا کیے ہیں جو ہمارے سامنے کام کرتے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے ان جانوروں کو ان کے ماتحت کر دیا ہے ان میں سے کچھ ان کی سواری کے لیے ہیں اور کچھ جانوروں کو یہ کھاتے ہیں۔‘‘ ان میں سے جائز اور ممنوع جانوروں کی تفصیل دینی مسائل کی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

## نذر ونیاز عبادت ہے نذر کا معنیٰ:

جو کام عام طور پر فرائض عبادات میں شمار ہوں۔ بعض اوقات نذر کسی خاص مقصد کے لیے ہوتی ہے، یعنی انسان خود اپنے آپ پر کوئی ایسا کام ضروری قرار دے دے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنا ہو۔ یہاں پہلی صورت مراد ہے کہ انسان ہر قسم کی عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے خالص رکھے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ﴾(الاسراء:23)

’’ تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو گے۔‘‘

# مدد مانگنا عبادت ہے

مشکل وقت میں مدد مانگنے اور کسی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے۔ یہی سب سے افضل اور عمدہ کام ہے۔ انبیاء ورسل علیہما السلام اور ان کے متبعین صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾(الانفال:9)

''جب تم نے اپنے رب سے مدد مانگی تو اس نے تمہاری دعا کو قبول کیا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔''

2۔ فوت شدہ یا غائب سے مدد طلب کرنا حالاں کہ وہ مدد کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے، ایسا کرنا شرک ہے۔ یہ کام انسان اس وقت کرتا ہے جب اس کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ لوگ بھی کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں حصہ رکھتے ہیں اور ان کاموں کے چلانے میں کچھ اختیارات کے مالک ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾(النمل:62)

''مشکل وقت میں پھنسے ہوئے آدمی کی پکار کا کون جواب دیتا ہے؟ اور کسی تکلیف میں مبتلا شخص کی برائی کون دور کرتا ہے؟ اور کس نے تم کو زمین پر نائب بنایا؟ کیا پھر بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کے لائق ہے؟! تم نصیحت کم سمجھتے ہو۔''

3۔ ایسے زندہ لوگوں سے مدد مانگنا جو اس کی مدد کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں یہ صورت جائز ہے۔ گویا ان سے تعاون حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں اس کا ذکر کیا ہے:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾(القصص:15)

''موسیٰ علیہ السلام سے ان کی جماعت کے ایک شخص نے مدد مانگی اپنے دشمن کے خلاف، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو گھونسا مارا وہ اسی سے فوت ہو گیا۔''

4۔ ایسے زندہ شخص سے مدد مانگنا جو مدد دینے کے قابل نہ ہو البتہ یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس کے پاس کوئی پوشیدہ طاقت موجود ہے جو کسی فالج زدہ بیمار کو صحت یاب کر دے گا وغیرہ وغیرہ، یہ کام غلط اور اس آدمی سے مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ممنوع ہے نیز اس لیے بھی کہ اس عمل سے وہ دوسروں کو یہ دھوکا دے رہا ہے کہ اگر اس آدمی سے مدد طلب کی جائے تو یہ ضرورت پوری کر سکتا ہے نیز اس کے پاس کوئی ایسی پوشیدہ طاقتیں موجود ہیں جو اس قسم کے حالات میں نجات کا باعث بنتی ہیں۔

## خلاصہ بحث

گزشتہ بحث سے یہ معلوم ہوا کہ مؤلف یہی بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جو توحید انبیاء ورسل اپنی قوموں کے پاس لے کر آئے وہ توحید الوہیت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے مشرک توحید ربوبیت کا اقرار تو کرتے تھے لیکن وہ مزید یہ بھی کہتے تھے کہ ہم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت کا اقرار تو کرتے تھے لیکن اس کا راستہ وہ اپناتے جو شرک تھا، یعنی فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اسی وجہ سے اس توحید کے اقرار میں شامل نہ ہو سکے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پیش فرمائی تھی۔ وہ توحید یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یعنی عبادت کے لائق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی حق نہیں رکھتا کہ عبادات کے جملہ امور اس کے لیے ادا کیے جائیں۔

**تبرکات کی شرعی حیثیت** قرآن وحدیث پر مبنی عقائد واعمال کو صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین وائمہ دین کے فہم کی روشنی میں سمجھنا اور اپنانا اہل سنت واہل حق کا وطیرہ ہے۔ کتنے ہی عقائد واعمال ایسے ہیں کہ سلف صالحین کے نزدیک وہ کفر وشرک اور بدعت ہیں، لیکن اہل کلام واہل بدعت کے ہاں وہ دین کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبِ سلف کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے، جبکہ اہل بدعت کا مزعومہ دین ان کی آراوخواہشات پر مبنی ہے۔ ☆ امامِ اندلس، محمد بن وضاح رحمہ اللہ (286ھ) فرماتے ہیں: عَلَيْكُمْ بِالِاتِّبَاعِ لِأَئِمَّةِ الْهُدَى الْمَعْرُوفِينَ، فَقَدْ قَالَ بَعْضُ مَنْ مَضَى: كَمْ مِّنْ أَمْرٍ هُوَ الْيَوْمَ مَعْرُوفٌ عِنْدَ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ؛ كَانَ مُنْكَرًا عِنْدَ مَنْ مَّضَى، وَمُتَحَبَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْغِضُهُ عَلَيْهِ، وَمُتَقَرَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْعِدُهُ مِنْهُ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ عَلَيْهَا زِينَةٌ وَّبَهْجَةٌ۔ ”تم پر معروف ائمہ ہدیٰ کی پیروی ضروری ہے۔ بعض اسلاف نے کہا ہے: کتنے ہی معاملات آج لوگوں میں مشہور ہیں، لیکن اسلاف کے ہاں وہ منکر تھے، کتنے ہی امور آج محبوب ہیں، حالانکہ اسلاف کے نزدیک قابل نفرت تھے اور کتنے ہی معاملات آج تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، جبکہ اسلاف کے ہاں وہ اللہ سے دُوری کا سبب تھے۔ ہر بدعت خوبصورت اور خوش نما ہوتی ہے۔“

(البِدَعِ والنَّهيُ عنها، ص 89، تحت الحديث: 107)

تین فضیلت والے زمانوں کے لوگ، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین معیار حق ہیں۔ ان کے فہم ومنہج کے مطابق قرآن وحدیث کی پیروی ضروری ہے۔ تبرک ایسے اہم مسئلہ پر بھی ہم فہم سلف کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔

### تبرک کی تعریف:

☆ علامہ محمد بن صالح، عثیمین رحمہ اللہ (1421ھ) تبرک کے متعلق فرماتے ہیں:

تَبَرُّكٌ تَفَعُّلٌ مِّنَ الْبَرَكَةِ، وَالْبَرَكَةُ هِيَ كَثْرَةُ الْخَيْرِ وَثُبُوتُهُ، وَهِيَ مَأْخُوذَةٌ مِّنَ الْبِرْكَةِ بِالْكَسْرِ، وَالْبِرْكَةُ مَجْمَعُ الْمَاءِ، وَمَجْمَعُ الْمَاءِ يَتَمَيَّزُ عَنْ مَّجْرَى الْمَاءِ بِأَمْرَيْنِ؛ الْكَثْرَةِ وَالثُّبُوتِ، وَالتَّبَرُّكُ طَلَبُ الْبَرَكَةِ، وَطَلَبُ الْبَرَكَةِ لَا يَخْلُو مِنْ

أَمْرَيْنِ؛ الْأَوَّلُ أَنْ يَكُونَ التَّبَرُّكُ بِأَمْرٍ شَرْعِيٍّ مَّعْلُومٍ، مِّثْلِ الْقُرْآنِ، قَالَ تَعَالَىٰ : ﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْکَ مُبَارَكٌ﴾(صٓ 38 : 29)، فَمِنْ بَرَكَتِهِ أَنَّ مَنْ أَخَذَ بِهِ حَصَلَ لَهُ الْفَتْحُ، فَأَنْقَذَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ أُمَمًا كَثِيرَةً مِّنَ الشِّرْكِ، وَمِنْ بَرَكَتِهِ أَنَّ الْحَرْفَ الْوَاحِدَ بِعَشْرِ حَسَنَاتٍ، وَهٰذَا يُوَفِّرُ لِلْإِنْسَانِ الْوَقْتَ وَالْجُهْدَ..... إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ بَرَكَاتِهِ الْكَثِيرَةِ، وَالثَّانِي أَنْ يَّكُونَ بِأَمْرٍ حِسِّيٍّ مَّعْلُومٍ، مِثْلِ التَّعْلِيمِ، وَالدُّعَاءِ، وَنَحْوِهِ، فَهٰذَا الرَّجُلُ يَتَبَرَّكُ بِعِلْمِهِ وَدَعْوَتِهِ إِلَى الْخَيْرِ، فَيَكُونُ هٰذَا بَرَكَةً لِّأَنَّنَا نِلْنَا مِنْهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَقَالَ أُسَيْدُ ابْنُ حُضَيْرٍ : مَا هٰذِهِ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَجْرِي عَلٰى بَعْضِ النَّاسِ مِنْ أُمُورِ الْخَيْرِ مَا لَا يَجْرِيهِ عَلٰى يَدِ الْآخَرِ، وَهُنَاكَ بَرَكَاتٌ مَّوْهُومَةٌ بَاطِلَةٌ مِّثْلُ مَا يَزْعُمُهُ الدَّجَّالُونَ أَنَّ فُلَانًا ـ الْمَيِّتَ الَّذِي يَزْعُمُونَ أَنَّهُ وَلِيٌّ ـ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَرَكَتِهِ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ، فَهٰذِهِ بَرَكَةٌ بَاطِلَةٌ، لَا أَثَرَ لَهَا، وَقَدْ يَكُونُ لِلشَّيْطَانِ أَثَرٌ فِي هٰذَا الْأَمْرِ، لٰكِنَّهَا لَا تَعْدُو أَنْ تَكُونَ آثَارًا حِسِّيَّةً، بِحَيْثُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَخْدِمُ هٰذَا الشَّيْخَ، فَيَكُونُ فِي ذٰلِكَ فِتْنَةً، أَمَّا كَيْفِيَّةُ مَعْرِفَةِ هَلْ هٰذِهِ مِنَ الْبَرَكَاتِ الْبَاطِلَةِ أَوِ الصَّحِيحَةِ؛ فَيُعْرَفُ ذٰلِكَ بِحَالِ الشَّخْصِ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ الْمُتَّقِينَ الْمُتَّبِعِينَ لِلسُّنَّةِ الْمُبْتَعِدِينَ عَنِ الْبِدْعَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ يَجْعَلُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ مَا لَا يَحْصُلُ لِغَيْرِهِ، وَمِنْ ذٰلِكَ مَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ ابْنِ تَيْمِيَّةِ مِنَ الْبَرَكَةِ الَّتِي انْتَفَعَ بِهَا النَّاسُ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ، أَمَّا إِنْ كَانَ مُخَالِفًا لِّلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، أَوْ يَدْعُو إِلٰى بَاطِلٍ، فَإِنَّ بَرَكَتَهُ مَوْهُومَةٌ، وَقَدْ تَضَعُهَا الشَّيَاطِينُ لَهُ مُسَاعَدَةً عَلٰى بَاطِلِهِ، وَذٰلِكَ مِثْلُ مَا يَحْصُلُ لِبَعْضِهِمْ أَنَّهُ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ فِي عَرَفَةَ ثُمَّ يَأْتِي إِلٰى بَلَدِهِ، وَيُضَحِّي مَعَ أَهْلِ بَلَدِهِ۔

”تبرک، برکۃ مادہ سے بابِ تفعّل کا مصدر ہے۔ بھلائی کی کثرت اور اس کے دوام کو برکت کہتے ہیں۔ لفظِ برکت، بِرکۃ سے ماخوذ ہے۔ جو پانی کے تالاب کو کہا جاتا ہے۔ تالاب کا بہتے ہوئے پانی سے دو طرح کا فرق ہوتا ہے؛ ایک زیادہ ہونے سے اور دوسرے ٹھہرنے سے۔ تبرک برکت طلب کرنے کا نام ہے۔ برکت کو طلب کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے؛ ایک تو کسی شرعی معلوم امر سے، جیسے قرآنِ کریم سے برکت حاصل کرنا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْکَ مُبَارَكٌ﴾ (جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، مبارک ہے)۔ یہ اس کتاب کی برکت ہے کہ جو اسے اپنا لیتا ہے، اسے فتح حاصل ہوتی ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو شرک سے بچایا۔ یہ بھی قرآنِ کریم کی برکت ہے کہ ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس سے انسان کے وقت اور محنت دونوں کی بچت ہوتی ہے۔ یوں قرآنِ مجید کی اور بھی بہت سی برکات ہیں۔

برکت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی حسی معلوم چیز سے برکت حاصل کی جائے، جیسے تعلیم، دعا وغیرہ سے۔ کوئی شخص اپنے علم اور نیکی کی طرف دعوت کی وجہ سے متبرک ہے، تو اس سے برکت حاصل ہو گی، کیونکہ ہم اس سے بہت زیادہ بھلائی حاصل کر سکیں گے۔ (مثلاً جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے پر تیمم کا حکم نازل ہوا، تو) سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر کہا تھا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آل! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ہاتھ پر ان امورِ خیر کو جاری کر دیتا ہے، جو دوسروں کے ہاتھ پر جاری نہیں ہوتے۔ لیبہت سی باطل اور وہم وگمان پر مبنی برکات ہیں، جیسے دجال قسم کے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں مردہ، جسے وہ ولی سمجھ رہے ہوتے ہیں، نے تم پر یہ برکت نازل کی ہے، وغیرہ۔ یہ باطل برکت ہے، جس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور بسا اوقات تو شیطان اس معاملے میں تعاون کرتا ہے، لیکن یہ معاملات حسی آثار سے زیادہ

کچھ نہیں ہوتے۔ شیطان اس بزرگ کا نام استعمال کرتا ہے اور وہ اس سلسلے میں فتنہ بن جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ باطل اور صحیح برکات میں فرق کیسے کیا جائے، تو اس کی پہچان اس شخص کی حالت دیکھ کر ہو گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے متقین اولیا، سنتِ رسول کے متبعین اور بدعت سے دُور رہنے والے افراد میں سے ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں میں ایسی خیر و برکت رکھ دیتا ہے، جو دوسروں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہ برکت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاتھ پر رکھی تھی، جس سے ان کی زندگی اور بعد از وفات لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اگر وہ شخص کتاب و سنت کا مخالف ہو یا باطل کی طرف دعوت دیتا ہو، تو اس کی برکت ایک وہمی امر ہے اور بسا اوقات شیاطین اس کے باطل فعل پر معاونت کے لیے کسی امر کو رونما کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کرتے بھی پائے گئے، پھر وہ اپنے علاقے میں آ کر اہل علاقہ کے ساتھ قربانی کرتے بھی پائے گئے۔“

(القول المفيد على كتاب التّوحيد : 194/1، 195)

☆ شیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ [موصوف اپنے والدِ گرامی، مفتی عرب، شیخ عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم، شیخ عبد العزیز بن مرشد، شیخ عبد اللہ بن عقیل، شیخ عبد اللہ بن غدیان، شیخ صالح اطرم، شیخ حماد انصاری اور شیخ اسماعیل انصاری کے شاگرد ہیں] فرماتے ہیں:

قَالَ سُبْحَانَهُ : ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ﴾(الصّافات : 113) وَقَالَ : ﴿وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا﴾(مريم : 31)، فَالَّذِي يُبَارِكُ؛ هُوَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا، فَلَا يَجُوزُ لِلْمَخْلُوقِ أَنْ يَّقُولَ : بَارَكْتُ عَلَى الشَّيْءِ، أَوْ أُبَارِكُ فِعْلَكُمْ، لِأَنَّ الْبَرَكَةَ وَكَثْرَةَ الْخَيْرِ وَلُزُومَهُ وَثُبَاتَهُ؛ إِنَّمَا ذٰلِكَ مِنَ الَّذِي بِيَدِهِ الْأَمْرُ؛ وَهُوَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَدْ دَلَّتِ النُّصُوصُ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ الْأَشْيَاءَ الَّتِي أَحَلَّ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا الْبَرَكَةَ فِيهَا؛ قَدْ تَكُونُ أَمْكِنَةً أَوْ أَزْمِنَةً، وَقَدْ تَكُونُ مَخْلُوقَاتٍ آدَمِيَّةً ـ فَهٰذَانِ قِسْمَانِ؛ اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَارَكَ بَعْضَ الْأَمَاكِنِ كَبَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ، وَحَوْلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ : ﴿الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾(الإسراء : 1)، وَمَعْنٰى كَوْنِ الْأَرْضِ مُبَارَكَةً أَنْ يَّكُونَ فِيهَا الْخَيْرُ الْكَثِيرُ اللَّازِمُ، يَعْنِي أَبَدًا، أَنْ يُّتَمَسَّحَ بِأَرْضِهَا، أَوْ أَنْ يُّتَمَسَّحَ بِحِيطَانِهَا، لِأَنَّ بَرَكَتَهَا لَازِمَةٌ لَّا تَنْتَقِلُ بِالذَّاتِ، يَعْنِي أَنَّكَ إِذَا لَامَسْتَ الْأَرْضَ، أَوْ دُفِنْتَ فِيهَا، أَوْ تَبَرَّكْتَ بِهَا، فَإِنَّ بَرَكَتَهَا لَا تَنْتَقِلُ إِلَيْكَ بِالذَّاتِ، وَإِنَّمَا بَرَكَتُهَا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنٰى فَقَطْ، كَذٰلِكَ بَيْتُ اللّٰهِ الْحَرَامُ هُوَ مُبَارَكٌ لَّا مِنْ جِهَةِ ذَاتِهِ، يَعْنِي لَيْسَ كَمَا يَعْتَقِدُ الْبَعْضُ أَنَّ مَنْ تَمَسَّحَ بِهِ انْتَقَلَتْ إِلَيْهِ الْبَرَكَةُ، وَإِنَّمَا هُوَ مُبَارَكٌ مِّنْ جِهَةِ الْمَعْنٰى، يَعْنِي اجْتَمَعَتْ فِيهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي هٰذِهِ الْبِنْيَةِ؛ مِنْ جِهَةِ تَعَلُّقِ الْقُلُوبِ بِهَا، وَكَثْرَةِ الْخَيْرِ الَّذِي يَكُونُ لِمَنْ أَرَادَهَا وَأَتَاهَا وَطَافَ بِهَا، وَتَعَبَّدَ عِنْدَهَا، وَكَذٰلِكَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ؛ هُوَ حَجَرٌ مُّبَارَكٌ، وَلٰكِنْ بَرَكَتُهُ لِأَجْلِ الْعِبَادَةِ، يَعْنِي أَنَّ مَنِ اسْتَلَمَهُ تَعَبُّدًا مُّطِيعًا لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اسْتِلَامِهِ لَهُ، وَفِي تَقْبِيلِهِ، فَإِنَّهُ يَنَالُهُ بِهِ بَرَكَةَ الِاتِّبَاعِ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا قَبَّلَ الْحَجَرَ : إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، فَقَوْلُهُ : لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، يَعْنِي لَا يَجْلِبُ لِمَنْ قَبَّلَهُ شَيْئًا مِّنَ النَّفْعِ، وَلَا يَدْفَعُ عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا مِّنَ الضُّرِّ، وَإِنَّمَا الْحَامِلُ عَلَى التَّقْبِيلِ مُجَرَّدُ الِاتِّسَاءِ، تَعَبُّدًا لِّلّٰهِ، وَلِذٰلِكَ قَالَ : وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُقَبِّلُكَ؛ مَا قَبَّلْتُكَ. فَهٰذَا مَعْنَى الْبَرَكَةِ الَّتِي جُعِلَتْ فِي الْأَمْكِنَةِ. وَأَمَّا مَعْنٰى كَوْنِ الزَّمَانِ مُبَارَكًا؛ مِثْلَ شَهْرِ رَمَضَانَ، أَوْ بَعْضِ أَيَّامِ اللّٰهِ الْفَاضِلَةِ. فَيَعْنِي أَنَّ مَنْ تَعَبَّدَ فِيهَا، وَرَامَ الْخَيْرَ فِيهَا، فَإِنَّهُ يَنَالُ مِنْ كَثْرَةِ الثَّوَابِ مَا لَا يَنَالُهُ فِي غَيْرِهَا مِنَ الْأَزْمِنَةِ.

وَالْقِسْمُ الثَّانِي الْبَرَكَةُ الْمَنُوطَةُ بِبَنِي آدَمَ، وَهِيَ الْبَرَكَةُ الَّتِي جَعَلَهَا اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا فِي الْمُؤْمِنِينَ مِنَ النَّاسِ، وَعَلٰى رَأْسِهِمْ سَادَةُ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ. فَهٰؤُلَاءِ بَرَكَتُهُمْ بَرَكَةٌ ذَاتِيَةٌ، يَعْنِي أَنَّ أَجْسَامَهُمْ مُبَارَكَةٌ. فَاللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا هُوَ الَّذِي جَعَلَ جَسَدَ آدَمَ مُبَارَكًا، وَجَعَلَ جَسَدَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُبَارَكًا، وَجَعَلَ جَسَدَ نُوحٍ مُبَارَكًا، وَهٰكَذَا جَسَدَ عِيسٰى وَمُوسٰى، عَلَيْهِمْ جَمِيعًا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَعَلَ أَجْسَادَهُمْ جَمِيعًا مُبَارَكَةً. بِمَعْنٰى أَنَّهُ لَوْ تَبَرَّكَ أَحَدٌ مِنْ أَقْوَامِهِمْ بِأَجْسَادِهِمْ، إِمَّا بِالتَّمَسُّحِ بِهَا، أَوْ بِأَخْذِ عَرَقِهَا، أَوِ التَّبَرُّكِ بِبَعْضِ أَشْعَارِهِمْ، فَهٰذَا جَائِزٌ. لِأَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ أَجْسَادَهُمْ مُبَارَكَةً بَرَكَةً مُتَعَدِّيَةً، وَهٰكَذَا نَبِيُّنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَسَدُهُ أَيْضًا جَسَدٌ مُبَارَكٌ؛ وَلِهٰذَا وَرَدَ فِي السُّنَّةِ أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَتَبَرَّكُونَ بِعَرَقِهِ، وَيَتَبَرَّكُونَ بِشَعْرِهِ، وَإِذَا تَوَضَّأَ اقْتَتَلُوا عَلٰى وَضُوئِهِ، إِلٰى آخِرِ مَا وَرَدَ فِي ذٰلِكَ. ذٰلِكَ أَنَّ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فِيهَا بَرَكَةٌ ذَاتِيَةٌ يَنْتَقِلُ أَثَرُهَا إِلٰى غَيْرِهِمْ، وَهٰذَا مَخْصُوصٌ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ. أَمَّا غَيْرُهُمْ؛ فَلَمْ يَرِدْ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ مِنْ أَصْحَابِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ مَنْ بَرَكَتُهُمْ بَرَكَةٌ ذَاتِيَةٌ، حَتّٰى أَفْضَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَدْ جَاءَ بِالتَّوَاتُرِ الْقَطْعِيِّ أَنَّ الصَّحَابَةَ وَالتَّابِعِينَ وَالْمُخَضْرَمِينَ لَمْ يَكُونُوا يَتَبَرَّكُونَ بِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، كَمَا كَانُوا يَتَبَرَّكُونَ بِشَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ بِوَضُوئِهِ، أَوْ بِنُخَامَتِهِ، أَوْ بِعَرَقِهِ، أَوْ بِمَلَابِسِهِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ. فَعَلِمْنَا بِهٰذَا التَّوَاتُرِ الْقَطْعِيِّ أَنَّ بَرَكَةَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِنَّمَا هِيَ بَرَكَةُ عَمَلٍ، لَيْسَتْ بَرَكَةَ ذَاتٍ تَنْتَقِلُ، كَمَا هِيَ بَرَكَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِهٰذَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ، فَدَلَّ هٰذَا عَلٰى أَنَّ فِي كُلِّ مُسْلِمٍ بَرَكَةٌ، وَفِي الْبُخَارِيِّ أَيْضًا قَوْلُ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ: مَا هٰذِهِ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ، فَهٰذِهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي أُضِيفَتْ لِكُلِّ مُسْلِمٍ، وَأُضِيفَتْ لِآلِ أَبِي بَكْرٍ، هِيَ بَرَكَةُ عَمَلٍ، هٰذِهِ الْبَرَكَةُ رَاجِعَةٌ إِلَى الْإِيمَانِ، وَإِلَى الْعِلْمِ، وَالدَّعْوَةِ، وَالْعَمَلِ، فَكُلُّ مُسْلِمٍ فِيهِ بَرَكَةٌ، وَهٰذِهِ الْبَرَكَةُ لَيْسَتْ بَرَكَةَ ذَاتٍ، وَإِنَّمَا هِيَ بَرَكَةُ عَمَلٍ، وَبَرَكَةُ مَا مَعَهُ مِنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ، وَمَا فِي قَلْبِهِ مِنَ الْإِيقَانِ، وَالتَّعْظِيمِ لِلّٰهِ جَلَّ وَعَلَا، وَالْإِجْلَالِ لَهُ، وَالِاتِّبَاعِ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهٰذِهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي فِي الْعِلْمِ، أَوِ الْعَمَلِ، أَوِ الصَّلَاحِ، لَا تَنْتَقِلُ مِنْ شَخْصٍ إِلٰى آخَرَ، وَعَلَيْهِ فَيَكُونُ مَعْنَى التَّبَرُّكِ بِأَهْلِ الصَّلَاحِ؛ هُوَ الِاقْتِدَاءُ بِهِمْ فِي صَلَاحِهِمْ، وَالتَّبَرُّكُ بِأَهْلِ الْعِلْمِ؛ هُوَ الْأَخْذُ مِنْ عِلْمِهِمْ وَالِاسْتِفَادَةُ مِنْهُ وَهٰكَذَا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُتَبَرَّكَ بِهِمْ بِمَعْنٰى أَنْ يُتَمَسَّحَ بِهِمْ، أَوْ يُتَبَرَّكُ بِرِيقِهِمْ، لِأَنَّ أَفْضَلَ الْخَلْقِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَهُمُ الصَّحَابَةُ، لَمْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ مَعَ خَيْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَهٰذَا أَمْرٌ مَقْطُوعٌ بِهِ. فَمَعْنٰى تَبَرُّكِ الْمُشْرِكِينَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَرْجُونَ كَثْرَةَ الْخَيْرِ، وَدَوَامَ الْخَيْرِ، وَلُزُومَ الْخَيْرِ، وَثُبَاتَ الْخَيْرِ بِالتَّوَجُّهِ إِلَى الْآلِهَةِ، وَهٰذِهِ الْآلِهَةُ يَكُونُ مِنْهَا الصَّنَمُ الَّذِي مِنَ الْحِجَارَةِ، وَالْقَبْرِ مِنَ التُّرَابِ، وَيَكُونُ مِنْهَا الْوَثَنُ

وَالشَّجَرُ، وَيَكُونُ مِنهَا الْبِقَاعُ الْمُخْتَلِفَةُ، كَالْغَارِ أَوْ عَيْنِ مَائٍ، أَوْ نَحوِ ذٰلِكَ، فَهٰذِهِ التَّبَرُّكَاتُ الْمُخْتَلِفَةُ جَمِيعُهَا تَبَرُّكَاتٌ شِرْكِيَّةٌ۔ ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ﴾ (الصّافات: 113)

(ہم نے ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر برکت نازل کی) نیز فرمایا:

﴿وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا﴾ (مریم: 31)

(اور مجھے [عیسیٰ علیہ السلام کو مبارک بنایا)۔ یعنی برکت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی مخلوق کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں نے فلاں چیز کو برکت دی ہے یا میں تمہارے کام کو مبارک کروں گا، کیونکہ برکت، کثرتِ خیر اور لزوم و ثباتِ خیر اسی ذات کے پاس ہے۔ جس کے ہاتھ میں سب معاملات ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص یہ بتاتی ہیں کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، وہ جگہوں کی صورت میں بھی ہیں، وقت کی صورت میں بھی ہیں اور انسانوں کی صورت میں بھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں کو برکت دی ہے، جیسے بیت اللہ الحرام کو اور بیت المقدس کے ماحول کو، جیسے فرمایا: ﴿الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (الإسراء 17: 1) (جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی)۔ تو جگہ کے مبارک ہونے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں خیر کثیر ہوتی ہے، جو اس میں لازم، یعنی ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ (برکت کی نیت سے) اس جگہ کی زمین کو چھوا جائے یا اس کی دیواروں کو مس کیا جائے، کیونکہ اس کی برکت اس جگہ کے ساتھ لازم ہوتی ہے، بالذات منتقل نہیں ہوتی۔ اگر آپ اس جگہ کو ہاتھ لگائیں یا اس میں دفن ہو جائیں یا اس سے تبرک حاصل کرنے کی کوشش کریں، تو اس کی برکت آپ کی طرف بالذات منتقل نہیں ہو گی۔ اس کی برکت تو صرف معنوی ہوتی ہے۔ یوں بیت اللہ الحرام مبارک ہے، لیکن معنوی طور پر بالذات نہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو بیت اللہ کو چھوئے گا، اس کی برکت اس پر منتقل ہو جائے گی، یہ خیال درست نہیں، کیونکہ بیت اللہ معنوی طور پر مبارک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کئی برکتیں جمع ہیں، مثلاً دل اس کے ساتھ اٹک جاتے ہیں، جو اس میں آنے کا ارادہ کرتا ہے، آتا ہے اور طواف کرتا ہے اور اس کے پاس عبادت کرتا ہے، اس کو خیر کثیر حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حجر اسود مبارک پتھر ہے، لیکن اس کی برکت صرف عبادت کے لیے ہے، یعنی جو اس کو عبادت کے لیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چومتا ہے اور اس کا استلام کرتا ہے، اسے اس بنا پر اتباع کی برکت حاصل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجر اسود کو چوما تو فرمایا: پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ بتاتا ہے کہ جو شخص حجر اسود کو چومتا ہے، حجر اسود نہ اسے نفع کی کوئی صورت دے سکتا ہے نہ اس سے کسی نقصان والی چیز کو دُور کر سکتا ہے۔ اسے چومنے کا باعث صرف اللہ کی عبادت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ اسی لیے پھر انہوں نے فرمایا: اگر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا، تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ جگہوں میں برکت ہونے کا یہی معنیٰ ہے۔ اور کسی وقت، مثلاً ماہِ رمضان یا دیگر فضیلت والے ایام کے مبارک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دنوں میں عبادت کرے گا اور خیر کا ارادہ کرے گا، وہ باقی اوقات کے مقابلے میں زیادہ ثواب حاصل کرے گا۔

دوسری قسم وہ ہے، جو انسانوں میں ودیعت کی ہے، یہ وہ برکت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مؤمن لوگوں میں رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں میں سر فہرست مؤمنوں کے سردار انبیاورسل ہیں۔ انبیاءِ کرام کی برکت ذاتی ہوتی ہے، یعنی ان کے اجسام برکت والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، سیدنا نوح علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، اسی طرح سیدنا عیسیٰ وسیدنا موسیٰ علیہما السلام کے اجسام کو مبارک بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے کسی امتی نے ان کے اجسام کو چھو کر یا ان کا پسینہ لے کر یا ان کے بالوں سے برکت حاصل کی، تو یہ جائز تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجسام کو ایسی برکت نصیب فرمائی تھی، جو آگے منتقل بھی ہوتی تھی۔ اسی طرح ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی مبارک تھا۔ اسی لیے احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے پسینے اور بالوں سے تبرک لیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے، تو وہ آپ کے وضو کا پانی حاصل کرنے میں باہم مقابلہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تبرکات کا معاملہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انبیاءِ کرام کے اجسام میں برکت ذاتی تھی جس کا اثر دوسروں تک منتقل بھی ہوتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ انبیا ورسل کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے علاوہ انبیاءِ کرام کے صحابہ میں سے کسی صحابی کے بارے میں بھی یہ وارد نہیں کہ ان کی برکت ذاتی ہو۔ یہاں تک کہ امتِ محمد یہ علی صاحبہا والصلوٰۃ والسلام کی سب سے بزرگ ہستیاں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے بارے میں بھی تواترِ قطعی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور مخضرمین (جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، لیکن زیارت نہ کر سکے) سیدنا ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے تبرک نہیں لیتے تھے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں، وضو کے پانی، تھوک، پسینے، لباس وغیرہ سے تبرک لیا جاتا تھا۔ اس تواترِ قطعی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی برکت، عمل والی برکت تھی۔ یہ ذاتی برکت نہیں تھی، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی طرح دوسروں کو منتقل ہوتی ہو۔ اسی لیے صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک درخت کی برکت ایسی ہے جیسے مسلمان کی برکت ہوتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ ہر مسلمان میں برکت ہوتی ہے۔ صحیح بخاری ہی میں سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے: (انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہونے کی وجہ سے آیتِ تیمم کے نزول پر فرمایا:) اے آلِ ابو بکر! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں۔ یہ وہی برکت ہے، جسے ہر مسلمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور آلِ ابو بکر کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ یہ عمل والی برکت ہے اور یہی برکت ایمان، علم، دعوت اور عمل کی طرف لے کر جاتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان میں برکت موجود ہوتی ہے، لیکن یہ برکت ذاتی نہیں ہوتی، بلکہ عمل کی اور مسلمان میں موجود اسلام و ایمان اور اس کے دل میں موجود یقین، اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کے جلال اور اتباعِ رسول کی برکت ہوتی ہے۔ یہی برکت ہے جو علم، عمل اور نیکی میں ہوتی ہے، یہ ایک شخص سے دوسرے میں منتقل نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر نیک لوگوں سے تبرک کا معنیٰ یہ ہے کہ نیکی میں ان کی اقتدا کی جائے، اہل علم سے تبرک کا معنی یہ ہو گا کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور استفادہ کیا جائے۔ ان سے اس طرح تبرک لینا جائز نہیں کہ ان کو چھوا جائے یا ان کے لعاب سے برکت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اس امت کی سب سے بزرگ ہستیاں صحابہ کرام ہیں، انہوں نے اس امت کی بزرگ ترین ہستیوں، سیدنا ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے ایسا تبرک حاصل نہیں کیا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مشرکین کے تبرک کی یہی صورت تھی کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف توجہ کر کے کثرتِ خیر، دوامِ خیر اور لزوم و ثباتِ خیر کی امید کرتے تھے۔ ان کے معبودوں میں پتھر کے بت، مٹی کی قبریں، آستانے، درخت، مختلف جگہیں، جیسے غاریں، چشمے وغیرہ شامل تھے۔ یہ سارے تبرکات شرکیہ ہیں۔"

(التّمهید لشرح کتاب التّوحید، ص 124127)

☆ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُ الْقَائِلِ : نَحْنُ فِي بَرَكَةِ فُلَانٍ، أَوْ مِنْ وَقْتِ حُلُولِهِ عِنْدَنَا حَلَّتِ الْبَرَكَةُ، فَهٰذَا الْكَلَامُ صَحِيحٌ بِاعْتِبَارٍ بَاطِلٌ بِاعْتِبَارٍ، فَأَمَّا الصَّحِيحُ : فَأَنْ يُرَادَ بِهِ أَنَّهُ هَدَانَا وَعَلَّمَنَا وَأَمَرَنَا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ، فَبِبَرَكَةِ اتِّبَاعِهِ وَطَاعَتِهِ؛ حَصَلَ لَنَا مِنَ الْخَيْرِ مَا حَصَلَ، فَهٰذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ، كَمَا كَانَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَرَكَتِهِ لَمَّا آمَنُوا بِهِ وَأَطَاعُوهُ، فَبِبَرَكَةِ ذٰلِكَ حَصَلَ لَهُمْ سَعَادَةُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، بَلْ كُلُّ مُؤْمِنٍ آمَنَ بِالرَّسُولِ وَأَطَاعَهُ حَصَلَ لَهُ مِنْ بَرَكَةِ الرَّسُولِ بِسَبَبِ إِيمَانِهِ وَطَاعَتِهِ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَيْضًا إِذَا أُرِيدَ بِذٰلِكَ أَنَّهُ بِبَرَكَةِ دُعَائِهِ وَصَلَاحِهِ دَفَعَ اللّٰهُ الشَّرَّ وَحَصَلَ لَنَا رِزْقٌ وَنَصْرٌ، فَهٰذَا حَقٌّ، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : 'وَهَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؛ بِدُعَائِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ'، وَقَدْ يَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنِ الْكُفَّارِ وَالْفُجَّارِ لِئَلَّا يُصِيبَ مِنْ بَيْنِهِمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِمَّنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الْعَذَابَ، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ أَنْ تَطَؤُهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ مبِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾(الفتح : 25)، فَلَوْلَا الضُّعَفَاءُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ كَانُوا بِمَكَّةَ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْكُفَّارِ؛ عَذَّبَ اللّٰهُ الْكُفَّارَ، وَكَذٰلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : 'لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذَّرَارِيِّ؛ لَأَمَرْتُ بِالصَّلَاةِ، فَتُقَامُ، ثُمَّ أَنْطَلِقُ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَّعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ مَعَنَا، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ'، وَكَذٰلِكَ تَرَكَ رَجْمَ الْحَامِلِ حَتّٰى تَضَعَ جَنِينَهَا، وَقَدْ قَالَ الْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾(مريم : 31)، فَبَرَكَاتُ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ بِاعْتِبَارِ نَفْعِهِمْ لِلْخَلْقِ بِدُعَائِهِمْ إِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ، وَبِدُعَائِهِمْ لِلْخَلْقِ، وَبِمَا يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيَدْفَعُ مِنَ الْعَذَابِ بِسَبَبِهِمْ؛ حَقٌّ مَّوْجُودٌ، فَمَنْ أَرَادَ بِالْبَرَكَةِ هٰذَا، وَكَانَ صَادِقًا؛ فَقَوْلُهُ حَقٌّ، وَأَمَّا الْمَعْنَى الْبَاطِلُ؛ فَمِثْلُ أَنْ يُّرِيدَ الْإِشْرَاكَ بِالْخَلْقِ، مِثْلُ أَنْ يَّكُونَ رَجُلٌ مَّقْبُورٌ بِمَكَانٍ، فَيُظَنُّ أَنَّ اللّٰهَ يَتَوَلَّاهُمْ لِأَجْلِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَقُومُوا بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، فَهٰذَا جَهْلٌ، فَقَدْ كَانَ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَ وَلَدِ آدَمَ، مَدْفُونٌ بِالْمَدِينَةِ عَامَ الْحَرَّةِ، وَقَدْ أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ مِنَ الْقَتْلِ وَالنَّهْبِ وَالْخَوْفِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ، وَكَانَ ذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ أَحْدَثُوا أَعْمَالًا أَوْجَبَتْ ذٰلِكَ، وَكَانَ عَلٰى عَهْدِ الْخُلَفَاءِ يَدْفَعُ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِإِيمَانِهِمْ وَتَقْوَاهُمْ، لِأَنَّ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ كَانُوا يَدْعُونَهُمْ إِلٰى ذٰلِكَ، وَكَانَ بِبَرَكَةِ طَاعَتِهِمْ لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَبَرَكَةِ عَمَلِ الْخُلَفَاءِ مَعَهُمْ؛ يَنْصُرُهُمُ اللّٰهُ وَيُؤَيِّدُهُمْ، وَكَذٰلِكَ الْخَلِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدْفُونٌ بِالشَّامِ، وَقَدِ اسْتَوْلَى النَّصَارٰى عَلٰى تِلْكَ الْبِلَادِ قَرِيبًا مِّنْ مِّائَةِ سَنَةٍ، وَكَانَ أَهْلُهَا فِي شَرٍّ، فَمَنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَدْفَعُ عَنِ الْحَيِّ مَعَ كَوْنِ الْحَيِّ عَامِلًا بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ؛ فَهُوَ غَالِطٌ، وَكَذٰلِكَ إِذَا ظَنَّ أَنَّ بَرَكَةَ الشَّخْصِ تَعُودُ عَلٰى مَنْ أَشْرَكَ بِهِ، وَخَرَجَ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، مِثْلُ أَنْ يَّظُنَّ أَنَّ

بَرَكَةَ السُّجُودِ لِغَيْرِهِ، وَتَقْبِيلِ الْأَرْضِ عِنْدَهُ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ يُحَصِّلُ لَهُ السَّعَادَةَ، وَإِنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَكَذٰلِكَ إِذَا اعْتَقَدَ أَنَّ ذٰلِكَ الشَّخْصَ يَشْفَعُ لَهُ وَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ بِمُجَرَّدِ مَحَبَّتِهِ وَانْتِسَابِهِ إِلَيْهِ؛ فَهٰذِهِ الْأُمُورُ وَنَحْوُهَا مِمَّا فِيهِ مُخَالَفَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَهُوَ مِنْ أَحْوَالِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْبِدَعِ، بَاطِلٌ لَّا يَجُوزُ اعْتِقَادُهُ وَلَا اعْتِمَادُهُ، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ۔

''کسی کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کی برکت میں ہیں یا اس کے ہمارے پاس آنے کے وقت سے ہمارے پاس برکت نازل ہونا شروع ہو گئی ہے؛ یہ کلام ایک اعتبار سے درست اور ایک اعتبار سے باطل ہے۔ صحیح اس طرح ہے کہ اس سے مراد یہ ہو؛ اس نے ہماری راہنمائی کی، ہمیں دین سکھایا، ہمیں نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا، یوں اس کی پیروی و اطاعت کی برکت سے ہمیں یہ بھلائی حاصل ہو گئی ہے۔ یہ کلام درست ہے، جیسا کہ اہل مدینہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی اطاعت کی، تو اس عمل کی برکت سے انہیں دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ بلکہ جو شخص بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی اطاعت کرتا ہے، اسے ایمان و اطاعت کی وجہ سے دنیا و آخرت کی بے انتہا بھلائی کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت حاصل ہو گی۔ اسی طرح جب یہ مراد ہو کہ کسی شخص کی دُعا و صلاح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شر کو ختم کر دیا اور ہمیں رزق و نصرت حاصل ہو گئی، تو یہ بھی درست ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری مدد صرف تمہارے کمزوروں کی دُعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کفار و فجار سے عذاب اس لیے ٹال دیتا ہے کہ ان کے درمیان رہنے والے مؤمنین کو یہ عذاب نہ پہنچ جائے، جو اس کے مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مدعا ہے: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ أَنْ تَطَؤُهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ مبِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾(الفتح : 25)

(اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم انہیں پامال کر دیتے تو تمہیں ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو بھی تمہیں فتح ہو جاتی مگر تاخیر) اس لئے (ہوئی) کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کر لے۔ اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو ان میں سے کافروں کو ہم دردناک عذاب سے دوچار کرتے)۔ یعنی اگر مکہ میں کفار کے درمیان کمزور مؤمن موجود نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ کفار پر عذاب نازل فرماتا۔ اسی طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے، تو میں حکم دیتا، نماز کی اقامت کہی جاتی، پھر میں اپنے ساتھ ایسے مردوں کو لے کر، جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوتے، ان لوگوں کی طرف چلتا جو ہمارے ساتھ نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور میں ان کے گھروں کو جلا دیتا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم (زنا کرنے والی) حاملہ عورت کو اس وقت تک رجم کرنے سے رُک گئے جب تک اس نے بچے کو نہیں جن لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾(مریم : 31)

(میں جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک بنایا ہے)۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی برکات اس اعتبار سے ہوتی ہیں کہ وہ مخلوق کو اطاعت الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان کے لیے دُعا کرتے ہیں اور ان کے سبب اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وہ عذاب سے بچتے ہیں۔ یہ صورت برحق اور موجود ہے۔ جو سچا شخص برکت سے یہ مراد لیتا ہے، اس کی بات برحق ہے۔ رہا برکت کا غلط معنی، تو وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، جیسے کوئی بزرگ کسی جگہ دفن ہو اور اس کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اگرچہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت بجانہ بھی لاتے ہوں۔ یہ اعتقاد جہالت پر مبنی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ آدم کے سردار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دفن تھے، لیکن حادثۂ حرہ کی صورت میں اہل مدینہ اس قتل ولوٹ مار اور خوف کا شکار ہوئے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ سانحہ اس لیے پیش آیا کہ خلفائے راشدین کے بعد اہل مدینہ نے ایسے اعمال ایجاد کر لیے تھے، جن کی بنا پر اس حادثہ کا پیش آنا ضروری ہو گیا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اہل مدینہ کو عذاب سے بچایا ہوا تھا، کیونکہ خلفا لوگوں کو ایمان و تقویٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ خلفا کی اطاعت کی برکت اور خود خلفا کے عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و تائید کرتا تھا۔ اسی طرح خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام شام میں مدفون ہیں، اس کے باوجود نصاریٰ ان علاقوں پر تقریباً سو سال تک قابض رہے ہیں۔ اہل شام اس دوران بہت مصیبت میں تھے۔ لہٰذا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کوئی مرنے والی ہستی کسی زندہ شخص کو گناہ گار ہونے کے باوجود عذاب سے بچاتی ہے، وہ غلطی پر ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کسی ہستی کی برکت اسے حاصل ہوتی ہے، جو اس ہستی کو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت چھوڑ دیتا ہے، مثلاً وہ یہ سمجھ لے کہ غیر اللہ کو سجدہ، غیر اللہ کے پاس زمین کو بوسہ دینا وغیرہ سعادت کا سبب بنتا ہے، اگرچہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت نہ بھی کرے۔ نیز وہ غیر اللہ اس کے لیے سفارش کرے گا اور اپنی محبت اور انتساب کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرائے گا، تو ایسے کتاب و سنت کے مخالف امور مشرکین و اہل بدعت کا پیشہ ہیں۔ یہ باطل امور ہیں، جن پر اعتقاد و اعتماد جائز نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔" (**مجموع الفتاوٰی**: 11 / 113-115)

☆ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اظہار عقیدت بھی ملاحظہ فرمائیں:

اَلنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُّحِبَّهٗ حَتّٰى يَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَنْفُسِنَا وَآبَائِنَا وَأَبْنَائِنَا وَأَہْلِنَا وَأَمْوَالِنَا، وَنُعَظِّمَهٗ، وَنُوَقِّرَهٗ، وَنُطِيعَهٗ بَاطِنًا وَّظَاہِرًا، وَنُوَالِيَ مَنْ يُّوَالِيهِ، وَنُعَادِيَ مَنْ يُّعَادِيهِ، وَنَعْلَمَ أَنَّهٗ لَا طَرِيقَ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا بِمُتَابَعَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَكُونُ وَلِيًّا لِّلّٰهِ، بَلْ وَلَا مُؤْمِنًا وَلَا سَعِيدًا نَّاجِيًا مِنَ الْعَذَابِ؛ إِلَّا مَنْ آمَنَ بِهٖ، وَاتَّبَعَهٗ بَاطِنًا وَّظَاہِرًا، وَلَا وَسِيلَةَ يُتَوَسَّلُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا؛ إِلَّا الْإِيمَانُ بِهٖ وَطَاعَتُهٗ، وَہُوَ أَفْضَلُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَالْمَخْصُوصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالشَّفَاعَةِ الْعُظْمَى الَّتِي مَيَّزَهُ اللّٰهُ بِهَا عَلٰى سَائِرِ النَّبِيِّينَ، صَاحِبُ الْمَقَامِ الْمَحْمُودِ، وَاللِّوَاءِ الْمَعْقُودِ لِوَاءِ الْحَمْدِ، آدَمُ فَمَنْ دُونَهٗ تَحْتَ لِوَائِهٖ، وَہُوَ أَوَّلُ مَنْ يَّسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ أَنْ لَّا أَفْتَحَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ، وَقَدْ فَرَضَ عَلٰى أُمَّتِهٖ فَرَائِضَ، وَسَنَّ لَهُمْ سُنَنًا مُّسْتَحَبَّةً، فَالْحَجُّ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ فَرْضٌ، وَالسَّفَرُ إِلٰى مَسْجِدِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى لِلصَّلَاةِ فِيهِمَا وَالْقِرَائَةِ وَالذِّكْرِ

وَالدُّعَاءِ وَالِاعْتِكَافِ مُسْتَحَبٌّ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَإِذَا أَتَى مَسْجِدَهُ، فَإِنَّهُ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَيُصَلِّي عَلَيْه، وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ فِيهَا ـ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت ہم پر فرض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہماری جانوں، ہمارے آباواجداد، ہماری اولادوں، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے اموال سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر، آپ کی ظاہری و باطنی اطاعت، آپ سے محبت رکھنے والوں سے محبت اور آپ کی دشمنی کرنے والوں سے دشمنی بھی ہم پر فرض ہے۔ نیز ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا کوئی راستہ نہیں۔ کوئی بندہ ولی تو کیا، مؤمن اور سعید و ناجی بھی نہیں ہو سکتا، جب تک آپ پر ایمان نہ لائے اور ظاہری و باطنی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا کوئی وسیلہ آپ پر ایمان اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے سوا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلوں اور بعد والوں سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ قیامت کے دن شفاعتِ عظمیٰ بھی آپ کے ساتھ خاص ہو گی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیا پر برتری دی ہے۔ آپ مقامِ محمود پر فائز ہوں گے اور لواء الحمد آپ کے ہاتھ میں ہو گا، جس کے نیچے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام (مؤحد) لوگ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے وہ شخص ہوں گے، جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو دربان پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: میں محمد ہوں۔ اس پر دربان عرض کرے گا: آپ وہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کے لیے میں دروازہ نہ کھولوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے بہت سے فرائض و مستحب سنن مقرر کی ہیں۔ مثلاً بیت اللہ کا حج فرض ہے، جبکہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف نماز، قرأت، ذکر، دعا اور اعتکاف کی نیت سے سفر سب مسلمانوں کے ہاں بالاتفاق مستحب ہے۔ جب کوئی مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جاتا ہے، تو آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے، نیز ہر نماز میں بھی درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔''

(مجموع الفتاوٰی: 27/320۔321)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت حاصل کرنا کمال ایمان کی نشانی اور انتہائی محبتِ نبوی کا ثبوت ہے۔ جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے کسی قسم کا علاقہ اور واسطہ ہو، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ہوں، جبہ مبارک ہو، عصا مبارک ہو، نعلین شریفین ہوں، اس سے تبرک لینا مشروع اور جائز ہے۔ ان آثار کی تعظیم و تکریم درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے محبت کا اظہار ہے۔ اس حقیقت سے کسی مسلمان کو انکار کی مجال نہیں۔

## آثار سے تبرک، خاصۂ نبوی ہے:

خوب یاد رہے کہ آثار سے تبرک ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ کسی اور شخصیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک کا جواز پیش کرنا کسی بھی صورت درست نہیں، کیونکہ مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کسی ولی یا صالح شخص کو قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک لینا جائز ہوتا، تو سلف صالحین، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور

ائمہ دین ضرور ایسا کرتے، کیونکہ وہ قرآن وحدیث کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرتے تھے اور قرآن وحدیث کے مفاہیم ومعانی اور مطالب کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔

* علامہ شاطبی رحمہ اللہ (780ھ) فرماتے ہیں : إِنَّ الصَّحَابَةَ بَعْدَ مَوْتِهِ لَمْ يَقَعْ مِنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ شَيْئٌ مِّنْ ذٰلِكَ بِالنِّسْبَةِ إِلٰى مَنْ خَلْفَهُ، إِذْ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ فِي الْأُمَّةِ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَهُوَ كَانَ خَلِيفَتَهُ، وَلَمْ يُفْعَلْ بِهِ شَيْئٌ مِّنْ ذٰلِكَ، وَلَا عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهُوَ كَانَ أَفْضَلَ الْأُمَّةِ بَعْدَهُ، ثُمَّ كَذٰلِكَ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، ثُمَّ سَائِرُ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ لَا أَحَدٌ أَفْضَلُ مِنْهُمْ فِي الْأُمَّةِ، ثُمَّ لَمْ يَثْبُتْ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمْ مِّنْ طَرِيقٍ صَحِيحٍ مَّعْرُوفٍ أَنَّ مُتَبَرِّكًا تَبَرَّكَ بِهِ عَلٰى أَحَدِ تِلْكَ الْوُجُوهِ أَوْ نَحْوِهَا، بَلِ اقْتَصَرُوا فِيهِمْ عَلَى الِاقْتِدَاءِ بِالْأَفْعَالِ وَالْأَقْوَالِ وَالسِّيَرِ الَّتِي اتَّبَعُوا فِيهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ إِذًا إِجْمَاعٌ مِّنْهُمْ عَلٰى تَرْكِ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ۔

''صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ کسی کے لیے یہ (تبرک) مقرر نہ کیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بھی تھے۔ان کے ساتھ اس طرح کا کوئی معاملہ نہیں کیا گیا۔نہ سیدنا عمر سے کوئی اس طرح کا تبرک لیا گیا۔وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل تھے، پھر سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام تھے، کسی صحابی کے بارے میں باسند صحیح ثابت نہیں کہ کسی صحابی یا تابعی نے ان کے ساتھ تبرک والا ایسا سلسلہ جاری کیا ہو، بلکہ انہوں (دیگر صحابہ و تابعین) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر مبنی اقوال وافعال اور طریقہ کار میں پہلوں کی پیروی پر اکتفا کیا، لہٰذا یہ ان کی طرف سے تبرک بالآثار کو ترک کرنے پر اجماع ہے۔'' (الاعتصام : 2/8-9)

☆علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (795ھ) لکھتے ہیں:

كَذٰلِكَ التَّبَرُّكُ بِالْآثَارِ؛ فَإِنَّمَا كَانَ يَفْعَلُهُ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَهُ مَعَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، وَلَا يَفْعَلُهُ التَّابِعُونَ مَعَ الصَّحَابَةِ مَعَ عُلُوِّ قَدْرِهِمْ۔

''اسی طرح آثار کے ساتھ تبرک کا معاملہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ تبرک لیا کرتے تھے، لیکن آپس میں وہ ایسا نہیں کرتے تھے، نہ ہی تابعین کرام، صحابہ کرام کے آثار کے ساتھ تبرک لیتے تھے، حالانکہ ان کی قدر ومنزلت بہت بلند تھی۔''

(الحِکَم الجدیدۃ، ص55)

☆علامہ، عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ (1285ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا مَا ادَّعَاهُ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَنَّهُ يَجُوزُ التَّبَرُّكُ بِآثَارِ الصَّالِحِينَ؛ فَمَمْنُوعٌ مِّنْ وُّجُوهٍ : مِنْهَا أَنَّ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ مَعَ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا فِي حَيَاتِهِ وَلَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَّسَبَقُونَا إِلَيْهِ، وَأَفْضَلُ الصَّحَابَةِ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَقَدْ شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَنْ شَهِدَ لَهُ بِالْجَنَّةِ، وَمَا فَعَلَهُ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ مَعَ أَحَدٍ مِّنْ هٰؤُلَاءِ السَّادَةِ۔

”بعض متاخرین جو صالحین کے آثار سے تبرک لینے (کے جواز) کا دعویٰ کرتے ہیں، تو یہ کئی وجہ سے ممنوع ہے؛ ایک تو اس لیے کہ سلف صالحین، صحابہ و تابعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے آثار سے تبرک نہیں لیتے تھے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ اگر یہ نیکی کا کام ہوتا، تو سلف ہم سے پہلے ضرور اس کام کو کر چکے ہوتے۔ صحابہ کرام میں سے بزرگ ترین ہستیاں ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم، جو ان صحابہ میں شامل تھے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، ان بزرگ ترین ہستیوں کے آثار سے بھی کسی نے تبرک نہیں لیا۔“

(فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص142)

☆ علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (1307ھ) لکھتے ہیں:

لَا يَجُوزُ أَنْ يُّقَاسَ أَحَدٌ مِّنَ الْأُمَّةِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ ذٰلِكَ الَّذِي يَبْلُغُ شَأْنَهُ؟ قَدْ كَانَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ خَصَائِصُ كَثِيرَةٌ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يُّشَارِكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ۔

”امت میں کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ کون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو پہنچ سکے؟ حیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے خصائص حاصل تھے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔“

(الدّین الخالص : 250/2)

☆ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ (1420ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا التَّبَرُّكُ بِشَعْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَرَقِهٖ وَوَضُوئِهٖ؛ فَلَا حَرَجَ فِي ذٰلِكَ كَمَا تَقَدَّمَ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَقَرَّ الصَّحَابَةَ عَلَيْهِ، وَلِمَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيهِ مِنَ الْبَرَكَةِ، وَهِيَ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، وَهٰكَذَا مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي مَاءِ زَمْزَمَ مِنَ الْبَرَكَةِ، حَيْثُ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زَمْزَمَ : 'إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، وَإِنَّهَا طَعَامُ طعمٍ وَّشِفَاءُ سُقْمٍ'، وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الِاتِّبَاعُ وَالتَّقَيُّدُ بِالشَّرْعِ، وَالْحَذَرُ مِنَ الْبِدَعِ الْقَوْلِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ، وَلِهٰذَا لَمْ يَتَبَرَّكِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِشَعْرِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَوْ عَرَقِهٖ أَوْ وَضُوئِهٖ، وَلَا بِشَعْرِ عُمَرَ أَوْ عُثْمَانَ أَوْ عَلِيٍّ أَوْ عَرَقِهِمْ أَوْ وَضُوئِهِمْ، وَلَا بِعَرَقِ غَيْرِهِمْ

مِّنَ الصَّحَابَةِ وَشَعْرِهِ وَوَضُوئِهِ، لِعِلْمِهِمْ بِأَنَّ هٰذَا أَمْرٌ خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فِي ذٰلِكَ، وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾(التوبة: 100)

"رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے بالوں، پسینے اور وضو کے پانی سے تبرک لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس عمل پر رضامندی ظاہر فرمائی اور اس میں برکت موجود ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ برکت جو آبِ زمزم میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ بابرکت پانی ہے، بھوک کے لیے کھانا اور بیماری کے لیے شفا ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ شریعت کی پیروی و پابندی کریں اور قولی و عملی بدعات سے اجتناب کریں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بالوں، پسینے اور وضو کے پانی سے تبرک نہیں لیا، نہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ ایسا معاملہ کیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تبرک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور اس سلسلے میں کسی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾(التوبة: 100)

(جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے اور اللہ نے ان کیلئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)۔"

(مجموع فتاوی ابن باز: 121/9)

☆ نیز فرماتے ہیں:

لَا نَعْلَمُ شَيْئًا فِي هٰذَا إِلَّا مَا ثَبَتَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ فِي جِسْمِهِ وَعَرَقِهِ وَمَسِّ جَسَدِهِ بَرَكَةً خَاصَّةً بِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِبَعْضِ النَّاسِ؛ فَهُوَ غَلَطٌ لَّا وَجْهَ لَهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ، إِنَّمَا هٰذَا خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ فِي عَرَقِهِ بَرَكَةً، وَفِي رِيقِهِ وَفِي وَضُوئِهِ وَفِي شَعْرِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَلِهٰذَا وُزِّعَ شَعْرُهُ بَيْنَ النَّاسِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَأَمَرَ الصَّحَابَةَ أَنْ يَّأْخُذُوا مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ وَمِنْ عَرَقِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيهِ مِنَ الْبَرَكَةِ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، وَلِهٰذَا لَمْ يَتَبَرَّكِ الصَّحَابَةُ بِالصِّدِّيقِ، وَلَا بِعُمَرَ وَلَا بِعُثْمَانَ وَلَا بِعَلِيٍّ، وَهُمْ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ، فَدَلَّ ذٰلِكَ

عَلٰی أَنَّ ہٰذَا خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ . أَمَّا مَا یَفْعَلُہٗ بَعْضُ النَّاسِ مِنَ التَّبَرُّکِ بِبَعْضِ الْعُلَمَاءِ . أَوْ بِبَعْضِ الْعُبَّادِ . أَوْ بِبَعْضِ جُدْرَانِ الْکَعْبَۃِ . أَوْ بِکَسْوَۃِ الْکَعْبَۃِ؛ فَکُلُّ ہٰذَا لَا أَصْلَ لَہٗ . بَلْ یَجِبُ مَنْعُہٗ ۔

''ہمارے علم میں آثار سے تبرک کے بارے میں صرف وہی چیز ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم، پسینے اور بدن کو چھونے میں خاص برکت رکھی تھی۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر علما وغیرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگ جو کچھ بزرگ ہستیوں کے آثار سے تبرک لیتے ہیں، وہ غلط کام ہے، جس کی کوئی وجہِ جواز نہیں، نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ ایسا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال، لعاب، وضو کے پانی اور بالوں میں برکت رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لوگوں میں تقسیم کیے گئے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی اور پسینے کو لیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ اس معاملے میں کسی اور کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آثار سے تبرک نہیں لیا، نہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا کیا گیا، حالانکہ یہ ہستیاں انبیا کے بعد سب سے بزرگ ترین ہستیاں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ کچھ لوگ جو بعض علما، بعض عابدوں، کعبہ کی بعض دیواروں یا غلافِ کعبہ سے تبرک لیتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس سے روکنا ضروری ہے۔''

(مَجموع فتاوی ابن باز : 28/285۔286)

## حجرِ اسود اور آثارِ صالحین سے تبرک :

☆ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں : ''جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجرِ اسود، رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم سے برکت کا حصول شرک نہیں، تو کسی پیغمبر یا ولی سے واسطہ تیمن یا واسطہ تبرک شرک کیسے ہو گا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنالینا جائز ہو اور انبیا و اولیا کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے، تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت، ص19)

الحمد للہ! ہم نے تبرکِ مشروع اور تبرکِ ممنوع کی وضاحت کر دی ہے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینا، رکن یمانی کو چھونا اور مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ یہ سب کچھ قرآن و حدیث کی پیروی میں کیا جاتا ہے۔ ان اعمال کا اپنا خاص موقع و محل ہے۔ طواف کے علاوہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو چھونا جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کا موقع و محل متعین کرنے کا اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ رہا یہ کہنا کہ حجرِ اسود کو بوسہ اس لیے دیا جاتا ہے، رکن یمانی کو چھوا اس لیے جاتا ہے اور مقامِ ابراہیم پر نماز کی ادائیگی اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے تبرک حاصل کیا جائے، تو یہ غلط فہمی ہے۔ جسے دُور کیا جانا ضروری ہے۔ حجرِ اسود، رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کو واسطہ تیمن و تبرک بنانا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے

ثابت نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ اطاعتِ رسول کے علاوہ اسے چھونے کا اور کوئی مقصد نہیں، ملاحظہ فرمائیں:

☆سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور فرمایا:

'إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلاَ تَنْفَعُ، وَلَوْلاَ أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُکَ؛ مَا قَبَّلْتُکَ'۔

"بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

(صحيح البخاري : 1597، صحيح مسلم : 1270)

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو جان کر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حجر اسود کو تبرک کی نیت سے چوما جاتا ہے؟ اسلافِ امت حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے، رکن یمانی کو چھوتے تھے اور مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرتے تھے، لیکن تبرک کی نیت سے نہیں، بلکہ پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے ایسا کرتے تھے۔ پھر یہی اسلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے آثار سے تبرک حاصل نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اس چیز سے قطعاً ناواقف تھے۔ رہے آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تو ان سے تبرک کا ثبوت شریعت میں موجود ہے اور اسلافِ امت اس پر عمل پیرا تھے۔

☆علامہ احمد بن عبد اللہ، طبری رحمہ اللہ (694ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا قَالَ ذٰلِکَ لِأَنَّ النَّاسَ کَانُوا حَدِيثِيْ عَهْدٍ بِعِبَادَةِ الْأَصْنَامِ، فَخَشِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنْ يَّظُنَّ الْجُهَّالُ بِأَنَّ اسْتِلَامَ الْحَجَرِ هُوَ مِثْلُ مَا کَانَتِ الْعَرَبُ تَفْعَلُهٗ، فَأَرَادَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنْ يُّعْلِمَ أَنَّ اسْتِلَامَهٗ لَا يُقْصَدُ بِهٖ إِلاَّ تَعْظِيمُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالْوُقُوفُ عِنْدَ أَمْرِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّ ذٰلِکَ مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ بِتَعْظِيمِهَا، وَأَنَّ اسْتِلَامَهٗ مُخَالِفٌ لِّفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فِي عِبَادَتِهِمُ الْأَصْنَامَ، لِأَنَّهُمْ کَانُوا يَعْتَقِدُونَ أَنَّهَا تُقَرِّبُهُمْ إِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی، فَنَبَّهَ عُمَرُ عَلٰی مُخَالِفَةِ هٰذَا الِاعْتِقَادِ، وَأَنَّهٗ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُّعْبَدَ إِلاَّ مَنْ يَّمْلِکُ الضَّرَرَ وَالنَّفْعَ، وَهُوَ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ۔

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ لوگ نئے نئے بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر آئے تھے۔ آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں جاہل لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حجر اسود کو چومنے کا عمل عربوں کے (دورِ جاہلیت والے) عمل کی طرح ہے۔ آپ نے اس بات سے خبردار کرنا چاہا کہ ان کے حجر اسود کو چومنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانِ نبوی کی پیروی ہے، نیز یہ ان شعائرِ حج میں سے ہے، جن کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور حجر اسود کو چومنا دورِ جاہلیت والی بتوں کی عبادت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ مشرکین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی کہ اس اعتقاد کی مخالفت کی جائے اور یہ بتایا کہ عبادت صرف اسی کی جائز ہے، جو نفع و نقصان کا مالک ہو اور ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔"

(عمدة القاري للعيني : 240/9)

☆علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (1014ھ) لکھتے ہیں:

فِيهِ إِشَارَةٌ مِنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى أَنَّ هٰذَا أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ، فَنَفْعَلُ، وَعَنْ عِلَّتِهِ لَا نَسْأَلُ۔

''اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ حجر اسود کو چومنا ایک تعبدی (عبادت کے لیے جاری کیا گیا) حکم ہے۔ ہم اسے بجالائیں گے، لیکن اس کی علت کے بارے میں سوال نہیں کریں گے۔''

(مِرقاۃ المَفاتیح : 213/3)

☆علامہ شمس الدین، افغانی رحمہ اللہ (1420ھ) فرماتے ہیں:

دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ إِذًا لَّا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ، وَأَنَّ تَقْبِيلَهٗ عَلٰى خِلَافِ الْقِيَاسِ لِمُجَرَّدِ التَّعَبُّدِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، لَا لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ بِهٖ، فَمَا ظَنُّكَ بِأَحْجَارِ الْقُبُورِ وَأَشْجَارِهَا؟ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ تَقْبِيلُ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَحْجَارِ وَالْأَشْجَارِ، وَفِي كَلَامِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ تَقْبِيلَ الْحَجَرِ لِأَجْلِ الْخَوْفِ وَالطَّمَعِ وَالتَّعْظِيمِ؛ فِيهِ خَوْفُ الْوُقُوعِ فِي الشِّرْكِ، فَلِهٰذَا نَبَّهَ النَّاسَ بِأَنَّهٗ لَا يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ، وَهٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَهْتَمُّونَ بِأَمْرِ التَّوْحِيدِ وَحِمَايَةِ حِمَاهٗ وَسَدِّ ذَرَائِعِ الشِّرْكِ۔

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ حجر اسود نفع ونقصان نہیں دیتا، نیز باقی پتھروں کو چھوڑ کر اسے چومنا صرف اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے ہے، نہ کہ اس سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے۔ (جب حجر اسود کا یہ معاملہ ہے، تو اب) قبروں کے پتھروں اور درختوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حجر اسود کو چومنے پر دیگر حجر و شجر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حجر اسود کو اگر خوف، لالچ اور تعظیم کی نیت سے چوما جائے، تو اس صورت میں شرک میں واقع ہونے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا، اسی لیے انہوں نے لوگوں کو اس بات کی وضاحت فرمادی کہ یہ نفع ونقصان نہیں دیتا۔ یہ واقعہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام توحید کے حکم، عقیدے کی حفاظت اور شرک کے اسباب کو ختم کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔''

(جُهُود علماء الحنفيّة في إبطال عقائد القبوريّة :2/ 656658)

* نیز فرماتے ہیں : إِذًا لَّا يَجُوزُ تَقْبِيلُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَاسْتِلَامُهٗ وَالتَّمَسُّحُ بِهٖ لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ بِهٖ وَالِاسْتِشْفَاءِ بِهٖ، فَكَيْفَ يَجُوزُ التَّبَرُّكُ بِالْقُبُورِ، وَأَحْجَارِهَا، وَأَشْجَارِهَا، وَخِرَقِهَا، وَزُيُوتِهَا، وَشُمُوعِهَا، وَنَحْوِهَا؟ وَفِي ذٰلِكَ عِبْرَةٌ لِّلْقُبُورِيَّةِ

عَامَّةً، وَالدُّيُوبَنْدِيَّةِ التَّبْلِيغِيَّةِ خَاصَّةً ! فَلَوْ كَانَ التَّبَرُّكُ بِهٰذِهِ الْأَشْيَاءِ جَائِزًا لَّكَانَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ أَوْلٰى وَأَحْرٰى وَأَلْيَقُ، لِأَنَّهُ مَسَّتْهُ أَيْدِي الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔

''جب حجر اسود کو تبرک اور شفا کے حصول کی خاطر چومنا اور چھونا جائز نہیں، تو قبروں، ان کے پتھروں، درختوں، کپڑوں، تیل، شمعوں وغیرہ سے تبرک اور شفا کا حصول کیسے جائز ہوا؟ اس میں قبر پرستوں کے لیے عموماً اور تبلیغی دیوبندیوں کے لیے خصوصاً عبرت ہے۔ اگر قبروں اور ان کے متعلقات سے تبرک جائز ہے، تو حجر اسود اس کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اسے انبیا و مرسلین، صحابہ و تابعین اور اولیا و صالحین کے ہاتھوں نے چھوا ہوا ہے۔''

(جُهود علماء الحنفيّة في إبطال العقائد القُبوريّة :2/ 652659)

☆ شیخ، محمد بن صالح، عثیمین رحمہ اللہ (1421ھ) فرماتے ہیں:

أَيُّ حَجَرٍ كَانَ حَتّٰى الصَّخْرَةِ الَّتِي فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَلَا يُتَبَرَّكُ بِهَا، وَكَذَا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ لَا يُتَبَرَّكُ بِهِ، وَإِنَّمَا يُتَعَبَّدُ لِلّٰهِ بِمَسْحِهِ وَتَقْبِيلِهِ اتِّبَاعًا لِّلرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِذٰلِكَ تَحْصُلُ بَرَكَةُ الثَّوَابِ، وَلِهٰذَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ؛ مَا قَبَّلْتُكَ، فَتَقْبِيلُهُ عِبَادَةٌ مَّحْضَةٌ، خِلَافًا لِّلْعَامَّةِ، يَظُنُّونَ أَنَّ بِهٖ بَرَكَةٌ حِسِّيَّةٌ، وَلِذٰلِكَ إِذَا اسْتَلَمَهُ بَعْضُ هٰؤُلَاءِ؛ مَسَحَ عَلٰى جَمِيعِ بَدَنِهٖ تَبَرُّكًا بِذٰلِكَ۔

''کوئی بھی پتھر ہو، خواہ بیت المقدس میں موجود صخرہ ہو، اس سے تبرک نہیں لیا جا سکتا۔ یہی معاملہ حجر اسود کا ہے، اس سے بھی برکت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اسے چھو کر اور اس کو بوسہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، اسی سے ثواب کی صورت میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، تُو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ چنانچہ حجر اسود کو چومنا صرف ایک عبادت ہے۔ عام لوگوں کا اعتقاد اس کے خلاف ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر میں حسی برکت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ اسے چھوتے ہیں تو تبرک کی نیت سے اپنے سارے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔''

(القول المفيد على كتاب التّوحيد : 196/1)

☆ علامہ، عبد الرحمن بن ناصر، سعدی رحمہ اللہ (1376ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ اتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّهُ لَا يُشْرَعُ التَّبَرُّكُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْأَشْجَارِ وَالْأَحْجَارِ وَالْبُقَعِ وَالْمَشَاهِدِ وَغَيْرِهَا، فَإِنَّ هٰذَا التَّبَرُّكَ غُلُوٌّ فِيهَا، وَذٰلِكَ يَتَدَرَّجُ بِهِ إِلٰى دُعَائِهَا وَعِبَادَتِهَا، وَهٰذَا هُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ، ---، وَهٰذَا عَامٌّ فِي كُلِّ شَيْءٍ، حَتّٰى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ وَحُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَخْرَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْبُقَعِ الْفَاضِلَةِ، وَأَمَّا اسْتِلَامُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَتَقْبِيلُهُ، وَاسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ مِنَ الْكَعْبَةِ الْمُشَرَّفَةِ؛ فَهٰذَا عُبُودِيَّةٌ لِّلّٰهِ وَتَعْظِيمٌ لِّلّٰهِ وَخُضُوعٌ لِّعَظَمَتِهِ، فَهُوَ رُوحُ التَّعَبُّدِ، فَهٰذَا تَعْظِيمٌ لِّلْخَالِقِ وَتَعَبُّدٌ لَّهُ، وَذٰلِكَ تَعْظِيمٌ لِّلْمَخْلُوقِ وَتَأَلُّهٌ لَّهُ، فَالْفَرْقُ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ كَالْفَرْقِ بَيْنَ الدُّعَاءِ لِلّٰهِ الَّذِي هُوَ إِخْلَاصٌ وَّتَوْحِيدٌ، وَالدُّعَاءِ لِلْمَخْلُوقِ الَّذِي هُوَ شِرْكٌ وَّتَنْدِيدٌ۔

”علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی بھی شجر و حجر اور جگہ و مقام وغیرہ سے تبرک لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ تبرک میں غلو ہے اور یہ تبرک بالتدریج ان چیزوں کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے کی طرف لے جاتا ہے جو کہ شرکِ اکبر ہے۔ یہ اصول ہر چیز کے لیے عام ہے، حتی کہ مقام ابراہیم، حجرۂ نبوی، بیت المقدس کے پتھر جیسی فضیلت والی جگہوں کے لیے بھی۔ رہا حجر اسود کو چھونا اور چومنا، نیز کعبہ مشرفہ کے رکن یمانی کو چھونا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و تعظیم ہے اور اس کی عظمت کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔ یہی عبادت کی روح ہے۔ یہ خالق کی تعظیم و عبادت ہے، جبکہ دیگر پتھروں اور مقامات کو چھونا مخلوق کی تعظیم و عبادت ہے۔ دونوں کے درمیان فرق وہی ہے جو خالق اور مخلوق کو پکارنے کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اخلاص و توحید ہے، جبکہ مخلوق کو (مافوق الاسباب) پکارنا شرک اور ساجھی بنانا ہے۔“

(القول السدید، ص 51)

☆ ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد العزیز بن حماد، ابن جبرین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَوْلُ عُمَرَ هٰذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ تَقْبِيلَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ إِنَّمَا هُوَ اتِّبَاعٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالْمُسْلِمُ يَفْعَلُهُ تَعَبُّدًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى، وَاقْتِدَاءً بِخَيْرِ الْبَرِيَّةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيْسَ مِنْ بَابِ التَّبَرُّكِ فِي شَيْءٍ۔

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس بات میں صریح ہے کہ حجر اسود کو چومنا صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے ہے۔ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ایسا کرتا ہے۔ اس کا تبرک کے مسئلے سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔“

(تسهيل العقيدة الإسلاميّة، ص 311)

٭ شیخ صالح بن عبد العزیز آل الشیخ فرماتے ہیں: كَذٰلِكَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ هُوَ حَجَرٌ مُّبَارَكٌ، وَلٰكِنَّ بَرَكَتَهُ لِأَجْلِ الْعِبَادَةِ، يَعْنِي أَنَّ مَنِ اسْتَلَمَهُ تَعَبُّدًا مُّطِيعًا لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اسْتِلَامِهِ لَهُ، وَفِي تَقْبِيلِهِ، فَإِنَّهُ يَنَالُهُ بِهِ بَرَكَةَ الِاتِّبَاعِ۔

''اسی طرح حجر اسود مبارک پتھر ہے، لیکن اس کی برکت عبادت کی وجہ سے ہے، یعنی جو اسے عبادت کی نیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چومے گا، وہ اس عمل کی وجہ سے اتباع کی برکت حاصل کرلے گا۔''

## دیگر اشیا کو بوسہ دینے کی شرعی حیثیت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف اسی چیز کو بوسہ دینا مشروع اور جائز ہوتا ہے۔ جس کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے اجازت دی ہو۔ جن چیزوں کو بوسہ دینے کی شریعت میں گنجائش نہ ہو، انہیں حجر اسود پر قیاس کرنا بدعت ہے، جیسا کہ:

☆ حافظ ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ (852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ : فِيْهِ كَرَاهِيَةُ تَقْبِيلِ مَا لَمْ يَرِدِ الشَّرْعُ بِتَقْبِيلِهِ۔

''ہمارے شیخ (ابو الفضل بن الحسین) جامع ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس چیز کو چومنے کے بارے میں شریعت کی کوئی دلیل وارد نہ ہوئی ہو، اسے چومنا مکروہ ہے۔''

(فتح الباري : 463/3)

## ایک جھوٹی روایت:

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ۔

''بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے۔ تُو نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔''

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

بَلٰى، يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّهُ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ۔

''کیوں نہیں، امیر المومنین! یہ تو نفع و نقصان دیتا ہے۔''

(المستدرک للحاکم : 457/1، أخبار مکّة للأزرقي : 323/1، شعب الإيمان للبيهقي : 3749)

یہ جھوٹی روایت ہے۔اس کو گھڑنے والا ابوہارون عبدی "متروک وکذاب" ہے۔

☆حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَکْثَرُ عَلٰی تَضْعِیفِہٖ أَوْ تَرْکِہٖ۔

"اکثر محدثین کرام نے اسے ضعیف یامتروک قرار دیا ہے۔"

(میزان الاعتدال : 173/3)

☆حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُضَعَّفٌ عِنْدَ الْأَئِمَّۃِ۔

"ائمہ محدثین کے ہاں یہ ضعیف قرار دیا گیا ہے۔" (تفسیر ابن کثیر : 21/3)

لہٰذا احمد یار خاں نعیمی گجراتی صاحب کا یہ کہنا بے دلیل اور باطل ہے: "سنگ اسود نفع ونقصان پہنچانے والا ہے۔" (جاءالحق : 375/1)

## رُکنِ یمانی سے تبرک:

دورانِ طواف رکن یمانی کا استلام (ہاتھ سے چھونا) سنت ہے، لیکن اسے بوسہ دینا جائز نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ صرف حجر اسود کو دیا ہے۔

☆علامہ برکوی، رحمہ اللہ (981ھ) لکھتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی أَنَّہٗ لَا یُسْتَلَمُ وَلَا یُقَبَّلُ إِلَّا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ، وَأَمَّا الرُّکْنُ الْیَمَانِيُّ؛ فَالصَّحِیحُ أَنَّہٗ یُسْتَلَمُ وَلَا یُقَبَّلُ۔

"علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چھونا اور چومنا صرف حجر اسود کے ساتھ خاص ہے۔ رہا رکن یمانی تو اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ اسے چھوا جائے گا، چوما نہیں جائے گا۔" (زیارۃ القبور، ص52) ☆شیخ العرب، محمد بن صالح، عثیمین رحمہ اللہ (1421ھ) فرماتے ہیں:

مَعَ الْأَسَفِ، إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ اتَّخَذُوا مِنَ الْعِبَادَاتِ نَوْعًا مِّنَ التَّبَرُّکِ فَقَطْ؛ مِثْلُ مَا یُشَاہَدُ مِنْ أَنَّ بَعْضَ النَّاسِ یَمْسَحُ الرُّکْنَ الْیَمَانِيَّ، وَیَمْسَحُ بِہٖ وَجْہَ الطِّفْلِ وَصَدْرَہٗ، وَہٰذَا مَعْنَاہُ أَنَّہُمْ جَعَلُوا مَسْحَ الرُّکْنِ الْیَمَانِيِّ مِنْ بَابِ التَّبَرُّکِ لَا

التَّعَبُّدِ، وَہٰذَا جَهْلٌ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ فِي الْحَجَرِ : إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ؛ مَا قَبَّلْتُكَ ۔

''افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگوں نے عبادات کو صرف تبرک کی ایک قسم بنالیا ہے، جیسے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ رکن یمانی کو چھوتے ہیں اور پھر بچوں کے چہرے اور سینے پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے رکن یمانی کو عبادت کی بجائے تبرک کے لیے چھونا شروع کر دیا ہے۔ یہ جہالت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، نہ تُو نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا۔''

(القَول المُفيد على كتاب التّوحيد : 181/1)

**فائدہ:**

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کے چاروں کونوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: آپ کعبۃ اللہ کے (دو شامی) کونوں کو کیوں چھوتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں نہیں چھوتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

لَيْسَ شَيْئٌ مِّنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا ۔

''بیت اللہ کی کوئی چیز بھی چھوڑنے کے قابل نہیں۔''

اس پر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب 33 : 21)

''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اسوۂ حسنہ ہے۔''

یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صَدَقْتَ۔ ''آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 217/1، شرح معاني الآثار للطّحاوي : 184/2)

اس کی سند خصیف بن عبد الرحمن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

## مقامِ ابراہیم سے تبرک:

طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾(البقرۃ : 125)

''تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔''

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا ، وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ۔

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں۔''

(صحيح البخاري : 1627)

مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کرنے میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لیکن بعض لوگوں کا اعتقاد کچھ اور ہی ہے۔

ایک صاحب یوں لکھتے ہیں:

''مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا ہے کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکاتے ہیں۔''

(جاء الحق از احمد یار خان نعیمی بریلوی: 1/373، فتاویٰ رضویہ از احمد رضا خان بریلوی: 21/398)

یہ غلو پر مبنی بات ہے، کیونکہ صحابہ کرام و تابعین عظام اور ائمہ دین سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ اس میں کوئی ذاتی برکت نہیں، لیکن احمد یار خاں بریلوی صاحب اس میں بھی ذاتی برکت کے قائل ہیں۔ یہی معاملہ

انہوں نے حجر اسود کے ساتھ کیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو سلف صالحین سے زیادہ علم ہے؟ اگر مقامِ ابراہیم میں کوئی ذاتی برکت ہوتی، تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین ضرور اس کے بارے میں ہمیں بتادیتے۔ سلف صالحین نے تو مقامِ ابراہیم کو چھونے اور بوسہ دینے کو بدعت قرار دیا ہے۔

☆ حافظ نووی رحمہ اللہ (676ھ) لکھتے ہیں:

لَا يُقَبِّلُ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ، وَلَا يَسْتَلِمُهُ، فَإِنَّهُ بِدْعَةٌ۔

"کوئی مسلمان مقام ابراہیم کو نہ چوم سکتا ہے، نہ اسے (تبرک کی نیت سے) چھو سکتا ہے، یہ بدعت ہے۔"

(الإيضاح في مناسک الحجّ والعمرة، ص 392)

☆ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (751ھ) فرماتے ہیں:

لَقَدْ أَنْكَرَ السَّلَفُ التَّمَسُّحَ بِحَجَرِ الْمَقَامِ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهُ مُصَلًّى۔

"سلف صالحین نے اس مقام کے پتھر کو بوسہ دینے کا رڈ کیا ہے، جس پر نماز پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔"

(إغاثة اللّهفان: 212/1)

☆ علامہ، محمد بن بیر علی، بر کوی رحمہ اللہ (981ھ) بھی لکھتے ہیں:

لَقَدْ أَنْكَرَ السَّلَفُ التَّمَسُّحَ بِحَجَرِ الْمَقَامِ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهُ مُصَلًّى۔

"سلف صالحین نے اس مقام کے پتھر کو بوسہ دینے کا رڈ کیا ہے، جس کے پاس نماز پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔"

(زيارة القبور، ص 52)

لہٰذا یہ کہنا سراسر خطا ہے کہ مقامِ ابراہیم پر نماز اس لیے پڑھی جاتی ہے کہ وہاں موجود پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدم پڑے تھے۔

بعض لوگ اس طرح کی کارروائی سے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی قبروں پر عبادت کے لیے جواز کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور باور یہ کرانا چاہتے ہیں کہ انبیا و اولیا جہاں جہاں قدم رکھیں، وہ جگہ اس درجہ مبارک ہو جاتی ہے کہ وہاں عبادت کرنا روا ہو جاتی ہے۔ یوں ان کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ بت

پرستی کا بنیادی سبب یہی بنا کہ پہلے پہل بزرگوں کی تصاویر بنا کر ان کی یاد کو تازہ کیا۔ پھر قبروں سے فیض اور تبرک کی غرض سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے بعد قبر پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

### سیدہ مریم علیہا السلام کے حجرہ سے تبرک:

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب ''حجرۂ مریم علیہا السلام سے حضرت زکریا علیہ السلام کا تبرک'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسم پھلوں کو دیکھا، تو اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (آل عمران : 38)

[اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دُعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تُو ہی دُعا کا سننے والا ہے]۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واسطہ تبرک و تیمن اور واسطہ توسل اختیار کرنا شرک نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا، تو اللہ رب العزت خصوصیت کے ساتھ قرآن میں اس کا ذکر نہ فرماتا، کیونکہ الفاظ ربانی یوں ہیں: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ﴾ یعنی اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دُعا کی۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت، ص40)

قادری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اس جگہ کو متبرک جان کر سیدنا زکریا علیہ السلام نے وہاں دُعا کی تھی، لیکن متقدمین ائمہ مفسرین کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ آیئے ان سے اس آیت کی صحیح تفسیر جان کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ قادری صاحب کا یہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا۔

☆عبد الرحمن سدی کبیر رحمہ اللہ (127ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَمَّا رَآى زَكَرِيَّا مِنْ حَالِهَا ذٰلِكَ، يَعْنِي فَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ، وَفَاكِهَةَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ؛ قَالَ: إِنَّ رَبًّا أَعْطَاهَا هٰذَا فِي غَيْرِ حِينِهِ لَقَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَرْزُقَنِي ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً، وَرَغِبَ فِي الْوَلَدِ، فَقَامَ فَصَلّٰى، ثُمَّ دَعَا رَبَّهُ سِرًّا، فَقَالَ: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ (مریم : 4)۔

''جب سیدنا زکریا علیہ السلام نے یہ صورتِ حال دیکھی، یعنی گرمی میں سردی کے پھل اور سردی میں گرمی کے پھل، تو کہنے لگے: جس رب نے بغیر موسم کے یہ پھل مہیا کیے ہیں، یقیناوہ مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا کرنے پر قادر ہے۔ یہ سوچ کر زکریا علیہ السلام کو اولاد میں رغبت ہوئی۔ وہ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ پھر اپنے ربّ سے سرگوشی کرتے ہوئے دُعا کی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ مبِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾(مَريم : 4)

(ربّ! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے، لیکن میرے ربّ! میں تجھ سے دُعا کر کے محروم نہیں رہوں گا)۔

(تفسیر الطّبري :3/ 188189، وسندہٗ حسنٌ)

موسیٰ بن ہارون ہمدانی کو امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ''ثقہ'' کہا ہے۔

(سؤالات الحاکم للدّارقطني : 230)

☆امام تفسیر وحدیث، محمد بن جریر، طبری رحمہ اللہ (310ھ) فرماتے ہیں:

اَمَّا قَوْلُهٗ : ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾؛ فَمَعْنَاهُ : عِنْدَ ذٰلِكَ أَيْ عِنْدَ رُؤْيَةِ زَكَرِيَّا مَا رَآى عِنْدَ مَرْيَمَ مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ الَّذِي رَزَقَهَا، وَفَضْلِهِ الَّذِي آتَاهَا مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبِ أَحَدٍ مِّنَ الْآدَمِيِّينَ فِي ذٰلِكَ لَهَا، وَمُعَايَنَتِهٖ عِنْدَهَا الثَّمَرَةَ الرَّطْبَةَ الَّتِي لَا تَكُونُ فِي حِينِ رُؤْيَتِهٖ إِيَّاهَا عِنْدَهَا فِي الْأَرْضِ؛ طَمِعَ فِي الْوَلَدِ مَعَ كِبَرِ سِنِّهٖ مِنَ الْمَرْأَةِ الْعَاقِرِ، فَرَجَا أَنْ يَّرْزُقَهُ اللّٰهُ مِنْهَا الْوَلَدَ مَعَ الْحَالِ الَّتِي هُمَا بِهَا، كَمَا رَزَقَ مَرْيَمَ عَلٰى تَخَلِّيهَا مِنَ النَّاسِ مَا رَزَقَهَا مِنْ ثَمَرَةِ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ، وَثَمَرَةِ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مِّثْلُهٗ مِمَّا جَرَتْ بِوُجُودِهٖ فِي مِثْلِ ذٰلِكَ الْحِينِ الْعَادَاتُ فِي الْأَرْضِ، بَلِ الْمَعْرُوفُ فِي النَّاسِ غَيْرُ ذٰلِكَ، كَمَا أَنَّ وِلَادَةَ الْعَاقِرِ غَيْرُ الْأَمْرِ الْجَارِيَةِ بِهِ الْعَادَاتُ فِي النَّاسِ، فَرَغِبَ إِلَى اللّٰهِ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ فِي الْوَلَدِ، وَسَأَلَهٗ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔

''اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾ (اسی وقت زکریا نے اپنے ربّ کو پکارا)، تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق اور فضل دیکھا، جو انہیں بغیر کسی آدمی کے سبب سے ملا تھا، نیز یہ دیکھا کہ ان کے پاس ایسے تازہ پھل تھے، جو اس وقت زمین پر موجود نہ تھے، تو باوجود بڑھاپے اور اپنی اہلیہ کے بانجھ ہونے کے، انہیں اولاد میں رغبت ہوئی۔ انہیں یہ امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اہلیہ کو اسی حالت میں اولاد دے گا، جیسے مریم علیہا السلام کو خلوت کے دوران گرمیوں میں سردیوں کے پھل اور سردی میں گرمیوں کے پھل عنایت فرمائے۔ اگرچہ یہ کام اس وقت زمین میں معمول کا نہ تھا، بلکہ یہ لوگوں کے ہاں دستور کے خلاف تھا۔ اسی طرح بانجھ عورت کا ماں بننا بھی لوگوں میں معروف نہ تھا۔ اسی لیے سیدنا زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا اور نیک اولاد کا سوال کیا۔''

(تفسیر الطّبري : 188189/3)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھا، تو ان میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی خواہش رکھوں۔ اس لیے انہوں نے وہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا شروع کر دی اور اپنی دُعا کے وسیلے سے اپنی حاجت طلب کی، لیکن ڈاکٹر صاحب اسے جگہ کے تبرک اور وسیلے کی طرف لے گئے ہیں۔ سلف صالحین کے خلاف ان کی یہ تفسیر مقبول نہیں ہو سکتی۔ بعض لوگ قرآن و حدیث کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق نہیں سمجھتے، لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی انسان قرآن و حدیث کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق نہ سمجھے، تو وہ باولے کتے کی طرح آوارہ ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا اور پھر وہ کچھ بکنا شروع کر دیتا ہے جو اسے کفر و شرک کے در پر لا کھڑا کرتا ہے۔ جو لوگ فہم سلف کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے، وہ دراصل قرآن و حدیث کو اپنی ذاتی آرا کا تختہ مشق بنانا چاہتے ہیں۔

**سیدنا موسیٰ و سیدنا ہارون علیہما السلام کے آثار سے تبرک:**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوْسٰى وَآلُ هَارُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(البقرة : 248)

''پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی، جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صندوق، جسے فرشتے اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے تھے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی تھی۔ اس قوم کے لوگ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اسے دیکھ کر سکون اور راحت حاصل کرتے تھے۔ اس صندوق میں کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ یہ غیب کی بات ہے۔ قرآن و حدیث نے اس بارے میں ہماری رہنمائی نہیں کی۔ اگر اس کو جاننے میں ہمارے لیے کوئی خیر ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے آگاہ فرما دیتے۔

☆ احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ''اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن (1/182) و روح البیان (1/386) و تفسیر مدارک (1/205) اور جلالین (ص50) وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا، جس میں انبیا کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں، بلکہ قدرتی تھیں)، ان کے مکاناتِ شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے، تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دُعا کرتے، تو اس کو سامنے رکھ کر دُعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان کے تبرکات سے فیض لینا ان کی عظمت کرنا طریقۂ انبیا ہے۔''

(جاء الحق: 370/1، بدر الأنوار في آداب الآثار مندرج في فتاوى الرضوية: 398/2، 414)

یہ کہنا کہ اس صندوق میں تصاویر تھیں، یہ تھا، وہ تھا، بالکل بے دلیل باتیں ہیں، نیز بنی اسرائیل کا دشمن سے جنگ کرتے ہوئے اس سے برکت حاصل کرنا بھی بے ثبوت بات ہے۔ یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟ اس ضمن میں وہب بن منبہ کا ایک قول ہے، جو کہ ثابت نہیں ہے۔

وہ قول یوں ہے:

كَانُوا لَا يَلْقَاهُمْ عَدُوٌّ، فَيُقَدِّمُونَ التَّابُوتَ وَيَزْحِفُونَ بِهِ مَعَهُمْ؛ إِلَّا هَزَمَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْعَدُوَّ۔

''بنی اسرائیل کو جب دشمن سے پالا پڑتا، تو وہ تابوت کو آگے کر دیتے اور دشمن سے دوبدو لڑائی شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس دشمن کو شکست دیتا تھا۔''

(تاريخ الطبري : 468/1)

یہ قول جھوٹا ہے۔

1. محمد بن حمید رازی جمہور محدثین کے نزدیک ''غیر ثقہ'' اور ''ضعیف'' ہے۔

2. محمد بن اسحاق (حسن الحدیث) ''مدلس'' ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

3. محمد بن اسحاق کو یہ روایت بیان کرنے والا نامعلوم و ''مجہول'' ہے۔

☆مولانا اشرف علی تھانوی، صاحب مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اصل ہے آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔''

(بیان القرآن : 145)

حالانکہ اس آیت میں تو تذکرہ موسیٰ وہارون علیہما السلام کے آثار کا ہے، بزرگانِ دین کے تبرکات سے فیض کیسے ثابت کر لیا گیا؟ ہم تفصیل کے ساتھ یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کے آثار سے تبرک شریعت کی روشنی میں جائز و ثابت ہے، جبکہ دیگر صالحین کے آثار سے تبرک مشروع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں ایک انسان بھی اولیا و صالحین کے آثار سے تبرک حاصل نہیں کرتا تھا۔

**انوکھی بات:**

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ*﴾ (بني إسرائيل : 1)

''وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گئی تاکہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔'' ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اس آیت پر عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مسجد اقصیٰ کے گردونواح کو انبیائے کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنادیا۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت، ص28)

حالانکہ اللہ نے یہ بات نہیں بتائی کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کو بابرکت کیوں بنایا گیا؟

اس کی دلیل ڈاکٹر صاحب نے یوں دی ہے:

''علامہ قرطبی اور علامہ شوکانی کے قول کے مطابق بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاہیں۔'' (تبرک کی شرعی حیثیت، ص29)

یہ علامہ قرطبی اور شوکانی رحمہا اللہ پر بہتان ہے۔ دونوں شخصیات نے قطعاً ایسا نہیں کہا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قِیلَ : بِمَنْ دُفِنَ حَوْلَہٗ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ وَالصَّالِحِینَ ۔

''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ برکت ارد گرد دفن انبیاو صالحین کی وجہ سے ہے۔''

(تفسير القُرطبي : 212/10)

یعنی علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تو کسی مجہول انسان کی بات کو بصیغۂ تمریض بیان کیا ہے۔ یہ قرآن کی تفسیر کیسے بن گئی؟

خیر القرون میں سے کوئی بھی قبورِ انبیاو صالحین سے تبرک کا قائل و فاعل نہیں تھا۔ کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کو قرآنِ کریم کی یہ آیت سمجھ میں نہ آئی تھی؟ دین کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین کا فہم ہی اسلم و احکم ہے۔

## بدعت کی قسمیں:

مختلف اعتبار سے بدعت کی مختلف قسمیں ہیں، جن کی تفصیل مختصراً درج ذیل ہے:

### پہلی قسم: بدعت حقیقی وبدعت اضافی:

#### ا- بدعت حقیقی:

وہ بدعت ہے جس پر کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور اہل علم کے کسی معتبر استدلال سے اجمالی یا تفصیلی طور پر کوئی بھی شرعی دلیل موجود نہ ہو، اسے بدعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دین میں بلا کسی سابق مثال کے ایک نوایجاد شئے ہے۔[1]

مثال کے طور پر رہبانیت کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول، یعنی تمام انسانوں سے علیحدہ ہو کر، دنیا اور اس کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر پہاڑوں میں پناہ گیر ہو جانا، ایسا کرنے والوں کا یہ عمل ایک من مانی عبادت ہے جسے

[1]الاعتصام۔ از امام شاطبی ۳٦٧/۱۔

انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔[1]

دوسری مثال یوں ہے کہ اللہ کی عبادت کی خاطر اپنے اوپر اللہ کی پاکیزہ حلال چیزیں حرام قرار دے لینا،[2] ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں [3]۔

#### ۲- بدعت اضافی:

بدعت اضافی کے دورُخ یا دو شائبے ہیں:

ا- اس بدعت سے کچھ دلائل متعلق ہیں، لہٰذا اس پہلو سے وہ بدعت شمار نہ ہو گی۔

۲- اس بدعت سے بس اسی طرح دلائل متعلق ہیں جس طرح بدعت حقیقی سے، یعنی ایک اعتبار سے دلیل پر مبنیٰ ہونے کے سبب سنت، اور دوسرے اعتبار سے دلیل نہیں بلکہ شبہہ پر مبنیٰ ہونے کے سبب بدعت ہے، دونوں میں فرق بایں معنی ہے کہ اصل مسئلہ مبنیٰ بر دلیل ہے، لیکن کیفیات، احوال اور تفصیلات

[1] دیکھئے: مصدر سابق، ۱/۳۷۰، وتفسیر القرآن العظیم ،از حافظ ابن کثیر رحمۃاللہ علیہ ، ۴/۳۱۶، وتیسیر الکریم الرحمن في تفسیر کلام المنان، از علامہ سعدی رحمۃاللہ علیہ ، ص:۷۸۲۔ [2] دیکھئے: الاعتصام ، از امام شاطبی رحمۃاللہ علیہ ، ۱/۴۱۷۔ [3] دیکھئے: مصدر سابق، ۱/۳۷۰،۴۴۵۔

کے اعتبار سے بے دلیل ہے، جبکہ مسئلہ کے لئے دلیل ناگزیر ہے، کیونکہ مسئلہ تعبدی ہے، عام حالات سے متعلق نہیں ہے۔[1]

مثال کے طور پر لوگوں کا پنجوقتہ نمازوں کے بعد یا کسی بھی وقت اجتماعی طور پر بیک آواز ذکر کرنا، یا اسی طرح پنجوقتہ نمازوں کے بعد امام کا دعا کرنا، اور مقتدیوں کا آمین کہنا، تو ان مسائل پر غور کریں کہ ذکر تو مشروع ہے، لیکن ان مخصوص کیفیات پر ذکر کرنا غیر مشروع، بدعت اور خلاف سنت ہے۔[2]

اسی طرح ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو دن میں خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنا اور رات میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کرنا، نیز ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں "صلاۃ الرغائب" کا اہتمام کرنا وغیرہ بھی ہے۔ یہ ساری چیزیں بدعت ہیں، اور یہی بدعت اضافی ہے، کیونکہ صلاۃ، صوم وغیرہ دیگر عبادات اصلاً مشروع ہیں، لیکن انہیں کسی خاص وقت، خاص جگہ، یا کسی خاص کیفیت میں ادا کرنے سے ان میں بدعت داخل ہو جاتی ہے،

[1] دیکھئے: الاعتصام ، از امام شاطبی رحمۃاللہ علیہ ، ۱/۳۶۷،۴۴۵۔ [2] دیکھئے: مصدر سابق، ۱/۴۵۲، وتنبیہ اولی الأبصار إلی کمال الدین وما في البدع من اخطار، از ڈاکٹر صالح سحیمی، ص:۹۶۔

کیونکہ زمان ومکان اور کیفیات کی یہ تفصیل کتاب وسنت سے ثابت نہیں، چنانچہ یہ ساری چیزیں بہ حیثیت اصل تو سنت ہیں لیکن غیر ثابت امور کے سبب بدعت میں داخل ہو جاتی ہیں۔[1]

### دوسری قسم: بدعت فعلی وبدعت ترکی:

### ۱- بدعت فعلی:

بدعت کی تعریف میں شامل ہے، بدعت فعلی دین میں ایجاد کردہ وہ طریقہ ہے جو بظاہر شریعت کے مشابہ ہو، جس پر چل کر اللہ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔[2] مثال کے طور پر اللہ کی شریعت میں کسی غیر مشروع امر کا اضافہ کر دینا، جیسے کوئی شخص نماز میں ایک رکعت کا اضافہ کر دے، یا دین میں ایسی چیز لا داخل کرے جو اس میں سے نہ ہو، یا کسی عبادت کو اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی خاص کیفیت میں انجام دے،[3]

یا کسی مشروع عبادت کو کسی وقت کے

[1]دیکھئے: اصول في البدع والسنن، از، شیخ عدوی،ص:۳۰، وتنبیه اولی الأبصار إلی کمال الدین وما في البدع من اخطار، از صالح سحیمی، ص:۹۶۔ [2] دیکھئے: الاعتصام ، از امام شاطبی، ۵۰۵۶/۱۔ [3] دیکھئے: الاعتصام ، از امام شاطبی، ۱/ ۳۶۷،۳۴۵، و تنبیه اولی الأبصار۔۔ ،از ڈاکٹر صالح سحیمی، ص:۹۹، وحقیقة البدع واحکامها، ازسعید الغامدی، ۲/۳۷، واصول في البدع والسنن،از شیخ عدوی، ص:۷۰، وعلم اصول البدع، از علی بن حسن الأثری، ص:۱۰۷۔

ساتھ خاص کر دے جسے شریعت نے خاص نہ کیا ہو، جیسے، خصوصیت کے ساتھ پندرہویں شعبان کے دن روزہ رکھے اور رات میں عبادت کرے۔[1]

## ۲- بدعت ترکی (کسی چیز کو بلادلیل ترک کر دینے کی بدعت):

بدعت کی یہ قسم بھی بدعت کی تعریف کے عموم میں داخل ہے کہ یہ "دین میں ایک نوایجاد طریقہ ہے"[2]، چنانچہ کسی چیز کو بلادلیل چھوڑنے سے بھی بدعت کا وقوع ہو جاتا ہے، خواہ اسے حرام سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے، کیونکہ کسی چیز کو جو شرعاً حلال اور جائز ہے، اگر انسان اسے اپنے اوپر حرام کرلے یا قصداً ترک کر دے تو اس کا یہ ترک کرنا دو صورتوں سے خالی نہ ہو گا، یا تو اس کا کوئی شرعی جواز ہو گا، یا اس کے برعکس، اب اگر اس کا کوئی شرعی جواز ہے تو اسے ترک کرنے میں ادنیٰ حرج نہیں، کیونکہ یہ چیز تو شرعاً جائز اور مطلوب امر ہے، جیسے کوئی شخص کسی خاص قسم کے کھانے کو اس لئے ترک کر دے کہ وہ کھانا اس کے جسم یا عقل یا دین کے لئے کسی بھی حیثیت سے ضرر رساں ہے، تو اس میں

[1]دیکھئے: کتاب التوحید ، از ڈاکٹر صالح الفوزان، ص:۸۲۔ [2] دیکھئے: الاعتصام ، از امام شاطبی، ۵۷/۱۔

کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ تو ضرر رساں امور سے حفظان (بچاؤ) کے قبیل سے ہے، جس کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

**((یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم؛ فإنه له وجاء)) [1]**

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے شادی کی طاقت ہو اسے چاہئے کہ شادی کرلے، کیونکہ وہ نگاہوں کو زیادہ پست کرنے والی اور شرمگاہ کی خوب حفاظت کرنے والی ہے، اور جسے شادی کی استطاعت نہ ہو، وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح اگر حرج والے کاموں سے بچنے کے لئے غیر حرج والے کاموں کو بھی ترک کر دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، کیونکہ یہ حرام میں وقوع کے

[1]متفق علیه: صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزبة، ۲/۲۸۰، حدیث نمبر(۱۹۰۵)، ومسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه إلیه ووجد مؤنته، ۲/۱۰۱۸، حدیث نمبر (۱۴۰۰)، بروایت عبد الله بن مسعود رضی الله عنه۔

خوف سے اور دین و آبرو کی حفاظت کی خاطر شبہات سے اجتناب کے قبیل سے ہے۔ اور اگر ترکِ عمل کسی اور غرض کے لئے ہو تو بھی دو صورتوں سے خالی نہیں، یا تو دینی نقطۂ نظر سے ہو گا، یا غیر دینی نقطۂ نظر سے، اب اگر غیر دینی نقطۂ نظر سے یونہی اس کا تارک ہے، تو اس کو حرام سمجھنا یا قصداً انجام نہ دینا لغو اور عبث کام ہے، لیکن اس صورت میں اسے بدعت کی عمومی تعریف میں شامل نہ ہونے کے سبب بدعت نہ کہا جائے گا، البتہ ان لوگوں کی تعریف کے مطابق ضرور کہا جائے گا جو عادات میں بھی بدعت کے قائل ہیں، البتہ پہلی تعریف کی روشنی میں یہ بدعت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی حلال

کردہ ایک شیٔ کو ترک کرنے یا اس کی حرمت کا عقیدہ رکھنے کے سبب وہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا شمار ہوگا، اور گناہ کا مستحق قرار پائے گا، اور خلاف ورزی کا گناہ عمل متروک کے درجۂ وجوب واستحباب پر مبنیٰ ہوگا۔ ہاں اگر ترک عمل دینی نقطۂ نظر سے ہو تو وہ دین میں بدعت شمار ہوگا، چاہے عملِ متروک مباح ہو، یا واجب، اور خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو، یا معاملات سے، یا عادات سے، نیز قول سے ہو یا فعل سے، یا اعتقاد سے، اگر اس کے ترک سے اللہ کی عبادت مقصود ہوگی تو ایسا کرنے سے وہ بدعتی شمار ہوگا۔[1] ایسے امور میں ترک عمل بدعت قرار پانے کی دلیل ان تین افراد کا واقعہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے کے لئے ازواج مطہرات کے گھر آئے تھے، اور جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اپنے لئے اتنی عبادت کو بہت کم سمجھا، اور کہا: ''کہاں ہم اور کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم؟'' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: ''میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا'' دوسرے نے کہا: ''میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا کبھی ناغہ نہ کروں گا''، تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے الگ ہو جاؤں گا اور کبھی شادی ہی نہ کروں گا''، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

((أنتم الذين قلتم كذا وكذا؟ أما والله إني لأخشاكم لله، وأتقاكم له؛ لكني: أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني)) [2]

[1] دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ، ۱/۵۸۔ [2] متفق علیہ: صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب في النكاح، ۶/۱۴۲، حدیث نمبر (۵۰۶۳) ومسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنته، ۲/۱۰۲۰، حدیث نمبر (۱۴۰۱)، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

کیا تم ہی لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ سن لو اللہ کی قسم میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، تو جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ ''سنة'' سے مراد یہاں طریقہ ہے، نہ کہ وہ سنت جو فرض کے بالمقابل استعمال کی جاتی ہے۔ اور ''رغب عن الشيء'' کے معنی کسی چیز سے اعراض کرکے دوسری طرف چلے جانے کے ہیں۔ اور ''فمن رغب عن سنتي۔۔۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے میرے طریقہ کو چھوڑ کر میرے علاوہ کسی اور کا طریقہ اپنایا وہ مجھ سے نہیں۔[1]

سابقہ گفتگو سے واضح ہوا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت فعلی اور

[1] دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری، از حافظ ابن حجر، ۹/۱۰۵۔

بدعت تَرکی، اسی طرح سنت کی بھی دو قسمیں ہیں، سنت فعلی اور سنت تَرکی۔ چنانچہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح فعل سے ہوتی ہے اسی طرح ترک فعل سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر تعبدی عمل میں آپ کی اتباع کا مکلف بنایا ہے بشرطیکہ آپ کی خصوصیات میں سے نہ ہو، اسی طرح ترک عمل میں بھی ہمیں آپ کی اتباع کا مکلف بنایا ہے، لہٰذا فعل بھی سنت ہے اور ترک فعل بھی، اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے کو چھوڑ کر ہم اللہ کی قربت حاصل نہیں کرسکتے، اسی طرح آپ کے چھوڑے ہوئے کو انجام دیکر

بھی اللہ کی قربت حاصل نہیں کرسکتے، لہٰذا جسے آپ نے ترک کیا ہے اسے انجام دینے والا ایسے ہی ہے جیسے آپ کے کئے ہوئے کو ترک کردینے والا، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔[1]

[1]دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی۱/۵۷۶، و ۴۹۸، ۴۸۵، ۴۷۹، و الأمر بالاتباع والنھي عن الابتداع، از امام جلال الدین سیوطی، ص:۲۰۵، و اصول في البدع و السنن، از شیخ محمد احمدعدوی، ص:۷۰، وحقیقة البدع واحکامھا، از سعید الغامدی، ۲/۳۷۵۸، وتنبیه اولی الأبصار إلی کمال الدین وما في البدع من اخطار، از صالح سحیمی، ص:۹۷، وعلم اصول البدع، از علی بن حسن الأثری، ص:۱۰۷، وتحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع في الدین، از شیخ احمد بن حجر آل بوطامی، ص:۸۳۔

## تیسری قسم:بدعت قولی اعتقادی اوربدعت عملی:

### ۱- بدعت قولی اعتقادی:

بدعت قولی اعتقادی جیسے جہمیہ، معتزلہ، رافضہ اور دیگر گمراہ فرقوں کے اقوال اور ان کے عقائد وغیرہ، نیز انہی میں وہ فرقے بھی شامل ہیں جو موجودہ زمانہ کی پیداوار ہیں، جیسے قادیانیت، بہائیت، اور باطنیہ کے تمام فرقے جیسے اسماعیلیہ، نصیریہ، دروز اور رافضہ وغیرہ۔

### ۲- بدعت عملی:

بدعت عملی کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

☆ وہ بدعت جو اصلِ عبادت میں ہو، جیسے کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہ ہو، مثلاً کوئی غیر مشروع صلاۃ یا غیر مشروع صیام یا عید میلاد کی طرح کوئی غیر مشروع عید ایجاد کرے، وغیرہ۔

☆ وہ بدعت جو کسی مشروع عبادت پر اضافہ اور زیادتی کی شکل میں ہو، مثال کے طور پر ظہر یا عصر کی صلاۃ میں پانچویں رکعت کا اضافہ کردے، وغیرہ۔
☆ وہ بدعت جو کسی مشروع عبادت کی ادائیگی کے طریقہ میں ہو، مثلاً کوئی شخص کسی مشروع عبادت کو غیر شرعی طریقہ سے ادا کرے، جیسے مشروع اذکار کو اجتماعی آواز میں گا گا کر پڑھنا، اسی طرح عبادات میں اپنے آپ پر بے جا سختی کرنا کہ سنت کی حد سے خارج ہو جائے۔ ☆ وہ بدعت جو کسی مشروع عبادت کو کسی خاص وقت میں ادا کرنے کی شکل میں ہو، جس کی شریعت میں کوئی تخصیص نہ ہو، مثال کے طور پر شعبان کے پندرہویں دن کو روزہ اور اس کی شب کو قیام کے لئے خاص کرلینا، کہ اصل صیام وقیام تو مشروع ہے لیکن کسی وقت کی تخصیص کے لئے دلیل درکار ہے۔[1]

## چھٹا مطلب: دین میں بدعت کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام میں ایجاد کی جانے والی ہر بدعت گمراہی ہے اور حرام ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''إیاکم و محدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة''[2]

[1] دیکھئے: مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ، ۱۸/۳۴۶، ۳۵۴۱۴، وکتاب التوحید، از ڈاکٹر صالح الفوزان، ص:۸۱۸۲، ومجلۃ الدعوۃ، شمارہ نمبر(۱۱۳۹)، ۹/رمضان، ۱۴۰۸ھ، مقالہ از ڈاکٹر صالح الفوزان، بدعات کی قسمیں ، وتنبیہ اولی الأبصار ۔۔۔ ، از ڈاکٹر صالح سحیمی ، ص:۱۰۰۔ [2] سنن أبو داؤد، ۴/۲۰۱، حدیث نمبر(۴۶۰۷)، وجامع الترمذی، ۵/۴۴، حدیث نمبر (۲۶۷۶)، مفصل تخریج ص:(۶۵) میں گذر چکی ہے۔

دین میں نئی نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

نیز فرمایا:

''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ''

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ بات مردود ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''

من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ''[1]

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی اور ناقابل قبول ہے، عبادات میں ہر بدعت حرام ہے، لیکن بدعت کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی حرمت کا حکم بھی مختلف ہوتا ہے چنانچہ:

[1] متفق علیہ: صحیح البخاری، ۳/۲۲۲، حدیث نمبر(۲۶۹۷)، وصحیح مسلم ، ۳/۱۳۴۳، حدیث نمبر (۱۷۱۸)، مفصل تخریج ص:(۵۲) میں گذر چکی ہے۔

### ☆ بعض بدعتیں کفر ہوتی ہیں:

جیسے اہل قبور کے تقرب کی خاطر ان کی قبروں کا طواف کرنا' ذبائح اور قربانیاں پیش کرنا' نذریں ماننا' ان کی دہائی دینا' ان سے فریاد کرنا، اسی طرح غالی جہمیہ، معتزلہ اور رافضہ کے اقوال وغیرہ۔

### ☆ بعض بدعتیں شرک تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہیں:

جیسے قبروں پر عمارتوں کی تعمیر، اور وہاں صلاۃ ادا کرنا' دعاء کرنا وغیرہ۔

### ☆ بعض بدعتیں معصیت ہوتی ہیں:

جیسے، (تبتل) شادی نہ کرنے، دھوپ میں کھڑے رہ کر روزہ رکھنے، اور کسر شہوت کی خاطر خصی ہونے کی بدعتیں وغیرہ۔[1]

امام شاطبی فرماتے ہیں کہ:" بدعتی کا گناہ ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا، بلکہ اس کے مختلف مراتب و درجات ہوتے ہیں، اور ان اختلافِ درجات کا سبب مندرجہ ذیل امور ہیں:

۱- بدعتی مدعی اجتہاد یا مقلد ہو۔

۲- بدعت کا وقوع بدیہی امور میں ہو، مثلاً دین 'نفس 'عزت وآبرو' عقل اور مال وغیرہ۔

[1]دیکھئے: کتاب التوحید، از ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان، ص:۸۲۔

۳- بدعتی اپنی بدعت کو چھپارہا ہو یا علانیہ انجام دے رہا ہو۔

۴- بدعتی اپنی بدعت کی طرف دوسروں کو بلا رہا ہو یا خاموش ہو۔

۵- بدعتی اہل سنت وجماعت سے بغاوت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

۶- بدعت حقیقی ہے یا اضافی ہے۔

۷- بدعت واضح ہے یا غیر واضح ہے۔

۸- بدعت کفر ہے یا کفر نہیں ہے۔

۹- بدعتی اپنی بدعت پر مصر ہے یا مصر نہیں ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"یہ مراتب ودرجات اپنی خطرناکی کے اعتبار سے گناہ میں مختلف ہوتے ہیں"[1]، نیز وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں : "ان مراتب میں سے بعض مراتب حرام اور ناپسندیدہ (مکروہ) ہیں، البتہ ضلالت و گمراہی کی صفت ان تمام اقسام میں مشترک اور لازم ہے"[2]، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ کے اعتبار سے بدعت کی تین قسمیں ہیں:

[1]دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی رحمۃاللہ علیہ، ۲۱۶/۱، ۲۲۴، نیز ۲/۵۱۵۵۵۹ [2] دیکھئے :الاعتصام، از امام شاطبی، ۲/۵۳۰۔

۱- کفر بواح یعنی کھلا ہوا کفر۔[1]

۲- گناہِ کبیرہ۔[2]

۳- گناہ صغیرہ۔[3]

البتہ بدعت کے گناہ صغیرہ ہونے کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

**پہلی شرط:** بدعتی اس بدعت پر ہیشگی نہ برتے، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ صغیرہ اس کے حق میں کبیرہ بن جائے گا۔

**دوسری شرط:** اس کی دعوت نہ دے، کیونکہ کثرت عمل سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

**تیسری شرط:** اسے لوگوں کی مجلس اور اس معاشرے میں انجام نہ دے جہاں سنتوں پر عمل ہوتا ہو۔

**چوتھی شرط:** بدعت کو معمولی اور حقیر نہ جانے، کیونکہ ایسا کرنا گناہ کو کمتر سمجھنا ہے، اور گناہ کو کمتر سمجھنے کا جرم گناہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔[4]

[1] دیکھئے: مصدر سابق، ۲/۵۱۶۔ [2] دیکھئے: مصدر سابق، ۲/۵۱۷، نیز ۲/۵۴۳۵۴۴۔ [3] دیکھئے: مصدر سابق، ۲/۵۱۷، نیز ۲/۵۳۹، ۵۴۳۵۵۰۔ [4] دیکھئے: یہ شرطیں اور ان کی شاندار شرح، الاعتصام، از امام شاطبی، ۲/۵۵۱، ۵۵۹۔

بدعت کی ان تینوں قسموں پر ضلالت (گمراہی) کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے، جس میں بدعت مکفرہ اور بدعت مفسقہ سب شامل ہیں خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔[1]

کچھ لوگوں نے احکام شریعت کی پانچ قسموں کی طرح بدعت کی بھی درج ذیل پانچ قسمیں کی ہیں:

۱- بدعت واجب ۲- بدعت حرام ۳- بدعت مستحب

۴- بدعت مکروہ ۵- بدعت مباح (جائز)۔

لیکن یہ تقسیم فرمان نبوی:

''فإن كل محدثةٍ بدعةٌ، وكل بدعةٍ ضلالةٌ''[2]

بیشک ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ کے خلاف ہے۔

اسی بنیاد پر امام شاطبی رحمہ اللہ نے بدعت کی اس تقسیم اور صاحب تقسیم کا تذکرہ فرماتے ہوئے اس کی سخت تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''اور

[1] دیکھئے: مصدر سابق، ۲/۵۱۶۔ [2] أبو داؤد، ۴/۲۰۱، حدیث نمبر (۴۶۰۷)، وجامع الترمذی، ۵/۴۴، حدیث نمبر (۲۶۷۶)، مفصل تخریج ص: (۶۵) میں گذر چکی ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ تقسیم نوایجاد ہے جس پر کوئی شرعی دلیل نہیں، بلکہ یہ تقسیم بذات خود غلط ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر کوئی شرعی دلیل نص سے یا قاعدۂ شرعیہ سے نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر اس کے واجب، یا مستحب یا جائز ہونے پر کوئی دلیل ہوتی تو وہ چیز بدعت ہی نہ کہلاتی، بلکہ وہ عمل ان اعمال کے ضمن میں شمار ہوتا جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے، یا جن میں مکلف کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، الغرض ایک طرف ان تمام چیزوں کا بدعت ہونا اور دوسری طرف ان کے واجب یا مندوب، یا مباح ہونے پر شرعی دلائل کا دلالت کرنا، دوباہم متعارض چیزوں کے جمع ہونے کے مترادف ہے، البتہ جہاں تک بدعت مکروہ اور بدعت حرام کا مسئلہ ہے تو یہ تو صرف اس کے بدعت ہونے کے پہلو سے قابل تسلیم ہے، کسی اور پہلو سے نہیں۔"[1]

[1]دیکھئے: الاعتصام. از امام شاطبی. ١/٢٣٦۔

## قبروں کے پاس انجام دی جانے والی بدعات:

### پہلی قسم: میت (مردے) سے حاجت براری کا سوال کرنا

ایسا کرنے والے بت پرستوں کے زمرہ میں شامل ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿﴾ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ [1]

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن وہ کسی تکلیف کو نہ تو تم سے دور کرسکتے ہیں اور نہ ہی بدل سکتے ہیں، جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے

[1]سورۃ الاسراء: ٥٧،٥٦۔

ہیں، بیشک تمہارے رب کا عذاب خوفناک ہے۔

چنانچہ کسی بھی نبی، یا ولی، یا صالح (نیکوکار) کو پکارنے والا، اور ان میں الوہیت کا تصور رکھنے والا اس آیت کریمہ کے حکم میں شامل ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کو عام ہے جو اللہ کے سوا کسی کو پکارے، حالانکہ وہ پکاری جانے والی ذات خود اللہ کے وسیلہ کی متلاشی، اس کی رحمت سے پُر امید، اور اس کے عذاب سے خائف ہو، لہٰذا جس کسی نے کسی مردہ، یا غائبنی یا صالح (نیکوکار) کو استغاثہ (فریادرسی) یا کسی اور لفظ سے پکارا، تو اُس نے اُس شرک اکبر کا ارتکاب کیا جسے اللہ تعالیٰ توبہ کے بغیر نہیں معاف کرسکتا۔ جس کسی نے کسی نبی، یا صالح کی ذات میں غلو کیا، یا اس میں کسی بھی قسم کی

عبادت کا تصور کیا، مثلاً یہ کہا کہ " اے میرے فلاں سردار میری مدد کیجئے" یا "میری اعانت کیجئے" یا "میری فریاد سنیے" یا "مجھے روزی دیجئے" یا "میں آپ کی حفاظت میں ہوں" وغیرہ، تو یہ ساری باتیں شرک باللہ اور ضلالت و گمراہی ہیں، اس کے مرتکب سے توبہ کروائی جائے گی، اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اسی لئے بھیجے ہیں اور کتابیں اسی لئے اتاری ہیں کہ دنیا میں صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔

**دوسری قسم: میت کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا،**

یہ دین اسلام میں ایک نوایجاد بدعت ہے، البتہ یہ قسم پہلی قسم کی طرح نہیں ہے، کیونکہ یہ شرک اکبر تک نہیں پہنچتی، اور لوگ جو انبیاء و صالحین کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: "اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی، یا تیرے انبیاء، یا تیرے فرشتوں، یا تیرے نیک بندوں، یا شیخ فلاں کے حق یا اس کی حرمت کے وسیلہ سے، یا لوح و قلم کے واسطے سے تجھ سے دعا کرتا ہوں" وغیرہ، تو یہ ساری باتیں بدترین قسم کی بدعات ہیں۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، اعمال صالحہ (جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں اہل غار کے واقعہمیں وارد ہے) اور زندہ حاضر مومن و متقی کی دعا کا وسیلہ جائز ہے۔

**تیسری قسم: کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ قبروں کے پاس دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں**

یا مسجد میں دعا کرنے کی بہ نسبت وہاں دعا کرنا زیادہ افضل ہے، اور پھر اس غرض سے وہ قبروں کا قصد کرے، تو یہ ساری حرکتیں متفقہ طور پر حرام اور ناجائز ہیں، اس سلسلہ میں ائمہ اسلام میں کسی کا کوئی اختلاف ہمیں معلوم نہیں، چنانچہ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے نہ تو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے انجام دیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عہد رسالت کے بعد کئی مرتبہ قحط سالی سے دوچار ہوئے، مصائب کے شکار ہوئے لیکن کبھی بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس نہ آئے، بلکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عباس (عم رسول) رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور ان سے طلبِ باراں کے لئے دعا کروائی، سلف صالحین قبروں کے پاس دعا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، چنانچہ علی بن الحسین رضی اللہ عنہمانے ایک شخص کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس موجود ایک شگاف میں داخل ہو کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے والد 'اپنے دادا کے واسطے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تجعلوا قبري عيداً، ولا تجعلوا بيوتكم قبوراً، وصلّوا علي وسلموا حيثما كنتم، فسيَبْلُغُني سلامكم وصلاتكم"[1]

[1] فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، از امام اسماعیل قاضی، ص: ۳۴، اور علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی بہت ساری سندیں ہیں جنھیں اپنی کتاب "تحذیر الساجد۔۔۔" (ص: ۱۴۰) میں ذکر کیا ہے۔

میری قبر کو عید (میلا ٹھیلا) نہ بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور جہاں کہیں بھی رہو مجھ پر درود وسلام بھیجتے رہو کیونکہ تمہارا درود وسلام مجھے پہنچ جائے گا۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سطح زمین پر پائی جانے والی تمام قبروں سے افضل ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عید (میلا ٹھیلا) بنانے سے منع فرمایا ہے، تو دیگر قبروں کے پاس اس غرض سے جانا بدرجۂ اولیٰ حرام اور ممنوع ہوگا' خواہ وہ کسی کی قبر ہو۔[1]

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا تجعلوا بيوتكم قبوراً ولا تجعلوا قبري عيداً، وصلّوا علي فإن صلاتكم تَبْلُغُني حيث كنتم ''[2]

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور مجھ پر درود بھیجتے رہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

[1]الدرر السنية في الأجوبة النجدية، از عبد الرحمن بن قاسم، ۶/۱۶۵۱۶۷۔ [2] سنن أبو داؤد، (بلفظه) كتاب المناسک، باب زيارة القبور، ۲/۲۱۸، حدیث نمبر (۲۰۴۲) ومسند احمد، ۲/۳۶۷، علامہ البانی نے اپنی کتاب ''تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد'' (ص:۱۴۲) میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

## آٹھواں مطلب: عصر حاضر کی بدعات:

دور حاضر میں پائی جانے والی بدعات بہت زیادہ ہیں، چند بدعات بطور مثال حسب ذیل ہیں:

### ۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش کا جشن منانا:

یوم پیدائش کا جشن منانا ایک گھناؤنی قسم کی بدعت ہے، جسے سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں عبیدیوں نے ایجاد کیا، اہل علم ہر زمانہ میں اس بدعت کے بطلان کی وضاحت اوراس کے موجد اوراس پر عمل کرنے والوں کی تردید کرتے رہے، چنانچہ مندرجہ ذیل دلائل وبراہین کی روشنی میں کسی کی یوم ولادت کا جشن منانا جائز نہیں:

۱- یوم پیدائش کا جشن منانا دین اسلام میں ان نو ایجاد بدعات میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مشروع نہیں فرمایا، نہ اپنے قول سے، نہ اپنے فعل سے اور نہ ہی اپنی تقریر سے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے رہبر اور امام ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [1]

جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ۔ نیز ارشاد ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [2]

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے' ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ نیز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ'' [3]

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے۔

]۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کا جشن نہ منایا، اور نہ ہی اس کی دعوت دی، جب کہ وہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے سب سے افضل لوگ تھے، خلفائے راشدین کی بابت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' [1]

میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو، اسے دانتوں سے مضبوط جکڑ لو، اور دین میں نئی نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۳- یوم پیدائش کا جشن منانا جادۂ حق سے منحرف گمراہوں کا طور طریقہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے عبیدیوں فاطمیوں (شیعوں کا ایک فرقہ) نے چوتھی صدی ہجری میں اس بدعت کو ایجاد کیا، یہ لوگ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سراسر جھوٹ منسوب ہیں، حقیقت میں یہ لوگ باختلاف اقوال یہودی یا مجوسی

[1] اس حدیث کی تخریج ص (٦٥) میں گذر چکی ہے۔

(آتش پرست) یا دہریہ بد دین لوگ تھے۔[1]

ان کا سب سے پہلا بادشاہ المعز لدین اللہ عبیدی مغربی تھا، جو شوال ۳۶۱ھ میں مغرب سے مصر کی طرف نکلا، اور رمضان ۳۶۲ھ میں مصر پہنچا۔[2]

تو کیا کسی صاحب فہم مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اپنے نبی جناب محمد

[1]دیکھئے:الإبداع في مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ ،ص: ۲۵۱، والتبرک انواعه واحکامه، از ڈاکٹر ناصر بن عبد الرحمن الجدیع، ص:۳۵۹۳۷۳، وتنبیه اولی الأبصار إلی کمال الدین وما في البدع من اخطار، از ڈاکٹر صالح سحیمی، ص:۲۳۲۔ [2] دیکھئے: البدایة والنهایة، از امام حافظ ابن کثیر ،۱۱/۲۷۲۲۷۳، ۳۴۵، ۲۶۷/۱۲، ۲۶۸، و ۶/۲۳۲، و۱۲/۶۳، و ۱۱/۱۶۱، و ۱۲/۱۳، و ۱۲/۲۶۶، نیز دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، ۱۵/ ۱۵۹۲۱۵۔ بتایا جاتا ہے کہ عبیدیوں کا سب سے آخری بادشاہ عاضد لدین الله تھا، جسے صلاح الدین ایوبی نے ۵۶۴ھ میں قتل کیا، امام ذہبی فرماتے ہیں :''عاضد کا معاملہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں سر انجام پایا، یہاں تک کہ انہوں نے اسے نکال بھگایا اور بنو عباس کو بحال کیا، اور بنو عبید کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا، اور روافض کی حکومت کو کچل کر رکھ دیا، یہ چودہ لوگ تھے جو من مانی خلیفہ بن بیٹھے تھے۔ ''عاضد'' کے معنی ''کاٹنے والے'' کے ہیں، چنانچہ عاضد خود اپنے اہل خانہ کی حکومت کو کاٹ دینے والا ثابت ہوا، ۱۵/۲۱۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روافض (شیعوں) کی تقلید اور ان کے طریقہ کی پیروی کرے؟!۔ ۴- اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل فرمادی ہے، ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[1]

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے کھلے پیغام کو لوگوں تک پہنچادیا ہے اور انہیں جنت تک پہنچانے اور جہنم سے دور کرنے والے ہر راستے کی رہنمائی کر دی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ انبیاء کرام میں سب سے افضل اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں، اور انبیاء میں از روئے تبلیغ ونصیحت سب سے اکمل ہیں، اگر یوم پیدائش کا جشن منانا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین میں سے ہوتا تو اسے اپنی امت کو ضرور بتلاتے یا اپنی حیات مبارکہ میں اس کا اہتمام ضرور کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

[1]سورۃ المائدہ:۳۔

[1]صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء ، الأول فالأول، ۲/۱۴۷۳، حدیث نمبر (۱۸۴۴)۔

۶- کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ نصوص جن سے اسلام میں بدعات کے ایجاد پر تنبیہ، اتباع سنت کا حکم، اور قول وعمل میں حکم رسول کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے ان نصوص کی روشنی میں علماء محققین نے ایام پیدائش کی محفلوں کا انکار کیا ہے، اور ان سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

۷- یوم ولادت نبوی کا جشن منانے سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تحقق نہیں ہوتا' بلکہ آپ کی محبت کا تحقق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، آپ کی سنت پر عمل اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[1]

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

۸- رسول اللہ کی یوم پیدائش کا جشن منانے اور اسے عید بنانے (یعنی اس پر سالانہ محفل منعقد کرنے) میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے، جب کہ ہمیں ان کی مشابہت اختیار کرنے اور ان کی تقلید کرنے سے منع کیا

[1]سورۃ آل عمران: ۳۱۔

گیاہے۔[1]

۹- عقلمند کو اس بات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ جابجا لوگ کثرت سے محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، کیونکہ حق زیادہ لوگوں کے کرنے سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ حق شریعت کی دلیلوں سے پہچانا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾[2]

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ انکا کہا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دینگے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ [3]

اور آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاسکتے۔

[1]دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم، از شیخ الاسلام ابن تیمیه، ۲/ ۶۱۴-۶۱۵، و زاد المعاد، از امام ابن القیم، ۱/۵۹ ۔ [2] سورة الانعام: ۱۱۶۔ [3] سورۃ یوسف: ۱۰۳۔

اور فرمایا:

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ [1]

اور میرے بندوں میں بہت کم ہی شکر گذار ہیں۔ ۱۰- شریعت کا قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہو جائے اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[2]

اے ایمان والو! فرمانبر داری کرو اللہ کی اور فرمانبر داری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تم میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹادو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر تمہیں

[1]سورۃ سبأ:۱۳۔ [2]سورۃ النساء:۵۹۔

اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾[1]

اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص بھی محفل میلاد کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹائے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کرنے کا حکم دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾[2]

اور تمہیں جو رسول دیں لے لو، اور جس سے روکیں رک جاؤ۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بات کی وضاحت فرماتا ہے کہ اہل ایمان پر اس

[1]سورۃ الشوریٰ:۱۰۔ [2] سورۃ الحشر:۷۔

نے اپنے دین کی تکمیل اور اپنی نعمت تمام کر دی ہے، نیز یہ چیز بھی اس سے پوشیدہ نہ رہے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میلاد منانے کا حکم دیا، نہ ہی خود منایا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ محفل میلاد دینِ اسلام کی کوئی چیز نہیں، بلکہ ایک نومولود بدعت ہے۔

۱۱- مسلمان کے لئے مشروع یہ ہے کہ اگر چاہے تو پیر کے دن کا روزہ رکھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''ذاک یومٌ ولدت فیه، ویوم بعثت، أو أنزل علي''[1]

اسی دن میری ولادت ہوئی ہے، اور اسی دن نبی ورسول بناکر مبعوث ہوا ہوں 'یا مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ لہٰذا اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیر کے روز صرف روزہ رکھنا ثابت ہے، آپ کی ولادت باسعادت کا جشن منانا نہیں !!۔ ۱۲- جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر وبیشتر منکرات اور مفاسد کی بھرمار

[1]صحیح مسلم ،کتاب الصیام ، باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شهرٍ ، وصوم یوم عرفة ، وعاشوراء ، والاثنین والخمیس ، ۲/۸۱۹ ، حدیث نمبر (۱۱۶۲) ۔

ہوتی ہے، چنانچہ اس طرح کی محفلوں میں شریک ہونے والے اور ان کا مشاہدہ کرنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں۔ بطور مثال (ان مجلسوں میں انجام پانے والے) چند حرام اور منکر امور درج ذیل ہیں: اولاً: میلادی حضرات جو بھی قصائد یا مدحیہ اشعار ان محفلوں میں گاتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر اشعار شرکیہ کلمات، غلو آرائی اور مبالغہ آمیزی سے خالی نہیں ہوتے؛ جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

''لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم فإنما أنا عبده، فقولوا: عبد الله ورسوله''[1]

تم (حد سے زیادہ تعریفیں کر کے) مجھے حد سے آگے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ (عیسائیوں) نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو حد سے آگے بڑھا دیا تھا، میں اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔"

ثانیاً: میلاد کی ان محفلوں میں دیگر حرام کاریاں بھی ہوتی ہیں، مثلاً

[1]صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء ، باب قوله تعالى : ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ۔۔۔﴾ ، ۴/۱۷۱ ، حدیث نمبر (۳۴۴۵) ۔

مرد وزن کا اختلاط، گانے بجانے، ڈھول تاشے کے آلات کا استعمال، نشا آور اشیاء کا استعمال، اور بسا اوقات ان محفلوں میں شرک اکبر تک کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جیسے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا دیگر اولیاء کرام سے استغاثہ (فریاد) وغیرہ کرنا، اسی طرح قرآن کریم کی بے حرمتی کی جاتی ہے، چنانچہ اسی مجلس میں بیٹھ کر لوگ سگریٹ نوشی کرتے ہیں، اسی طرح ان مجلسوں میں بے حساب فضول خرچی بھی ہوتی ہے، نیز ان ایام میں مساجد میں سراسر باطل پر مبنیٰ ذکر کی مجلسیں اور حلقے قائم کئے جاتے ہیں جن میں بڑے زور زور سے لوگ قوالیاں گاتے ہیں اور حلقۂ ذکر کا رئیس تیزی سے تالیاں بجاتا ہے، یہ ساری چیزیں باتفاق علماء حق، باطل اور حرام ہیں۔[1]

ثالثاً: میلاد کی ان محفلوں میں ایک قبیح اور بدترین عمل یہ بھی انجام پاتا ہے کہ آپ کی ولادت کا ذکر آنے پر بعض لوگ از روئے تعظیم و تکریم کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میلاد کی اس محفل میں حاضر ہوتے ہیں، چنانچہ اسی عقیدہ کے مطابق آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، اور یہ عظیم ترین جھوٹ اور بدترین

[1]دیکھئے: الإبداع في مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۲۵۱۲۵۷۔

جہالت ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے قبل اپنی قبر مبارک سے نہ تو نکل سکتے ہیں، نہ لوگوں میں سے کسی سے مل سکتے ہیں اور نہ ان مجلسوں میں حاضر ہو سکتے ہیں، بلکہ آپ اپنی قبر پاک میں قیامت تک کیلئے مقیم ہیں اور آپ کی روح مبارک دارِ کرامت (جنت) میں اپنے رب کے پاس اعلیٰ علیین میں ہے،[1] جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۞ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ﴾[2]

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو، پھر قیامت کے دن بلا شبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أنا سيد ولد آدم يوم القيامة وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافعٍ وأول مشفعٍ" [3]

[1] دیکھئے: التحذیر من البدع، از علامہ شیخ عبد العزیز بن عبداللہ بن باز، ص:۱۳۔ [2] سورۃ المؤمنون: ۱۵،۱۶۔ [3] مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا محمد صلى الله عليه وسلم على جميع الخلائق، ۴/۱۷۸۲، حدیث (۲۲۷۸)۔

میں قیامت کے روز تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، اور سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی اور میں قبر سے باہر نکلوں گا اور میں سب سے پہلا سفارشی ہونگا، اور سب سے میری سفارش قبول ہوگی۔ یہ آیت کریمہ اور حدیث شریف اور اس معنی کی دیگر آیات و احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے علاوہ دیگر اموات قیامت کے روز ہی اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے، سماحۃ الشیخ علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ علماء اسلام کا متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں" [1]

## ۲-ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں جشن منانا:

ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں جشن منانا ایک گھناؤنی قسم کی بدعت ہے، امام ابو بکر طرطوشی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ انہیں ابو محمد المقدسی رحمہ اللہ نے خبر دیا، وہ فرماتے ہیں: "جہاں تک ماہ رجب کی نماز کا مسئلہ ہے تو ہمارے یہاں

[1] التحذیر من البدع، ص:۱۴، و ص:۱۴،۷، اور دیکھئے: الإبداع في مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص:۲۵۰،۲۵۸، و التبرک أنواعه وأحكامه، از ڈاکٹر ناصر بن عبدالرحمن الجدیع، ص:۳۵۸،۳۷۳، و تنبیه أولی الأبصار ---، ص: ۲۲۸،۲۵۰۔

بیت المقدس میں اس کی ایجاد (وجود) ۴۸۰ھ کے بعد ہوئی ہے، اس سے قبل اس نماز کو ہم نے نہ کبھی دیکھا تھا، اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سنا تھا۔" [1]

اور امام ابو شامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جہاں تک صلاۃ الرغائب کا مسئلہ ہے تو آج کل لوگوں کے درمیان یہ مشہور ہے کہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں مغرب اور عشاء کے درمیان یہی نماز پڑھی جاتی ہے" [2]

امام حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جہاں تک نماز کی بات ہے تو ماہ رجب میں کوئی مخصوص نماز ثابت نہیں ہے، اور ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جانے والی نماز "صلاۃ الرغائب" کے سلسلہ میں جتنی بھی روایتیں مروی ہیں جھوٹ، باطل اور غیر صحیح ہیں، اور یہ نماز جمہور اہل علم (علماء کرام) کے نزدیک بدعت ہے" [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ماہ رجب یا اس کے روزوں یا اس ماہ کی کسی مخصوص دن کے روزہ' اور اس کی کسی مخصوص رات کی عبادت کی فضیلت

[1]الحوادث والبدع ، ازامام ابو بکر طرطوشی، ص۲۶۷، نمبر(۲۳۸)۔ [2] کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، ازامام ابوشامہ، ص: ۱۳۸۔ [3] لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، ص:۲۲۸۔

کے سلسلہ میں کوئی بھی صحیح اور قابل حجتحدیث وارد نہیں ہے''[1]

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں رجب کی فضیلت ، یا اس کے روزوں ، یا اس کے کسی بھی خاص دن کے روزوں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ دو طرح کی ہیں؛ضعیف اور موضوع۔[2]

پھر حدیث صلاۃ الرغائب کا تذکرہ فرمایا ہے، جس میں یہ ہے کہ رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے، پھر جمعہ کی شب مغرب اور عشاء کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ ' تین بار ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ﴾ اور بارہ بار ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی تلاوت کرے، اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے تسبیح' استغفار' سجدہ اور درود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ پھر یہ وضاحت فرمائی ہے کہ یہ حدیث موضوع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے، نیز بتایا ہے کہ اس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جو یہ نماز پڑھے اس پر ضروری ہے کہ اس دن کا روزہ بھی رکھے، جبکہ بسا اوقات دن میں کافی سخت گرمی پڑتی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب انسان روزہ رکھے گا تو اسے نماز مغرب

[1]تبیین العجب بما ورد فی شهر رجب، ص ۲۳۔ [2] تبیین العجب بما ورد فی شهر رجب، ص ۲۳۔

تک کھانے پینے سے احتراز کرنا ضروری ہوگا، اور پھر مغرب کے بعد اس نماز کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوگا، اور پھر ان لمبی تسبیحوں اور طویل سجدوں میں اپنے آپ کو کھپائے گا تو کس قدر تکلیف اور اذیت رسانی سے دوچار ہوگا؟! نیز فرماتے ہیں: ''مجھے ماہ رمضان اور صلاۃ تراویح پر غیرت آتی ہے کہ اس میں اہل ایمان کی کس قدر بھیڑ ہوتی ہے، لیکن جاہل عوام کے نزدیک یہ نماز (صلاۃ الرغائب) اُس سے بھی افضل اور عظیم تر ہے، کیوں کہ اس میں وہ لوگ بھی حاضر ہوتے ہیں جو فرائض تک نہیں ادا کرتے''[1]

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ صلاۃ الرغائب کے متعلق فرماتے ہیں: ''صلاۃ الرغائب والی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہے، اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جو چوتھی صدی ہجری کے بعد معرض وجود میں آئی''[2]

امام عزبن عبد السلام رحمہ اللہ نے ۶۳۷ھ میں فتویٰ دیا ہے کہ صلاۃ الرغائب ایک بدترین قسم کی بدعت ہے، اور اس سلسلہ میں بیان کی جانے والی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہے''[3]

[1]دیکھئے: تبيين العجب بما ورد في شهر رجب، ص:۵۴۔ [2] کتاب الباعث على انكار البدع والحوادث، ازامام ابو شامه، ص:۱۴۵۔ [3] کتاب الباعث على انكار البدع والحوادث، ازامام ابو شامه، ص:۱۴۹۔

صلاۃ الرغائب کے بطلان اور اس کے مفاسد کے سلسلہ میں امام ابوشامہ رحمہ اللہ کی بات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کی گفتگو ختم کرتا ہوں، امام ابوشامہ رحمہ اللہ نے اس نماز کے مفاسد کو یوں بیان فرمایا ہے:

۱- اس نماز کے بدعت ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے علاوہ وہ تمام لوگ جنھوں نے کتب شریعت کی جمع و تدوین فرمائی ہے، جنھیں دین اسلام کے منارہ اور مسلمانوں کے امام ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اور جو لوگوں کو فرائض و سنن کی تعلیم دینے کے انتہائی حریص اور خواہش مند تھے، لیکن اس کے باوجود ان سے کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے اس نماز کا تذکرہ کیا ہو، یا اپنی کتاب میں لکھا ہو، یا اپنی مجلس میں اس سے کوئی تعرض کیا ہو، جبکہ عرف وعادت میں ایسا ہونا محال ہے کہ اس نماز کو سنت کی حیثیت حاصل ہو اور ان ائمہ کی نگاہ بصیرت سے او جھل رہ جائے۔

۲- یہ نماز مندرجہ ذیل تین وجوہات کے سبب شریعت کے مخالف ہے: پہلی وجہ: یہ نماز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا تخصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي، ولا تخصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام، إلا أن يكون في صوم يصومه أحدكم''[1]

راتوں میں سے جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص نہ کرو، اور نہ ہی دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے لئے خاص کرو، ہاں اگر تم میں سے کوئی پہلے سے روزہ رکھ رہا ہو اور اس دن جمعہ پڑ جائے (تو کوئی بات نہیں) ۔ لہٰذا اس حدیث کی بنیاد پر یہ جائز نہیں کہ جمعہ کی رات کو دیگر راتوں کے بالمقابل کسی اضافی نماز کے لئے خاص کیا جائے۔[2]

یہ حدیث رجب کے پہلے جمعہ کی شب کو اور اس کے علاوہ کسی بھی شب کو عام ہے۔ دوسری وجہ: رجب اور شعبان کی دونوں نمازیں بدعت ہیں، کیونکہ ان دونوں نمازوں کے بارے میں حدیثیں وضع کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا

[1]متفق عليه : البخاری، كتاب الصوم، باب صوم يوم الجمعة، ۲/۳۰۳، حديث نمبر (۱۹۸۵) ومسلم، كتاب الصيام، باب كراهة صوم يوم الجمعة منفرداً، ۲/۸۰۱، حديث نمبر (۱۱۴۴)۔
[2] دیکھئے: کتاب الباعث على انكار البدع والحوادث، از امام ابو شامه، ص:۱۵۶۔

بہتان لگایا گیا ہے، اور اعمال کی جزاء میں من مانی اور بلا دلیل تقدیر فرض کرکے اللہ رب العالمین پر جھوٹ کا طومار باندھا گیا ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گھڑی ہوئی چیزوں کو معطل قرار دیا جائے، اور اس کی قباحت وشناعت کو آشکارا کیا جائے، اور اس سے لوگوں کو متنفر کیا جائے، کیونکہ اس کی موافقت کرنے سے درج ذیل مفاسد لازم آتے ہیں:

(۱) اس نماز کی فضیلت اور کفارہ بننے کے سلسلے میں جو چیزیں آئی ہیں ان پر عوام کا اعتماد کر لینا، جب کہ یہ چیز انہیں درج ذیل دو خطرناکیوں میں ڈال دینے کا سبب ہے: ۱- فرائض میں کوتاہی۔

۲- گناہوں میں انہماک۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس شب کی آمد کے انتظار میں رہتے ہیں، اور اسے ادا کر کے اپنی تمام کوتاہیوں کی تلافی کا سامان اور گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں، اور اس طرح حدیث صلاۃ الرغائب کے وضع کرنے والے کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے یعنی نیکیوں کی ترغیب میں بہ کثرت معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے۔

(۲) بدعات پر عمل آوری سے بدعتیوں کو لوگوں کو گمراہ کرنے میں شہ ملتی ہے، جب وہ اپنی وضع کردہ بدعات کو رواج پاتے اور لوگوں کو اس میں منہمک ہوتے دیکھتے ہیں، تو وہ لوگوں کو نئی نئی بدعات میں ملوث کرتے رہتے ہیں، جبکہ بدعات کے ترک کر دینے سے بدعتیوں کو بدعت گری سے زجر و توبیخ ہوتی ہے۔

(۳) جب ایک عالم اور جانکار شخص اس بدعت پر عمل کرتا ہے تو عوام کو اس کے سنت ہونے کا فریب دیتا ہے، اور اس طرح وہ شخص زبانِ حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جھوٹ منسوب کرنے والا قرار پاتا ہے، اور بسا اوقات زبانِ حال زبانِ قال (کلام) کے قائم مقام ہوتی ہے۔لوگ اکثر اسی سبب سے بدعات کا شکار ہوئے ہیں۔

(۴) ایک عالم آدمی جب اس بدعی نماز کو پڑھتا ہے تو گویا وہ لوگوں کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ منسوب کرنے کا سبب بنتا ہے، چنانچہ لوگ اس نماز کو سنت کہنے لگتے ہیں۔

تیسری وجہ: یہ بدعی نماز 'نماز سے متعلق کئی مسائل میں شریعت کے اصولوں کی مخالفت پر مشتمل ہے:

۱- یہ نماز سجدوں کی تعداد، تسبیحوں کی تعداد، اور اسی طرح ہر رکعت میں سورۂ قدر و سورۂ اخلاص کی تلاوت کی تعداد کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر نمازوں میں معروف سنتوں کے خلاف ہے۔

۲- نماز میں خشوع وخضوع، استحضار قلبی، اللہ کے لئے فارغ البالی، نیز قرآن کریم کے معانی سے واقفیت، وغیرہ جیسی سنتوں کے خلاف ہے۔

۳- گھروں میں نوافل کی ادائیگی کی سنت کے خلاف ہے، کیونکہ نوافل کی ادائیگی مساجد کی بہ نسبت گھروں میں زیادہ افضل ہے، اسی طرح فرداً فرداً ادا کرنا بھی مسنون ہے سوائے رمضان میں نماز تراویح کے۔

۴- اس بدعی نماز کے وضع کرنے والوں کے نزدیک اس نماز کا کمال یہ ہے کہ اس دن (جمعرات کو) روزہ رکھا جائے، اور ایسا کرنے سے دو سنتوں کا معطل کرنا لازم آتا ہے، افطار کی سنت، اور بھوک وپیاس کی شدت سے دل کا فارغ رکھنا۔

۵- اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد کئے جانے والے دو سجدے بلا وجہ ہیں۔[1]

[1] دیکھئے: کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، از امام ابو شامہ، ص: ۱۵۳۱۹۶، یہ تمام مفاسد اور بطلان کے وجوہات رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جانے والی نماز ''صلاۃ الرغائب'' اور اسی طرح پندرہویں شعبان کی شب میں ادا کی جانے والی نماز ہر دو کو شامل ہیں، جیسا کہ امام ابو شامہ نے اپنی کتاب ''الباعث علی انکار البدع والحوادث'' (ص: ۱۷۴) میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

سابقہ تمام دلائل، ائمہ کرام کے فرمودات، بطلان کے وجوہات اور مفاسد کے اقسام سے ایک عقلمند کے لئے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صلاۃ الرغائب ایک بدترین قسم کی بدعت اور اسلام میں ایک بے اصل اور نو ایجاد شے ہے۔ **۳- اسراء و معراج کی شب میں جشن منانا:** اسراء و معراج کی شب اللہ عزوجل کی ان عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت و صداقت، عند اللہ آپ کی عظیم قدر و منزلت، اللہ کی قدرت بے پایاں، اور اللہ عزوجل کے اپنے تمام مخلوقات پر عالی وبلند ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [1] [1] سورۃ الاسراء: ۱۔

پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی، جس کے آس پاس ہم نے برکت عطا فرمائی ہے، تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کی بعض نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں، یقینا اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جایا گیا، آپ کی خاطر آسمانوں کے دروازے کھولے گئے، یہاں تک کہ آپ ساتوں آسمانوں سے بھی آگے تشریف لے گئے، وہاں آپ کے رب نے اپنے ارادے کے مطابق آپ سے گفتگو فرمائی، اور پانچ نمازیں فرض کیں، اللہ عزوجل نے ابتدا میں پچاس نمازیں فرض کی تھیں، لیکن ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے برابر مراجعہ کرتے رہے' اور تخفیف کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے باعتبار فرضیت پانچ نمازیں رکھیں اور باعتبار اجر وثواب پچاس، کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا دیا جاتا ہے، پس ہر طرح کی حمد وشکر اس اللہ تعالیٰ کے لئے لائق وزیبا ہے جس نے ہمیں ان گنت وبے شمار نعمتوں سے نوازا۔[1]

یہ شب جس میں واقعۂ اسراء پیش آیا، مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اس میں کسی طرح کا جشن منانا اور اسے کسی بھی طرح کی غیر مشروع عبادت کے لئے خاص کرنا جائز نہیں: اولاً: یہ شب جس میں واقعۂ اسراء و معراج پیش آیا اس کی تحدید وتعیین کے سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے، نہ رجب کی نہ کسی اور مہینہ کی، چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پندرہ ماہ بعد پیش آیا، اور کہا گیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل ربیع الآخر کی ستائیسویں شب میں پیش آیا، اور کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچ سال بعد پیش آیا،[2]

اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی ستائیسویں شب میں پیش آیا۔[3]

امام ابو شامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' بعض قصہ گوؤں کے حوالہ سے جو ذکر کیا جاتا ہے کہ واقعہ اسراء ماہ رجب میں پیش آیا، یہ بات اصحاب جرح

[1]دیکھئے: التحذیر من البدع، از علامه عبد العزیز بن عبد الله بن باز ، ص:۱۶۔ [2] دیکھئے: صحیح مسلم بشرح امام نووی ، ۲/۲۶۷۲۶۸۔ [3] دیکھئے: کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، از امام ابو شامه، ص:۲۳۲۔

وتعدیل کے نزدیک سراسر جھوٹ ہے" [1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ ذکر فرماتے ہیں کہ:" شب اسراء کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ کونسی رات تھی۔" [2]

علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:" یہ شب جس میں واقعۂ اسراء ومعراج رونماہوا صحیح احادیث میں اس کی کوئی تعیین موجود نہیں ہے، نہ رجب میں اور نہ کسی اور مہینہ کی، اس رات کی تعیین کے سلسلہ میں جو روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں وہ محدثین کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، اور اس شب کے بُھلا دینے (نامعلوم رکھنے) میں بھی اللہ کی کوئی حکمت بالغہ کارفرما ہے" [3]

اور اگر اس کی تعیین ثابت بھی ہو جائے تب بھی بلادلیل خصوصیت کے ساتھ اس میں کسی قسم کی عبادت کرنا جائز نہیں۔ [4]

[1]کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، ص:۲۳۲، نیز دیکھئے: تبيين العجب بما ورد في رجب، از امام ابن حجر، ص: ۶۵، ۶۴، ۵۲، ۱۹، ۹۔ [2] دیکھئے: زاد المعاد في هدي خير العباد، از امام ابن القیم ، ۱/۵۸۔ [3] التحذیر من البدع، ص:۱۷۔ [4] دیکھئے: مصدر سابق: ص:۱۷۔

ثانیاً: اصحاب ایمان اور اہل علم میں سے کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ کسی نے شب اسراء و معراج کو دیگر راتوں پر کسی بھی قسم کی کوئی فضیلت دی ہو، اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابۂ کرام، تابعین، اور تبع تابعین وغیر ہم نے نہ تو اس شب میں کوئی جشن منایا، اور نہ ہی اسے کسی عبادت کے لئے خاص کیا، اور نہ ہی اس کا ذکر کیا، لہٰذا اگر اس شب میں تقریب منانے اور محفل معراج منعقد کرنے کی کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے قول یا فعل سے اس کی رہنمائی ضرور فرمائی ہوتی، اور اگر فی الحقیقت ایسی کوئی بات ہوتی تو معروف ومشہور ہوتی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے ہم تک ضرور پہونچاتے۔ [1]

ثالثاً: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے لئے اپنے دین کی تکمیل فرمادی ہے ' اور ان پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [2]

[1]دیکھئے: زاد المعاد ، از امام ابن القیم ، ۱/۵۸، والتحذیر من البدع، از علامه بن باز ، ص:۱۷۔ [2] سورة المائدة: ۳۔

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [1]

کیاان کیلئے ایسے شرکاءہیں جنھوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی فرمائی ہوئی چیزوں کے علاوہ احکام دین مقرر کر دیئے ہیں، اگر فیصلہ کے دن کا وعدہ نہ ہوتا توان میں فیصلہ کر دیا جاتا، یقیناظالموں کے لئے ہی دردناک عذاب ہے۔ رابعاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعات سے بچنے اور دور رہنے کی تنبیہ کی ہے اور صراحت فرمادی ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور بدعتی کے منہ پر دے ماری جانے والی (نا قابل قبول) ہے، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1]سورۃالشوریٰ:۲۱۔

''من أحدث في أمرناهذامالیس منه فهورد''[1] جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو رد ''[2]

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے اسلام میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ سلف صالحین نے بھی بدعات سے ڈرایا ہے کیونکہ بدعات دین اسلام میں زیادتی اور شریعت کا ایک ایسا طریقہ ہے جس کی نہ اللہ عزوجل نے اجازت دی ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بلکہ یہ اللہ کے دشمن یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے' جس طرح انہوں نے اپنے اپنے دین (یہودیت وعیسائیت) میں نئی نئی چیزوں کا اضافہ کر لیا۔[3]

[1]اس حدیث کی تخریج ص:(۵۲) میں گزر چکی ہے۔ [2] اس حدیث کی تخریج ص:(۵۲) میں گزر چکی ہے۔ [3] دیکھئے: التحذیر من البدع. از شیخ ابن باز. ص:۱۹۔

## خواب کی حقیقت

مسئلہ:... بعض کتابوں میں حاجی امداد اللہ کی زبانی ان کے ایک خواب کا واقعہ پڑھا ہے جس میں وہ بزبانِ خود فرماتے ہیں: ''خواب دیکھا کہ مجلس اعلیٰ و اقدس حضرت سرورِعالم مرشد اتم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ وسلم میں حاضر ہوں، غایتِ رعب سے قدم آگے نہیں پڑتا ہے کہ ناگاہ میرے جد امجد حضرت حافظ بلاقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچادیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ لے کر حوالہ حضرت میانجیو صاحب چشتی قدس سرہ کے کر دیا اور اس وقت تک بعالم ظاہر حضرت میانجیو صاحب رحمہ اللہ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا۔'' آگے تحریر ہے: ''جب حاجی صاحب نے منبر اور روضہ شریفہ کے درمیان کہ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اس کی شان ہے مراقبہ فرمایا: ... معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مقدس خود سے بصورتِ حضرت میانجیو قدس سرہ نکلے اور عمامہ لپٹا و تر اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے تھے میرے سر پر غایت شفقت سے رکھ دیا اور کچھ نہ فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔'' [1]

جواب:...چونکہ صوفیا کے بہت سے عقائد، اعمال، اوراد و اذکار اور ریاضتیں کتاب و سنت کی تعلیمات سے متصادم ہوتی ہیں، اس لیے ان کو شرعی رنگ دینے اور قبولِ عام بنانے کے لیے خوابوں اور مراقبوں کا سہارا لیا جاتا ہے، کیونکہ جہاں تک خواب کا تعلق ہے تو وہ

[1]تذکرہ حاجی امداد اللہ ، ص: ۱۸، ۲۲۔۲۳ بحوالہ شمائم امدادیہ ، ص: ۲۴.

کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت ہے، رہا مراقبہ تو اگرچہ قرآن و حدیث میں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، لیکن "الرقیب" کے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہونے کی وجہ سے اور قرآن پاک میں اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کے ذریعہ اس سے دعا کرنے اور اس کو پکارنے کا حکم آنے کی وجہ سے "مراقبہ" کرنے کی مشروعیت ثابت ہے۔ نیز حدیث جبریل کے اس فقرے: "تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو ان شاءاللہ تعالیٰ اس وقت ہو گی جب صوفیا کے خوابوں اور مراقبوں کا ذکر آئے گا۔

## خواب نبوت کا ایک حصہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ ، قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔))

"نبوت کے خصائص میں سے صرف مبشرات باقی بچی ہیں، صحابہ نے عرض کیا: مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: عمدہ خواب۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹایا، درآنحالیکہ اس بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور لوگ صفیں باندھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے تھے، آپ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُّبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةِ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهٗ......))[1]

"لوگو! در حقیقت نبوت کی خوش کن باتوں میں سے صرف عمدہ خواب باقی بچا ہے، جو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔"

[1]مسلم: ۴۷۹۔ ابوداؤد: ۸۷۶۔ نسائی: ۱۰۴۵، ۱۱۲۰۔ ابن ماجہ: ۳۸۹۹.

اس حدیث میں "مبشرات النبوة" فرما کر پہلی حدیث میں مذکور المبشرات کا ابہام دُور کر دیا گیا ہے اور یہ واضح فرما دیا گیا کہ سلسلۂ نبوت و رسالت تو ختم ہو گیا، البتہ جس طرح اللہ تعالیٰ نبوت کے ذریعہ بعض غیبی یا مخفی اُمور پر سے پردہ ہٹا دیا کرتا تھا، اسی طرح سچے اور عمدہ خواب کے ذریعے بھی اپنے مومن و مسلم بندوں کو بعض غیبی یا مخفی اُمور سے مطلع فرما کر ان کے لیے خوشی اور مسرت کا سامان کرتا رہے گا۔ حدیث میں "مِن" تبعیض کے لیے

ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عمدہ خواب نبوت کا ایک حصہ ہے، کل نبوت نہیں ہے، چنانچہ بعض حدیثوں میں اس کو بصراحت نبوت کا ۴۵واں یا ۴۶واں حصہ قرار دیا گیا ہے جن میں سے ۴۶ویں حصے کو صحیح بخاری میں مروی ہونے کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔[1]

عمدہ یا سچے خواب کے نبوت کا ایک حصہ ہونے پر دلالت کرنے والی حدیثوں سے سلسلۂ نبوت کے باقی رہنے پر استدلال کرنے والوں کا منہ بند کرنے کے لیے عرض ہے کہ کسی بھی چیز کا کوئی حصہ اس چیز کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً: تکبیر تحریمہ، قیام، قراءت فاتحہ، رکوع اور سجود وغیرہ نماز کے ضروری اور لازمی اجزاء ہیں جن کے مجموعے سے نماز کو وجود ملتا ہے، مگر ان سے کوئی بھی عمل تنہا نماز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی حدیثیں مروی ہیں اور جتنی سندوں سے مروی ہیں ان سب میں عمدہ یا سچے خواب کو "نبوت" کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی حدیث میں "نبوت" کے بجائے "رسالت" کا لفظ نہیں آیا ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اگر خواب دیکھنے والے کو خواب میں کسی ایسی بات پر عمل کا حکم دیا جائے جو کتاب وسنت سے ثابت عمل کے خلاف ہو یا جس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ آیا ہو تو اس پر عمل کرنا خود خواب دیکھنے والے اور اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے حق میں حرام ہے، اس لیے کہ دین مکمل ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور وحی الٰہی کے نزول کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

[1] بخاری: ۶۹۸۲۔ مسلم: ۲۲۶۴۔ ابوداؤد: ۵۰۱۷۔ ترمذی: ۲۲۷۲.

میں نے خواب سے حاصل ہونے والے علم پر جو حکم لگایا ہے اس کی بنیاد نبوت ورسالت کے درمیان پایا جانے والا فرق ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ "نبوت مجردہ" صرف غیبی اُمور سے مطلع ہونے یا مطلع کیے جانے کا نام ہے۔ صاحب نبوت یا نبی معصوم بھی ہوتا ہے اور اس پر وحی بھی نازل ہوتی ہے، لیکن وہ کسی نئی شریعت کی تبلیغ کا مکلف یا پابند نہیں ہوتا، بلکہ سابق رسول کی شریعت کا مجدد، احیاء کرنے والا اور داعی ہوتا ہے، خود نئے شرعی احکام نہیں دیتا، جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے بنو اسرائیل تھے جو شریعت موسوی کے احیاء، توضیح وتفہیم اور دعوت دینے کے مکلف اور پابند تھے۔ کوئی نئی شریعت پیش کرنے کے مجاز اور مکلف نہ تھے۔ اس ضروری وضاحت کی روشنی میں خوابوں کو شرعی مآخذ قرار دینے والوں، خوابوں کی بنیاد پر پیری مریدی کی دکانیں چلانے والوں اور اکابر ومشائخ اہل تصوف کے غیر معمولی، بلکہ ناقابل تصدیق فضائل ومناقب کی ترویج کی خاطر خوابوں کا سہارا لینے والوں کی فریب کاریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

## خواب کی قسمیں

خواب کی اپنے ماخذ اور مصدر کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں اور قابل فہم اور ناقابل فہم ہونے کے اعتبار سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ جس خواب کا ماخذ ومصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کو "الرؤیا" کہتے ہیں، جس کی جمع "الرؤیٰ" آتی ہے۔ اور جو خواب انسان اپنے انخرات میں ہیجان، بد ہضمی اور ذہنی پریشانی کی وجہ سے دیکھتا ہے یا شیطان اس کو دکھاتا ہے، اس کو "الحُلُم" کہتے ہیں، جس کی جمع "الأحلام" آتی ہے، اُردو میں اس کو "خواب پریشاں" کہتے ہیں۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: "پہلے میں خواب دیکھتا تھا تو اس سے حاصل ہونے والے خوف کی وجہ سے بصورتِ بخار کانپنے لگتا تھا، لیکن تپ زدہ مریض کی طرح کمبل نہیں اوڑھتا تھا، یہاں تک کہ میری ملاقات ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہو گئی تو میں نے ان سے اپنی حالت کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلُمًا يَكْرَهُهُ ، فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا ، فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ۔))[1]

"خواب اللہ کی طرف سے ہے اور خواب پریشاں شیطان کی طرف سے، لہٰذا اگر تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آجائے تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں خواب کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں اور اس کو بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں:

((إِذَا قْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ أَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهٗ لَا يَكْذِبُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَنَا أَقُوْلُ هٰذِهٖ۔ قَالَ: وَكَانَ يُقَالُ: اَلرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: حَدِيْثُ النَّفْسِ ، وَتَخْوِيْفُ الشَّيْطَانِ وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ۔ فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يُقَصَّهٗ عَلٰى أَحَدٍ ، وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ۔ قَالج: وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلُّ فِي النَّوْمِ ، وَكَانَ يُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ ، ويقال: القيد ثبات فى الدين۔قال ابوعبداللّٰه: لا تكون الأغلال إلا فى الاعناق۔))
[2]

[1]بخاری: ۵۷۴۷۔ مسلم: ۲۲۶۱۔ ابوداؤد: ۵۰۲۱۔ ترمذی: ۲۲۷۸۔ ابن ماجہ: ۳۹۰۹. [2] بخاری: ۷۰۱۷۔ مسلم: ۲۲۶۳۔ ابوداؤد: ۵۰۱۷۔ترمذی: ۲۲۸۱۔ ابن ماجہ: ۲۹۲۶.

"جب زمانہ اپنے اختتام کے قریب ہو گا، مومن کا خواب مشکل سے جھوٹا ہو گا۔ اور مومن کا خواب نبوت کے ۴۶ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور جو چیز نبوت کا حصہ ہو وہ جھوٹی نہیں ہوتی۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں: میں یہ کہتا ہوں کہ کہا جاتا ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں؛ دل میں پیدا ہونے والے خیالات و افکار جو نیند میں خواب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، شیطان کی طرف سے سونے والے کو خوف زدہ کرنا یا رنجیدہ بنانا، اور اللہ کی طرف سے خوش خبری" سو جو کوئی ایسی چیز خواب میں دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو وہ اسے کسی سے بیان نہ کرے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اُٹھ کر نماز پڑھ لے۔" ابن سیرین کہتے ہیں: خواب میں "طوق" دیکھنے کو ناپسند سمجھا جاتا تھا اور "قید" کا دیکھنا لوگوں کو پسند آتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ قید دین میں ثابت قدمی سے عبارت ہے۔

"ابو عبد اللہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طوق صرف گردنوں میں ڈالے جاتے ہیں۔" اس حدیث میں "قال محمد" اور اس کے بعد کا حصہ مشہور تابعی اور تعبیر رؤیا کے امام اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا اضافہ (ادراج) ہے۔

اس حدیث میں خواب کو بیان نہ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ علی الاطلاق نہیں ہے، کیونکہ بعض دوسری حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بُرے خوابوں کو دوسروں سے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رہے اچھے خواب تو ان کو ایسے لوگوں سے بیان کرنے کی اجازت دی ہے جن سے خواب دیکھنے والے کو محبت ہو، اس لیے کہ اس طرح کے لوگ یا تو خواب کی اچھی تعبیر بتائیں گے یا اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیں گے، اسی وجہ سے بعض حدیثوں میں صاحب فہم سے خواب بیان کرنے کی صراحت ہے۔ احادیث میں اچھے خواب دیکھنے پر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ذیل میں ایسی حدیثیں نقل کی جارہی ہیں جن سے مذکورہ مفاہیم پر دلالت ہوتی ہے:

((عن ابی سلمة یقول: کنت أری الرؤیا فتُمرِضُنی حتی سمعت ابا قتادہ یقول: وانا کنت أری الرؤیا تُمرِضنی ، حتی سمعت النبی صلي الله علیه وسلم یقول: الرؤیا الحسنةُ من اللّٰه. فأذا رأی أحدکم ما یُحب فلا یحدث به إلا من یحب وإذا رأی ما یکرهُ فلیتعوذ باللّٰه من شرہا و من شر الشیطان ولیتفِل ثلاثًا ولا یحدث بها احدًا ، فأنها لن تضرہ۔))[1]

"ابو سلمہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں ایسے خواب دیکھتا تھا جو مجھے بیمار بنا دیتے تھے، یہاں تک کہ میں نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں ایسے خواب دیکھا کرتا تھا جو مجھے بیمار بنا دیتے تھے (یعنی غم زدہ اور فکر مند بنا دیتے تھے) یہاں تک کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"عمدہ خواب اللہ کی طرف سے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند آئے تو اس کو صرف ایسے شخص سے بیان کرے جس سے اس کو محبت ہو اور جب ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند نہ آئے تو اس کے شر اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور تین بار تھوک دے اور اس کو کسی سے بیان نہ کرے، تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إذا رأی أحدکم الرؤیا یُحبها ، فأنها من اللّٰه ، فلیحمدِ اللّٰهَ علیها ولیحدث بها. وإذا رأی غیر ذلک لما یکرہُ فإنما ہی من الشیطان. فلیستعذ من شرہا ولا یذکرہا لأحد. فإنها لن تضرہ۔)) [2]

" جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے اچھا لگے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ اس پر اللہ کی حمد بیان کرے اور جب اس کے برعکس ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو درحقیقت یہ شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرے، تو وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((رؤیا المؤمن جزءٌ من ستة و أربعین جزءًا من النبوة وہی علی رِجلِ طائر مالم یحدث بها فاذا حدث بها وقعت ، قال: وأحسَبُه قال: ولا تحدث بها إلا لبیبًا أو حبیبًا۔))[1]

"مومن کا خواب نبوت کے ۴۶ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور وہ پرندے کے پاؤں پر معلق رہتا ہے جب تک خواب دیکھنے والا اسے بیان نہیں کرتا اور جب اسے بیان کر دیتا ہے تو وہ گر پڑتا ہے" راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" اسے صرف عقل مند آدمی یا محبوب شخص سے بیان کرے۔" اس حدیث میں خواب کی تعبیر کو پرندے کے پیر میں لٹکی ہوئی اور معلق شے سے تشبیہ دی گئی ہے جو معمولی سی غفلت یا جھٹکے سے گر پڑتی ہے۔ اسی طرح خواب کی تعبیر اس کے بیان کرتے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔ اوپر نقل کردہ احادیث سے جو درس ملتا ہے وہ یہ کہ خواب دیکھنے والوں کو خواب کے بظاہر خوفناک ہونے کے باوجود خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ناپسندیدہ خواب کے بعد اگر آنکھ کھل جائے تو بستر ہی پر بائیں طرف کروٹ بدل کر تین بار تھوک دینا چاہیے اور ((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ)) پڑھ لینا چاہیے، تھوکتے وقت منہ سے تھوک نکلنا ضروری

[1]ابوداؤد: ۵۰۲۰۔ ترمذی: ۲۲۷۸، ۲۲۷۹۔ ابن ماجه: ۳۹۱۴.

نہیں ہے اور اگر خواب بظاہر مسرت بخش اور خوش کن ہو تو الحمد للہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کا باعث ہونے کی درخواست کرنی چاہیے اور فوراً کسی سے اس کو بیان کر کے اس کی تعبیر نہیں دریافت کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ طریقہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ ہے، دوم بعض تابعین کا آزمودہ ہے، جیسا کہ حضرت ابو سلمہ رحمہ اللہ کی صراحت ہے کہ" میں پہلے ایسے خواب دیکھا کرتا تھا جو میرے اوپر پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوتے تھے، لیکن جب سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہے اس وقت سے میں ایسے خوابوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔"[1]

اور مذکورہ حدیثوں میں خواب کی تعبیر بتانے والوں کے لیے یہ درس مضمر ہے کہ وہ کسی سے کوئی خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بتانے سے اجتناب کریں اور خوب غور و فکر کر کے اور خواب کی تہہ تک پہنچ جانے کے بعد ہی تعبیر بتائیں، کیونکہ یہ بہت ہی دقیق اور مشکل علم ہے اور اس کے نتائج بے حد سنگین ہوتے ہیں، لہٰذا کسی بھی خواب کی تعبیر بتانے سے معذرت کر دینا بلا سوچے سمجھے تعبیر بتانے سے بہتر اور خدا ترس علماء کے زیادہ شایانِ شان ہے۔

## تعبیر رؤیا

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ تعبیر رؤیا یا خواب کی تعبیر کا علم بہت دقیق اور مشکل ہے۔ یہ در حقیقت ایک خاص اور خداداد علم ہے جس سے بہت کم لوگ سرفراز ہوتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اچھے اور سچے خواب بھی عام طور پر ناقابل فہم ہوتے ہیں اور ان کی تہہ تک پہنچنے کے لیے علم شریعت کافی نہیں ہوتا، کیونکہ اس مادی دنیا کی بہت سی چیزیں عالم بالا میں دوسری شکلوں میں ہوتی ہیں اور جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح عالم بالا میں موجود بہت سی چیزوں کی سیر کرتی ہے اور وہ سونے والے کے ذہن میں مرتسم ہوتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر دودھ عالم بالا میں علم کی شکل میں ہے اور قمیص دین کی شکل میں وغیرہ۔ ذیل میں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خوابوں کا ذکر کروں گا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خوابوں کا جن کی تعبیر سے ہماری یہ بات سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

[1]مسلم: ۲۲۶۱۔ ۵۹۰۰.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((بينا انا نائم أُتيت بقدح لبن، فشربت منه ، حتى إني لأرى الرِيَّ يخرج من أظافيري ، ثم أعطيت فضلي۔ يعني۔ عُمَرَ۔ قالوا: فما أولته يا رسول اللّٰه؟قال: العلم۔)) [1]

"جس وقت میں سویا ہوا تھا، مجھے دودھ سے بھرا پیالہ دیا گیا، جس میں سے میں نے پیا، یہاں تک کہ میں سیراب کرنے والے دودھ کو اپنے ناخنوں سے نکلتے ہوئے دیکھ رہا تھا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: العلم۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب میں دودھ کی تعبیر علم سے کی ہے، کیونکہ دودھ اور علم کثرت نفع اور فوائد میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دودھ جسمانی غذا ہے اور علم معنوی غذا۔ حدیث معراج میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو برتن پیش کیے گئے جن میں سے ایک دودھ اور دوسرے میں شراب تھی اور کہا گیا کہ ان میں سے جو چاہیں لے لیجیے، تو آپ نے دودھ کا پیالہ اُٹھالیا اور اس کو پی گئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے کہا: "آپ کو فطرت کی راہ مل گئی، یا آپ نے فطرت پالی۔"[2]

اور قرآن پاک میں دودھ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "اور درحقیقت تمہارے لیے مویشیوں میں درس عبرت ہے، ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے نکلنے والا بے آمیز اور خوش ذائقہ دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں۔"(النحل:٦٦)

## خواب میں قمیص سے مراد دین

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1]بخاری: ٧٠٠٦۔ مسلم: ٢٣٩١. [2] بخاری: ٣٣٩٤۔ مسلم: ١٦٨.

((بينا أنا نائم رأيت الناس عُرِضوا على وعليهم قمُصٌ، منها ما يبلغ الثديّ و منها ما يبلغ دون ذلك و مرَّ على عمرُ بن الخطاب وعليه قميص يجرُّهُ قالوا: ما أولته يا رسولَ اللّٰهِ؟ قال: الدين۔)) [1]

"اس حال میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کیے گئے اور سب کے اوپر قمیصیں تھیں، جن میں سے بعض کی قمیص چھاتی تک پہنچتی تھی اور بعض کی اس سے نیچے تک اور میرے سامنے سے عمر بن خطاب گزرے جو اپنی پہنی ہوئی قمیص گھسیٹ رہے تھے۔" صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس خواب کی کیا تفسیر کی ہے؟ فرمایا: "دین۔" اس حدیث میں قمیص سے مراد صاحب قمیص کا دین ہے اور قمیصوں کے چھوٹی اور بڑی ہونے کا مطلب ہے کہ لوگ دین و ایمان کے اعتبار سے ایک درجے پر نہیں ہیں اور حضرت عمر کی قمیص کی اتنی لمبی ہونے سے کہ وہ اسے گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہے تھے، یہ مراد ہے کہ وہ دین و ایمان کے معاملے میں نہایت اعلیٰ مقام اور درجہ پر فائز تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام زہری کی یہ حدیث حکیم ترمذی نے ایک دوسری سند سے روایت کی ہے جس میں آیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو لوگ پیش ہوئے تھے ان میں سے بعض کی قمیص ناف تک تھی، بعض کی اس کے گھٹنے تک اور بعض کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچ رہی تھی۔"[2]

## خواب میں سرسبز وشاداب باغ مکمل اسلام کی تمثیل ہے

مشہور تابعی قیس بن عُباد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" میں ایک حلقہ میں تھا جس میں سعد ابن مالک اور ابن عمر بھی تھے، پھر وہاں سے عبداللہ بن سلام گزرے تو ان لوگوں نے کہا: یہ اہل

[1]بخاری: ۲۰۰۸؛ مسلم: ۲۳۹۰. [2] فتح الباری، ص: ۳۱۲۸، ج: ۳.

جنت میں سے ایک شخص ہیں، اور میں نے ان سے ان لوگوں کی باتیں نقل کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ایسا اور ایسا کہا ہے، اس پر انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ان کے لیے ایسی بات کہنا مناسب نہیں تھا جس کا انہیں کوئی علم نہیں ہے، در حقیقت بات صرف اتنی ہے کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ گویا ایک ستون یہ جو ایک ہرے بھرے باغ میں رکھا ہوا ہے اور وہ اس میں گاڑ دیا گیا، اور اس ستون کے سرے پر ایک حلقہ ہے اور ستون کے نیچے منصف ہے۔ منصف، یعنی وصیف۔ خادم۔ اور کہا گیا کہ اوپر چڑھو تو میں چڑھ گیا یہاں تک کہ حلقہ کو پکڑ لیا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یموت عبداللّٰہ وہو آخذ بالعروۃ الوثقی۔)) [1]

"عبداللہ مضبوط حلقے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے مریں گے۔" یہی حدیث صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مناقب کے تحت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے، جس میں اس واقعہ کی زیادہ تفصیل بیان ہوئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا ہے:
((تلک الروضۃ الإسلام ، و ذلک العمود عمود الإسلام و تلک العروۃ عرۃ الوثقی فأنت علی الإسلام حتی تموت۔))[2]
"وہ باغ اسلام ہے، اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور وہ عروہ( کڑا، یاحلقہ ) عرۃ الوثقیٰ ہے اور خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم وفات پانے تک اسلام پر قائم رہو گے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

((إنی رأیت اللیلۃ فی المنام ظلةً تنطُفُ السمن والعسل

[1]بخاری: ۷۰۱۰۔ مسلم: ۶۳۸۲. [2] بخاری: ۳۸۱۳۔ مسلم: ۶۳۸۱۔ ۲۴۸۴.

فأری الناسَ یتکففون منها ، فالمستکثر والمستقل ، وإذا سبب واصل من الأرض إلی السماء، فأراک اخذت به فعلوت ، ثم أخذ به رجلٌ آخَرُ فعلا به ، ثم أخذ به رجل آخر فعلا به، ثم أخذ به رجلٌ اخر فانقطع ثم وَصِل۔))

’’میں نے رات خواب میں ایک چھتری دیکھی جو گھی اور شہد ٹپکا رہی تھی اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ اس سے سیر ہو رہے ہیں، زیادہ لینے والے بھی ہیں اور کم لینے والے بھی، اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رسی ہے جو زمین سے آسمان تک ملی ہوئی ہے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اسے پکڑ لیا اور بلند ہوگئے، پھر ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور اس کے ذریعہ بلند ہوا، پھر ایک اور آدمی نے اسے پکڑا اور اس کے ذریعہ بلند ہوا، پھر ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور وہ ٹوٹ گئی، پھر جڑ گئی۔‘‘

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے اس کی تعبیر بیان کرنے دیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ’’ اس کی تعبیر بیان کرو۔‘‘ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’ رہا سائبان یا چھتری تو وہ اسلام ہے اور اس سے جو شہد اور گھی ٹپک رہا تھا وہ قرآن ہے، جس کی مٹھاس ٹپک رہی تھی اور اسی قرآن سے استفادہ کرنے والوں میں کچھ زیادہ استفادہ کرنے والے ہیں اور کچھ کم۔ رہی وہ رسّی جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی اور واصل ہے وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں، آپ اس کو پکڑتے ہیں تو اللہ آپ کو بلندی عطا کرتا ہے، پھر آپ کے بعد ایک آدمی اسے پکڑتا ہے اور اس کے ذریعہ بلند درجہ حاصل کرتا ہے، پھر ایک دوسرا شخص اس کو تھام لیتا ہے اور اس کے ذریعہ بلندی سے سرفراز ہوتا ہے، پھر ایک اور اس کو پکڑ لیتا ہے اور وہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر اس کی خاطر جوڑ دی جاتی ہے اور وہ بھی بلندی حاصل کر لیتا ہے۔‘‘ اے اللہ کے رسول! میرا باپ آپ پر قربان، مجھے بتایئے کہ کیا میں نے درست تعبیر بتائی ہے یا مجھ سے غلطی ہوئی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تم نے بعض باتوں کی درست تعبیر بتائی اور بعض کی تعبیر بتانے میں غلطی کر دی۔‘‘ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم، اے اللہ کے رسول! مجھے وہ تعبیر بتایئے جس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’قسم مت کھاؤ۔‘‘ [1]

حدیث کے شارحین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں غلطی سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ کتابی باتیں ہیں جن کا ذکر قارئین کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہی درست اور خواب کے الفاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے؛ امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر میں جو غلطی ہوگئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے شہد اور گھی کی ایک ہی تعبیر بتا دی، جب کہ مناسب حال جو بات تھی وہ یہ کہ ان کی تفسیر قرآن اور سنت سے کرتے۔ حافظ خطیب بغدادی نے تعبیر رؤیا کا علم رکھنے والے دوسرے علماء کا بھی یہی قول قرار دیا ہے۔[2]

اس حدیث سے جو درس ملتا ہے کہ وہ یہ کہ کسی بڑے سے بڑے عالم کی کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہے، اور اگر اس اُمت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک خواب کی تعبیر میں غلطی کر سکتے تھے تو دوسروں سے غلطیوں کا صدور اقرب و اوّل ہے، عصمت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرمایا: ’’قسم مت کھاؤ‘‘ تو یہ دراصل اس بات کی تاکید کے لیے تھا کہ میں تم کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ تم نے مذکورہ خواب کی تعبیر میں کہاں کہاں غلطی کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے فرمایا تھا کہ ان کی

غلطیوں کی نشان دہی کرنے کی صورت میں آپ کو خواب کی صحیح اور حقیقتِ حال کے مطابق تعبیر بتانی پڑتی، خاص طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آسمان وزمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسّی کو وہ حق قرار دیا تھا جس پر

[1]بخاری: ۷۰۴۶۔ مسلم: ۲۲۶۹. [2] فتح الباری، ص: ۳۱۲۵، ج: ۳.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تین خلفاء قائم تھے، جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابہ حق پر تھے۔ رہی خلافت تو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی برحق تھی جس پر اُمت کا اتفاق ہے اور جو اسلامی عقیدہ میں داخل ہے۔ لہٰذا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد صریح لفظوں میں اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا اسی طرح اس خواب میں "رسّی" کی تعبیر نہیں بتائی، کیونکہ یہ فتنہ کا سبب بن سکتی تھی جس سے اُمت کو بچانا آپ کے فرائض میں داخل تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

## خواب پریشان کی مثال

اوپر سچے اور بامعنی خوابوں اور ان کی تعبیروں کے تذکرے کے بعد قارئین کے دلوں میں خوابِ پریشان یا شیطانی خواب کو مثال سے سمجھنے اور جاننے کی خواہش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے، لہٰذا عہد نبوی کے اس طرح کے ایک خواب کا ذکر کر رہا ہوں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا:

((یا رسول اللّٰہ! رأیت فی المنام کأنی رأسی قُطِعَ. قال: فضحک النبی صلي الله عليه وسلم ، وقال: إذا لعب الشیطان بأحدکم فی منامه فلا یحدث به الناس۔)) [1]

"اے اللہ کے رسول! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے، راوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ اس کے خواب میں کھلواڑ کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے کسی سے بیان نہ کرے۔" اس حدیث کی روشنی میں کسی بھی ڈراونے اور خوفناک خواب کو کسی سے بھی بیان نہیں کرنا چاہیے، بلکہ احادیث کے مطابق بائیں کروٹ ہو کر تین بار تھوک کر اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھ لینا چاہیے، یہ عمل نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سے شیطان اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے گا اور اگر کوئی کسی سے اس طرح کا خواب بیان کر دے تو جس سے عذاب بیان کیا جائے اس کو اس کی تعبیر بتانے سے گریز کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کا خواب سن کر اس کی کوئی تعبیر نہیں بتائی اور اس کو یہ تنبیہ کرنے پر اکتفا کیا کہ وہ دوسرے لوگ دوسروں سے ایسے خواب بیان نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہی ہمارے لیے نمونۂ تقلید ہے۔ گزشتہ صفحات میں جن چند خوابوں کی تفصیلات صحیح ترین احادیث سے نقل کی گئی ہیں ان سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ عمدہ اور سچے خوابوں میں دیکھی جانے والی اشیاء اس عالم واقعہ کی اشیاء سے بظاہر مشابہت رکھنے کے باوجود اپنے مفہوم و معنی میں ان سے مختلف ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے تعبیر رؤیا یا خوابوں کی تعبیر کے علم میں مہارت رکھنے والوں کی ہر دور میں بڑی کمی رہی ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ علمائے اسلام میں امام ربانی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی اور نام ایسا نہیں ملتا جس کو اس علم میں سند کا درجہ

حاصل رہا ہو۔ محمد بن سیرین خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دو سال باقی تھی، اس طرح ان کا سال پیدائش ۳۳ھ ... ۶۵۳ء قرار پاتا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب دو سال باقی تھی اس وقت پیدا ہوئے، چنانچہ مشہور امام حدیث حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح میں نے اپنی کتاب عمر میں پایا ہے، جب کہ دوسروں کا کہنا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب دو سال باقی تھے اس وقت پیدا ہوئے۔ اس دوسرے قول کے مطابق ان کی پیدائش ۲۱ھ ... ۶۴۱ء میں ہونی چاہیے۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ ... ۷۲۸ء میں ہوئی۔ محمد بن سیرین کو علم حدیث میں امامت کا درجہ حاصل تھا اور اُمت میں فتنہ پیدا ہو جانے کے بعد وہ حدیث کی سند پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کو فرائض قضاء اور حساب میں بھی بڑا ادراک حاصل تھا اور زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ لیکن محمد بن سیرین کو خوابوں کی تعبیر کے علم میں جو غیر معمولی مہارت حاصل تھی اس نے ان کو ایک انفرادی مقام عطا کر دیا تھا اور بقول امام ذہبی رحمہ اللہ کے کہ " اس علم میں ان کو تائید الٰہی حاصل تھی۔"[1]

ذیل میں ہم ان کی تعبیر رؤیا کے کچھ واقعات امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب "سیر اعلام النبلاء" سے نقل کر رہے ہیں: ۱۔ عبد اللہ بن مسلم مروزی کا بیان ہے کہ میں ابن سیرین کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، پھر میں نے ان کی ہم نشینی ترک کر دی اور اباظیہ فرقے کے لوگوں میں بیٹھنے لگا، میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اٹھائے ہوئے ہیں، اس کے بعد میں ابن سیرین کے پاس گیا اور ان سے اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: "تم ان لوگوں میں کیوں اٹھنے بیٹھنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت دفن کر دینا چاہتے ہیں۔" اباظیہ خوارج کا ایک فرقہ ہے جو عبد اللہ بن اباض خارجی کا پیرو ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا موحد تو ہے لیکن مومن نہیں ہے۔ یہ فرقہ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں ۱۲۷ھ مطابق ۷۴۴ء میں پیدا ہوا۔ ۲۔ ایک شخص محمد بن سیرین کے پاس آیا اور کہا: " میں نے خواب دیکھا ہے گویا شیشہ کا ایک گلاس ہے جس میں پانی ہے، پھر گلاس ٹوٹ گیا اور پانی کھڑا ہے۔" یہ خواب سن کر ابن سیرین نے فرمایا: " اللہ سے ڈرو، تم نے کچھ نہیں دیکھا ہے۔" اس آدمی نے کہا: سبحان اللہ! اس پر ابن سیرین نے کہا: جو کذب بیانی کرے اس کا وبال میرے اوپر نہیں۔ تمہاری بیوی بچہ جنے گی اور مر جائے گی اور بچہ زندہ رہے گا۔ یہ تعبیر سن کر وہ آدمی ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولا: میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا لیکن زیادہ

[1]سیر اعلام النبلاء، ص: ۴۸۴، ج: ۵.

دن نہیں گزرے کہ اس کے گھر میں ولادت ہوئی اور اس کی بیوی مر گئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خواب نہ دیکھے اور تعبیر بتانے والے کے پاس خواب دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کرے اس وقت بھی خواب کی وہ تعبیر واقع ہو جائے گی جو تعبیر بتانے والے نے بتائی ہے اور چونکہ اس خواب کی تعبیر مسرت بخش نہیں تھی، اس لیے ابن سیرین نے خواب دیکھنے والے سے فرمایا تھا کہ تم نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، تاکہ ان کو تعبیر نہ بتانی پڑے یا ان کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، جھوٹ موٹ ان سے بیان کر رہا ہے، اسی وجہ سے جب اس نے سبحان اللہ کہہ کر ان کے جواب کو اپنی تکذیب قرار دیا تو ابن سیرین نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے والے کے جھوٹ کا وبال ان پر نہیں ہے، اور جب انہوں نے خواب کی تعبیر بتادی تو وہ شخص ڈر گیا اور حقیقتِ حال کا اعتراف کر کے کہہ دیا: " میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے مگر جو ہونے والا تھا وہ ہو کر رہا۔" اس خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان ایسی کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں پائی جاتی جس سے ابن سیرین کے حکم کو سمجھنے میں مدد ملے اس سے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ علم کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور بلاشبہ محمد بن سیرین کو تعبیر رؤیا میں تائید الٰہی حاصل تھی۔

۳۔ ایک شخص امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے گویا میں اور ایک سیاہ فام باندی ایک ہی برتن میں مچھلی کھارہے ہیں۔ ابن سیرین نے اس سے کہا: کیا تم میرے لیے کھانے کا انتظام کر کے مجھے کھانے پر بلا سکتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور ان کو کھانے پر بلایا۔ جب دستر خوان بچھایا گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک سیاہ فام باندی ہے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے قربت کی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے اس سے فرمایا: اس کو لے کر خواب گاہ میں جاؤ۔ اس نے اس پر عمل کیا، لیکن خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی چلایا: اے ابو بکر! اللہ کی قسم یہ تو مرد ہے۔ اس پر ابن سیرین نے اس سے کہا: ''یہی تمہاری بیوی کے معاملے میں تمہارا شریک عمل رہاہے۔'' غور فرمایئے، خواب کیاہے اور تعبیر کیا نکل رہی ہے۔

## خواب مومن کے لیے خوش خبری

بامعنی اور سچے خواب مومن کی طرح کافر بھی دیکھ سکتاہے جس کی دلیل قرآن پاک کی سورۃ یوسف میں مذکور بادشاہ مصر کا خواب ہے، لیکن خواب بشارت اور خوش خبری صرف مومن کے لیے ہوتا ہے، جیسا کہ سورۃ یونس میں اولیاء اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوش خبری ہے، جس کی تفسیر حدیث میں عمدہ خواب سے کی گئی ہے، مصر کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ اس نے بیان کیا:

((سألت أبا الدرداء عن ہذہ الآیة: ﴿لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ قال: ما سألنی عنها أحدٌ منذ سألت رسول الله صلي الله عليه وسلم عنها. فقال: ما سألنی عنها أحدٌ غیرک منذ أنزلت ہی الرؤیا الصالحة یراہا أو تَری له۔))

''میں نے ابو الدرداء سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا: ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوش خبری ہے۔ فرمایا: جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تھا تو اس وقت سے اس کے بارے میں مجھ سے کسی نے سوال نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: '' تمہارے سوا کسی اور نے اس کے نزول کے بعد سے اس کے بارے میں سوال مجھ سے نہیں پوچھا ہے۔ یہ عمدہ خواب ہے جو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔''[1]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا راوی... رَجُلٌ مِّنْ اَہْلِ مِصْرَ... غیر معروف، یعنی مجہول ہے، لہٰذا اس حدیث کو ضعیف ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ یہ ایک دوسرے صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس طرح یہ حدیث مذکورہ

[1] ترمذی: ۲۲۷۳، ۳۱۰۶.

حدیث کی شاہد بن گئی، اسی وجہ سے امام ترمذی نے ابو الدرداء کی حدیث کو شاہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ یونس کی آیت میں جن لوگوں کے لیے عمدہ خواب کو خوش خبری کہا گیا ہے ان سے مراد ''اولیاء اللہ'' ہیں جن کا ذکر ایک آیت پیشتر آیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (یونس: ۶۲، ۶۳)

”غور سے سن لو، درحقیقت اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جو تقویٰ شعار تھے۔“ قرآن پاک کی یہ واحد آیت ہے جس میں ”اولیاء“ کا ذکر اللہ کے ساتھ اضافت کی شکل میں آیا ہے اور ان کی صفت ” ایمان و تقویٰ“ بتائی گئی۔ ایمان و تقویٰ کی اس صفت نے جہاں ہر مومن و متقی کو اللہ کا ولی قرار دے دیا ہے وہیں اُن تمام لوگوں کو ولایت کی صفت سے محروم کر دیا ہے جو ایمان و تقویٰ سے موصوف نہ ہوں، اس وضاحت کی روشنی میں صوفیا کے حلقوں میں جن لوگوں کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے وہ قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے بموجب اولیاء اللہ نہیں ہیں، کیونکہ اپنے عقائد کے قرآن و سنت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ایمان وہ نہیں ہے جو اللہ و رسول کو مطلوب ہے اور ان کی عبادتوں اور اوراد و اذکار میں خود ساختہ اور من گھڑت اعمال کے داخل ہو جانے کی وجہ سے وہ اہل تقویٰ میں بھی داخل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ و رسول کی نگاہ میں متقی وہ ہے جو کتاب و سنت کا متبع ہو اور بدعتوں سے اس کی زندگی پاک ہو۔ میں نے ابھی جو کچھ عرض کیا ہے وہ محض دعویٰ نہیں ہے، بلکہ صوفیا کے اپنے اعترافات پر مبنی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور صوفی جو خیر سے فخر المحدثین کے لقب سے بھی ملقب تھے، فرماتے ہیں:

(( فلو ادعى أحدٌ من العلماء إنا غلطنا في حكم ، فأن كان من الاعتقاديات فعليه أن يثبت بنص من أئمة الكلام وإن كان من الفرعيان فيلزم أن يبنى بنيانه على القول الراجح من أئمة المذاہب۔ فاذا فعل ذلک فلا يكون منا ان شاء الله تعالى إلا الحسنى۔ ))

”اگر علماء میں سے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہم سے کسی حکم میں غلطی ہوئی ہے، تو اگر یہ غلطی عقائد سے متعلق ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کو ائمہ کلام کی تصریح سے ثابت کرے اور اگر وہ غلطی فروع کے قبیل سے ہے تو اپنے دعویٰ کی بنیاد ائمہ مذاہب ( فقہاء) کے راجح قول کو قرار دے، اگر وہ ایسا کرے گا تو ان شاء اللہ ہماری طرف سے بہتری ہی کا اظہار ہو گا۔“ [1]

اگر عقائد کا ماخذ علم کلام ہے اور شرعی اعمال کا ماخذ فقہ تو پھر اللہ و رسول کہاں گئے ؟ کیا ایسے لوگوں میں اللہ کے ولی پیدا ہو سکتے ہیں؟ اہل سنت والجماعت کے نزدیک تو تمام مومنین اللہ کے ولی ہیں۔ امام طحاوی حنفی اسلامی عقائد کی کتاب میں فرماتے ہیں:

((والمؤمنون كلهم اولياء الرحمن واكرمهم عندالله أطوعهم واتبعهم للقرآن۔))

”تمام مومنین رحمن کے ولی ہیں اور ان میں اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہیں جو قرآنی احکام کی سب سے زیادہ اطاعت اور پیروی کرتے ہیں یا اطاعت و پیروی کرنے والے ہیں۔“ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع بحکم خداوندی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع اللہ ہی کی اطاعت و اتباع ہے، اس طرح قرآن کی اطاعت و اتباع کے ساتھ سنت کی اطاعت و اتباع بھی فرض قرار پائی۔ اس تناظر میں اسلامی عقائد و اعمال کے ماخذ کتاب و سنت ہوئے، نہ کہ علم کلام جو حق و باطل کا مجموعہ ہے اور نہ کہ فقہ جو

[1] مولانا خلیل احمد، المهند علی المفند، ص: ۳۲، ۳۳.

غیر معصوم فقہاء کے اجتہادی احکام کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے صواب وخطا دونوں ہے۔ اس مضمون میں میرا موضوع بحث علم کلام نہیں ہے، اس لیے میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ صوفیا کے حلقوں میں زبان زد اولیاء اللہ کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط باتوں اور غلط اجتہادات کی نشان دہی کرنا تھا اور یہ واضح کرنا تھا کہ اللہ کا ولی ہونے کی صفت سے وہی شخص موصوف ہو سکتا ہے جو کتاب و سنت کا متبع ہو۔ میں اپنے اس جملۂ معترضہ کے آخر میں اپنے وقت کے امام المتصوفین اور قطب العارفین شیخ ابو محمد عبد القادر بن عبد اللہ جیلی کا وہ ارشاد نقل کر دینا مناسب اور بر محل خیال کرتا ہوں جو انہوں نے اپنے ایک مرید اور مسترشد شیخ علی بن ادریس کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا، سوال تھا: ''کیا امام احمد بن حنبل کے عقیدہ سے مختلف عقیدہ رکھنے والا اللہ کا ولی ہوا ہے؟'' فرمایا: ''نہ ہوا ہے اور نہ ہو گا۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ ایک عظیم محدث وفقیہ ہونے کے علاوہ استقامت علی الحق، اتباع کتاب وسنت، خالص وبے آمیز عقیدہ رکھنے اور طہارت قلب سے موصوف ہونے کے باعث اہل سنت وجماعت کے غیر متنازع امام کا درجہ حاصل کر چکے تھے، اس لیے ان کا عقیدہ رکھنے والا متبع کتاب وسنت مانا جاتا تھا اور کسی کے صاحب حق ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی تھی کہ وہ ان کے عقیدے پر ہے۔

## انبیاء علیہم السلام کے خواب

انبیاء علیہم السلام کا خواب سچا ہونے کے علاوہ وحی الٰہی سے عبارت ہوتا تھا اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے دل نہیں سوتے تھے، بلکہ صرف ان کی آنکھیں سوتی تھیں، اس لیے نیند کی حالت میں بھی ان کے دل وحی الٰہی وصول کرنے کے قابل رہتے تھے اور شیطان کسی بھی حال میں ان کے دلوں کو اپنے خیالات اور وسوسوں کی آماجگاہ نہیں بنا سکتا تھا۔

[1] الاستقامة، ص: ۹۳.

یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی صرف آنکھیں سوتی ہیں، ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ''باب التخفیف فی الوضوء'' کے تحت جو حدیث نقل کی ہے اس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور سو گئے، یہاں تک کہ زور زور سے سانس لینے لگے۔''

ایک دوسری حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے سنے۔'' پھر مؤذن آیا اور آپ کو نماز کی اطلاع دی، آپ اس کے ساتھ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔'' یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام بخاری نے امام علی بن عبد اللہ مدینی کے شیخ سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے شیخ عمرو بن دینار مکی سے کہا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں آپ کا دل نہیں

سوتا۔"اس پر عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عمیر کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ" انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے۔"انہوں نے اپنے اس قول کی دلیل میں سورۂ الصافات کی آیت نمبر ۱۰۲ کا حوالہ دیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر آیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ مذکورہ حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر انبیاء کا خواب وحی کا درجہ نہ رکھتا تو ابراہیم علیہ السلام کا اس کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا لیے آمادہ ہونا جائز نہ ہوتا۔ امام بخاری نے اس حدیث میں مذکور نیند میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کے بیدار رہنے سے متعلق عبید بن عمیر کا جو قول نقل کیا ہے وہ اُن دو طویل حدیثوں سے ماخوذ ہے جن میں سے پہلی حدیث وہ کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت لائے ہیں (باب ۲، حدیث نمبر ۷۲۸۱) اور دوسری حدیث کتاب التوحید ، باب ما جاء فی قولہ عزوجل: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ کے تحت لائے

ہیں۔(باب ۳۷، حدیث نمبر ۷۵۱۵) پہلی حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں اور دوسری کے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں حدیثوں میں اُن فرشتوں کا قول نقل ہوا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے تھے جب آپ سوئے ہوئے تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں سوئے ہوئے تھے، لیکن انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے اور یہ واقعہ اسراء کی رات پیش آیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ابتدائی عبارت یوں ہے:

((جاء ت ملائكة إلى النبى صلي الله عليه وسلم وہو نائم ، فقال بعضهم : إنه نائم وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظانُ۔))

"فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ سو رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "وہ سو رہے ہیں"اور دوسرے نے کہا: "آنکھ سو رہی ہے اور دل بیدار ہے۔" اس حدیث میں فرشتوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ تین تھے، حدیث کے الفاظ ہیں:

((أنّه جاء ہ ثلاثة نفر قبل أن يوحى إليه وہو نائم فى المسجد الحرام۔ فقال أولهم : أيہم ہو؟ فقال أوسطهم : ہو خيرہم ، فقال أحدہم : خذوا خيرہم فكانت تلک الليلة فلم يرّہم حتى أتوہ ليلة أخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولاينام قلبه وكذلک الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبُهم۔))

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا آغاز ہونے سے قبل آپ کی خدمت میں تین افراد آئے درآنحالیکہ آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ آنے والوں میں سے پہلے نے کہا: ان میں وہ کونسے ہیں؟ درمیان والے نے کہا: وہ ان میں سب سے بہتر ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: ان میں سے بہتر کو لے لو۔ یہ وہ رات تھی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ دوسری رات آپ کی خدمت میں اس حالت میں آئے جس میں آپ کا دل تو دیکھتا تھا اور آنکھ سوتی تھی اور دل نہیں سوتا تھا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی تھیں اور ان کے دل نہیں

سوتے تھے۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی شریک بن عبداللہ مدنی ہیں جو سچے تو تھے، لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتے تھے۔ اس حدیث میں بعض باتیں دوسری صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ اب جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ انبیاء علیہم السلام کے دل ہر وقت بیدار رہتے ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان کے دل بیداری اور نیند دونوں حالتوں میں وحی الٰہی وصول کرنے کے قابل رہتے تھے، بایں معنی کہ شیطان کو ان کے دلوں میں کسی بھی وقت وسوسہ اندازی کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب کے وحی الٰہی ہونے کا مطب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عبارت تھے۔ مثال کے طور پر ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تو یہ تھا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، لیکن مطلب یہ تھا کہ "اسماعیل کو ذبح کرو" اسی وجہ سے آئندہ نبی ہونے والے بیٹے نے خواب سنتے ہی اس کو حکم قرار دیا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴾ (الصافات:۱۰۲)

"جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو گیا تو اس نے کہا:" اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں غور کر کے بتا، تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا: "ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کر ڈالیے آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔" اسی طرح قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو ان کا سجدہ کرنے کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی وحی الٰہی ہونے کی وجہ سے حکم الٰہی تھا، یعنی خواب کی شکل میں یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں اور باپ اور ماں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یوسف کو سجدہ کریں، لیکن اس سجدہ کا ایک خاص وقت مقرر تھا اور وہ وقت یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام اپنی مظلومت اور مغلوبیت کے مرحلے سے نکل کر نبوت وبادشاہت کے مرحلے میں داخل ہو جائیں اور ان کے ظالم اور انسانیت سے عاری بھائی ان کے پیروں پر گر کر اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لیں اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیں۔ بعض مفسرین نے جو یہ لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور باپ اور ماں نے ان کو جو سجدہ کیا تھا وہ سجدۂ تعظیمی تھا، سجدۂ عبادت نہ تھا اور سجدۂ تعظیمی سابقہ شریعتوں میں جائز تھا، اس شریعت میں سجدۂ تعظیمی اور سجدۂ عبادت دونوں حرام ہیں۔ تو یہ دعویٰ اپنے پیچھے کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں رکھتا اور اگر اس کو اپنے ذہن سے سجدۂ تعظیمی قرار دے کر سابقہ شریعتوں میں اس کو جائز مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سابقہ شریعتوں میں معصوم اور غیر مکلف بچوں کو قتل کرنے کی کوشش بھی، بلکہ فعلاً قتل کر دینا بھی جائز تھا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی بنیاد پر اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے کی کوشش کی تھی، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کو فرعون سے بچانے کے لیے الہام کی بنیاد پر دریا میں ڈال دیا تھا اور خضر علیہ السلام نے ایک معصوم بچے کی جان لے لی تھی، جب کہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کی بجا آوری سے عبارت تھے، کسی شرعی حکم کے تحت انجام نہیں دیے گئے تھے، اور یوسف علیہ السلام کا سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم بھی چاہے دے سکتا ہے، جس کی بجا آوری فرض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی حکم میں جوابدہ نہیں ہے۔ اس مقام پر بھائیوں اور باپ اور ماں کے اپنا سجدہ کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے جو کچھ فرمایا تھا وہ قابل غور ہے:

﴿ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا ﴾ (یوسف:۱۰۰)

"اباجان! یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا۔" یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر بتانے کے بعد جو یہ کہا تھا:

﴿ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴾ (یوسف:۴۱)

"فیصلہ ہو گیا اس بات کا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔" کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ خواب کی تعبیر واقع ہو کر رہتی ہے؟ گزشتہ صفحات میں خوابوں کی تعبیر سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے، البتہ نبی کے علاوہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے خواب کی تعبیر کے بعد وہ کہے، جو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا، کیونکہ نبی کے علاوہ کوئی دوسرا اپنی تعبیر کو مکمل طور پر صحیح قرار دینے کا مجاز نہیں ہے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی حقیقت؟

گزشتہ صفحات میں سچے اور با معنی خوابوں اور خوابہائے پریشاں کے بارے میں دلائل کی زبان میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا حق ہے بایں معنی کہ اس کا تعلق خوابوں کی اس قسم سے ہے جس کو زبانِ نبوت نے عمدہ یا سچا خواب قرار دیا ہے، لیکن اس خواب سے متعلق صحیح احادیث پیش کرنے سے قبل بعض اُمور کی وضاحت ضروری ہے، تا کہ ان احادیث کا سمجھنا آسان رہے:

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا اگرچہ حق وصدق ہے، پھر بھی یہ خواب تعبیر وتفسیر کا محتاج ہے اور دوسرے خوابوں کی طرح اس کی صحیح تعبیر وہی علماء بتا سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم یا ملکہ عطا فرمایا ہے۔

۲۔ دوسرے سچے خوابوں کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا جہاں خود خواب دیکھنے والے سے متعلق ہو سکتا ہے وہیں اس کا تعلق اس کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس بات کو حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "سچا خواب وہ ہے جو انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔" اس حدیث میں" اس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔" سے مراد یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا کوئی اور ہے۔ اس بات کو قارئین کے فہم سے قریب کرنے کے لیے قرآن پاک سے دو مثالیں دے دینا مناسب خیال کرتا ہوں:

۱:... یوسف علیہ السلام کے دونوں قیدی ساتھیوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ خود ان سے متعلق تھے۔

۲:... بادشاہِ مصر نے جو خواب دیکھا تھا اس کا تعلق اس کی ذات سے نہیں، بلکہ پورے ملک، بلکہ مصر کے قرب وجوار کے ممالک میں آئندہ رونما ہونے والے نہایت تباہ کن قحط سے تھا۔

۳:... یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی جو تعبیریں بتائی تھیں وہ دونوں کے خوابوں سے بڑی مشابہت رکھتی تھیں۔ لیکن بادشاہ کے خواب کی جو تعبیر بتائی تھی اس کا بظاہر خواب میں دیکھی جانے والی چیزوں سے دُور کا تعلق بھی نہیں تھا اور یوسف علیہ السلام نے صرف

خواب کی تعبیر بتانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ طریقۂ کار بھی بتا دیا جس کے ذریعہ آنے والے قحط کی تباہ کاریوں کا سامنا کیا گیا، جب کہ خواب میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مذکورہ بالا وضاحت سے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا عام خوابوں کی طرح خواب دیکھنے والے کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لیے بھی، اس کو مثالوں سے سمجھئے۔

۳۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی تعبیر رؤیا کے تذکرہ میں عبداللہ بن مسلم مروزی کے اس خواب کا ذکر آچکا ہے کہ اس نے خواب دیکھا کہ "وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اُٹھائے ہوئے ہیں" محمد بن سیرین نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہو گیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ مروزی کا یہ خواب خود اس کی ذات سے متعلق تھا۔ ۴۔ حافظ خطیب بغدادی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ محمد بن محمد بن مکی جرجانی کہتے ہیں: میں نے عبدالواحد بن آدم طوادیسی کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک جگہ اپنے چند اصحاب کے ساتھ کھڑے ہیں، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب دیا، پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کس لیے کھڑے ہیں؟ فرمایا: "میں محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔" پس جب چند دنوں کے بعد مجھے ان کی موت کی خبر ملی، تو میں نے غور کیا تو اس وقت ان کی وفات ہوئی تھی جس وقت میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔[1] اس خواب کا تعلق دیکھنے والی ذات سے نہیں، بلکہ امام بخاری سے تھا، اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں، اس لیے آپ کے کسی ایسے شخص کے انتظار کرنے کی تعبیر جو زندہ ہو یہی تھی کہ وہ وفات پانے والا ہے اور فعلاً ہوا بھی یہی کہ جس وقت طوادیسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اسی وقت امام بخاری کی وفات ہوئی، جیسا کہ خواب دیکھنے والے نے تصریح کی ہے۔ یہ تو مذکورہ خواب کی تعبیر کا ایک رُخ تھا اس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس سے امام بخاری کی فضیلت، ان کی خدمت حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور ان سے آپ کی محبت اور تعلق خاطر پر بھی بھرپور دلالت ہوتی ہے۔ ۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے سے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ((مَنْ رَآنِیْ)) جس نے مجھے دیکھا کہ تعبیر فرمائی ہے اور یہ بتانا تحصیل حاصل ہے کہ "مجھے" کا لفظ بتاکید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھنے پر دلالت کرتا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کسی اور شخص کے داخل ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش

[1]سیر اعلام النبلاء، ص: ۳۲۱، ج: ۱۰۔ فتح الباری: ۲۵۳، ج:۱.

نہیں ہے، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا تو مختلف شکلیں رکھتے تھے یا آپ کی شکل اور ہیئت ایک ہی تھی، مگر آپ کو مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت تھی، تو یہ دونوں مفروضے باطل اور بیمار ذہنیتوں کی پیداوار ہیں اور بکثرت صحابہ کرام سے نہایت اہتمام کے ساتھ آپ کے شمائل کریمہ اور حلیۂ شریفہ کا بیان اس امر پر پوری قطعیت اور یقین کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی شکل، ہیئت اور حلیہ رکھتے تھے اور اپنی بشریت کے بموجب مختلف شکلیں اختیار کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے سے متعلق حدیثوں کو بیان کرنے سے قبل میں نے یہ وضاحت کر دینا اس لیے ضروری سمجھا کہ اس اُمت سے نسبت کا دعویٰ کرنے والی ایک جماعت میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بہت دعوے کیے جاتے ہیں، بلکہ اس جماعت کے ائمہ نے یہ خواب دیکھنے میں مدد دینے والی ایک جھوٹی نماز اور اس نماز کی فضیلت بیان کرنے والی جھوٹی روایتیں بھی گھڑ ڈالی ہیں وہیں، ان صوفی بزرگوں کے تذکروں میں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں

مختلف شکلوں میں دیکھنے کے واقعات بھی بیان کیے گئے، بلکہ جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں بزبانِ سائل یہ ذکر آچکا ہے کہ حاجی امداد اللہ نے ''روضہ'' میں مراقبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صوفی بزرگ'' میانجیو'' کی صورت میں اپنی قبر مبارک سے نکلے اور ان کے سر پر عمامہ باندھا؟!!

مذکورہ واقعہ کا جھوٹا ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ اس کو سچا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ جسم وروح کے ساتھ اپنی قبر مبارک سے باہر نکلتے ہیں، بلکہ دوسروں کی شکلوں میں بھی نکلتے ہیں اور یہ دونوں دعوے کتاب وسنت کی کسی دلیل سے عاری ہونے کے علاوہ قرآن وحدیث کی ان صراحتوں کے خلاف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور جو لوگ وفات پاچکے ہیں، چاہے وہ انبیاء ہوں، اولیاء ہوں، شہداء ہوں یا عامۃ الناس ان میں سے کوئی بھی قیامت تک اپنی قبر سے نہیں نکلے گا، یہ حکم عام ہے جو تمام انسانوں سے شامل ہے اس سے نہ تو مومنین مستثنیٰ ہیں اور نہ کفار ومشرکین، نہ انبیاء، نہ اولیاء اور شہدا مستثنیٰ ہیں اور نہ عامۃ الناس۔ رسو

ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پاجانے کی ایک سے زیادہ دلیلیں خود قرآن پاک میں موجود ہیں اور اپنے مدعا میں اس قدر واضح ہیں کہ ان کا انکار یا ان کی تاویل مکابرہ ہے۔ غزوۂ احد میں جب دشمنوں نے یہ افواہ پھیلادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں تو مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ اس موقع پر سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''محمد تو محض ایک رسول ہیں، اس سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیا جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ اپنے شکر گزاروں کو ضرور بدلہ دے گا۔'' اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کیجیے جس کو ''اسلوب قصر'' کہتے ہیں۔ قصر کے معنی ہیں: کسی چیز کو کسی چیز تک محدود کر دینا، آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہونے تک محدود کر دیا ہے، بایں معنی کہ آپ صرف رسول ہیں رسول کے سوا کچھ نہیں ہیں، یعنی رسول ہونے کی وجہ سے آپ الوہیت اور ربوبیت سے موصوف نہیں ہوگئے اور نہ رسالت سے سرفراز کیے جانے کی وجہ سے آپ کو دائمی زندگی حاصل ہوگئی ہے، بلکہ اس کے برعکس گزشتہ رسولوں کی طرح آپ کو بھی اس دنیا سے جانا ہے، چاہے یہ طبعی موت کے ذریعہ ہو یا قتل کے ذریعہ، لہٰذا اے مومنو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی رسالت ونبوت کی بنیاد پر اس سے زیادہ اونچا مقام دینے کی کوشش مت کرو، جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سرفراز کر دیا ہے اور آپ کا بحیثیت رسول ونبی یہ مقام بلند اس امر کو قطعاً مستلزم نہیں ہے کہ آپ موت سے محفوظ ہوگئے ہیں۔ کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپہ آزار تھے، ان کی خواہش، سازش اور کوشش سبھی یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گلو خلاصی ہو جائے اور وہ چین کی بانسری بجائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل دو آیتیں نازل فرمائیں:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (34) كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴾ (الانبیاء: ۳۴، ۳۵)

"اے نبی! ہم نے تو تم سے پہلے کسی بھی انسان کے لیے دائمی زندگی نہیں بنائی ہے، اب اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے، ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برُے حالات میں ڈال کر تمہیں آزمار ہے ہیں، آخر تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔" مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی جیسا کہ یہ اہل کفر و شرک تمنا کر رہے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے تو کوئی بھی نہیں آیا ہے، چاہے وہ رسول ہو یا عام انسان موت تو لازمۂ بشریت ہے اور خیر و شر تو درحقیقت آزمائش کی شکلیں ہیں اور بالآخر سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، جہاں ہر انسان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے توحید و شرک اور دونوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴾ (الزمر: ۳۰)

"اے نبی! درحقیقت تم بھی مرنے والے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔"

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیتوں کی جو واقعاتی تفسیر احادیث میں بیان ہوئی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے والے مسئلے میں بیان قاطع ہے۔ میں رسول اکرم" فداہ ابی وامی" صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ جانکاہ کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس دوٹوک اور واضح اعلان کو نقل کرنے سے قبل کہ آپ کی وفات ہو گئی اس صدمہ کی تاثیر کو مختصراً بیان کر دینا چاہتا ہوں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خصوصاً دوچار ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بے مثال اور والہانہ محبت تھی اور ان کے دلوں میں آپ کی عظمت و تقدس کا جو احساس تھا اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملتے ہی ان کے ہوش وحواس اُڑ گئے، اور ان کا پورا وجود دہل کر رہ گیا۔ ان کو یہ بات تو معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور موت لازمۂ بشریت ہے، مگر یہ عقائدی اور نظریاتی بات تھی، بایں معنی کہ ان کے ذہن و دماغ اس وقت کے تصور سے خالی تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں نہیں ہوں گے، اس طرح جب وہ وقت آ گیا کہ ان کی جان سے زیادہ محبوب اور عزیز ہستی ان سے جدا ہو گئی، اور وہ زبانِ مبارک خاموش ہو گئی جس سے وہ وحی الٰہی سنتے تھے تو ان کا پورا وجود لرز گیا اور پوری دنیا ان کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی، اور بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ: "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تھے اس دن اس کی ہر چیز روشن اور منور ہو گئی تھی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن مدینہ کی ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی اور ابھی ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے پہلے اپنے ہاتھ ہی جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو ایک دوسرے سے بیگانہ پایا۔" [1] [1]ابن ماجہ: ۱۶۵۴۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری، ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو غیر معمولی اور والہانہ محبت و تعلق خاطر تھا وہ اس دل ہلا دینے والا صدمہ کو برداشت کرنے سے جواب دے گیا۔ بلاشبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی

سے نہیں، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، مگر انہوں نے نورِ نبوت سے جو منفرد کسب فیض کیا تھا اس کی وجہ سے ان کے اندر صدمات کو برداشت کر لینے کی قوت بھی سب سے زیادہ تھی اور شدید سے شدید آزمائشوں میں بھی ان کے اوسان خطا نہیں کرتے تھے۔ وہ جسمانی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کمزور تھے، مگر شجاعت و بہادری اور قوت تحمل میں ان پر فوقیت رکھتے تھے۔ تاریخ کے سینے میں ان کی اس انفرادیت کے بہت سے واقعات محفوظ ہیں جن میں سب سے نمایاں اور سب سے منفرد وہ عظیم کردار اور غیر معمولی طرزِ عمل ہے جس کا اظہار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر کیا۔ چنانچہ سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنی خالہ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ '' سنح'' میں تھے اور عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ '' اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی ہے۔''ام المؤمنین نے فرمایا:'' عمر نے بعد میں بتایا کہ '' میرے دل میں یہی خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس حالتِ غنودگی سے یقینا بیدار کرے گا، اور آپ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو آپ کو مردہ سمجھ رہے ہیں یا منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔'' [1]

اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور کسی سے بات کیے بغیر سیدھے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور سے چادر ہٹائی، آپ کا بوسہ لیا اور فرمایا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! کس قدر پاکیزہ ہیں آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں۔'' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا اور جو موت آپ کے لیے لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو مل گئی۔'' اس کے بعد وہ حجرے سے باہر نکلے اور دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں، انہوں نے ان سے کہا: بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا، دوبارہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ عمر نے پھر انکار کر دیا۔ اب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے صرف نظر کرتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھا۔ لوگ عمر کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہایت دوٹوک اور شک و تردد سے پاک الفاظ میں فرمایا:
((أما بعد، فمن كان منكم يعبد محمدًا قد مات و من كان يعبد الله فان الله حي لا يموت۔))

''امابعد، تم میں سے جو محمد کی عبادت کر رہا تھا( وہ جان لے کہ) درحقیقت محمد وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کر رہا تھا( اسے یہ معلوم رہے کہ) یقینا اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔'' اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سورۂ زمر کی آیت نمبر ۳۰،﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ اور سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾ کی تلاوت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آل عمران کی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو مجھ پر سکتہ چھا گیا اور میرے پاؤں میرا بوجھ سہنے کے قابل نہ رہے، اور میں زمین پر گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔'' ''اُدھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال ہو گیا کہ وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔''[1]

دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر اپنے طرزِ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے اُمید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے اور ہم سب کے آخر میں

[1]بخاری: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۴۴۵۲، ۴۴۵۴، ۴۴۵۳.

انتقال فرمائیں گے۔" [1] اسی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کل میں نے تم لوگوں سے ایک بات کہی تھی جو اس طرح نہیں تھی جیسی میں نے کہی تھی۔ اللہ کی قسم! میں نے تم لوگوں سے جو بات کہی تھی وہ نہ مجھے اللہ کی کتاب میں ملی تھی، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم میں، بلکہ مجھے یہ اُمید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے...!!" [2]

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کر رہا تھا...... " تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ نعوذ باللہ! مسلمانوں میں کوئی ایسا بھی تھا جو آپ کی عبادت اور پرستش کر رہا تھا، بلکہ یہ اُصولی فرمان تھا کہ رسول یا نبی معبود نہیں ہے کہ اس کو دائمی زندگی حاصل ہو یہ تو صرف معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ در حقیقت ویسا ہی ہے جیسا اللہ کا ارشاد اپنے محبوب بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ﴾ (الاحزاب:۱)

"اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔"

((من رآني في المنام فقد رآني، فأني أُرى في كل صورة۔))

"جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ میں ہر شکل میں دیکھا جاتا ہوں۔" حافظ ابن حجر نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اس کی سند میں صالح مولیٰ التوأمہ شامل ہے جو ذہنی توازن بگڑ جانے کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ حدیث اس سے جس نے سنی ہے ذہنی توازن بگڑ جانے کے بعد سنی ہے۔" [1]

مذکورہ حدیث کی سند کے ایک راوی صالح مولیٰ التوأمہ کے ضعیف ہونے کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں جو کچھ لکھا ہے وہ ناکافی ہے، کیونکہ اس کے ضعیف اور ساقط الاعتبار ہونے کا صرف یہی سبب نہیں تھا کہ وہ بڑھاپے میں اپنا ذہنی توازن کھو چکا تھا اور صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل نہیں رہا تھا، بلکہ ائمہ جرح و تعدیل کی اکثریت نے اس کو غیر ثقہ قرار دیا ہے اور جن ائمہ نے اس کے مخبوط الحواس اور یاوہ گوئی سے موصوف ہونے سے قبل کے اس کے حالات لکھے ہیں انہوں نے بھی اس کو ثقاہت کی صرف ایک معمولی صفت "صدوق" سے موصوف کیا ہے اور ذہنی توازن بگڑ جانے کے بعد اس کو متروک، غیر ثقہ اور منکر وغیرہ جیسی صفات سے موصوف کیا ہے۔[2] [1]

ص: ۳۱۲۳. [2] ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال، ص: ۴۱۷،۴۱۵۔ ج:۳۔ التاریخ الکبیر، ص: ۲۹۱، ج۴۔ الجرح والتعدیل: ۱۸۳۰، ج:۴.

لہٰذا اس کی روایت کردہ حدیث ابن عباس اور ابن سیرین کے اقوال کے مقابلے میں قابل استدلال نہیں ہے، کیونکہ یہ اقوال اپنے قائلین کی جلالت شان سے قطع نظر ایک بدیہی حقیقت کے ترجمان ہیں، کیونکہ کسی انسان کی شکل اور اس کا حلیہ ہی اس کی حقیقی پہچان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے باب کے تحت پہلی حدیث درج کرنے کے بعد امام ابن سیرین کا قول نقل کرکے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہی ان کا بھی خیال ہے۔

## حدیث کی تشریح

جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو خواب میں دیکھتا ہے، چاہے خواب میں دیکھا جانے والا زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو تو اس شخص کے حقیقی وجود اور حقیقی ہستی کو نہیں، بلکہ اس کے مثیل اور شبیہ کو دیکھتا ہے۔ اس تناظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

((من رآني في المنام)) "جس نے مجھے خواب میں دیکھا یا جو مجھے خواب میں دیکھے گا۔" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس نے خواب میں میرے ہم شکل، یا شبیہ یا مثیل کو دیکھا یا دیکھے گا، اس لیے کہ قرآن وحدیث کی تصریحات پر مبنی یہ مسلمہ اسلامی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور آپ کا جسم اطہر قبر مبارک میں مدفون ہے اور روح پاک " رفیق اعلیٰ" میں ہے اور صحیح احادیث کے مطابق قیامت کے دن سب سے پہلے آپ کی قبر مبارک پھٹے گی اور آپ اس سے باہر نکلیں گے۔[1] قیامت کی آمد سے پہلے قبر مبارک سے آپ کا نکلنا، لوگوں کے خوابوں میں آنا یا مراقبوں کے نتیجے میں جسم وروح کے ساتھ لوگوں کو اپنی رؤیت یا ملاقات سے نوازنا ناممکنات میں سے ہے۔

رہیں وہ احادیث جن میں آپ کو سلام کرنے کے موقع پر آپ کے جسم مبارک میں آپ کی روح پاک کے لوٹانے کی خبر دی گئی ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دیں تو یہ احادیث نہ تو آپ کے وفات پا جانے کے عقیدے کے خلاف ہیں اور نہ ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ

[1] مسلم: ۲۲۷۸، ۵۹۴۰.

جسم وروح کے مابین اس تعلق سے آپ کو وہ دنیوی زندگی حاصل ہو جاتی ہے جو وفات سے قبل حاصل تھی، بلکہ یہ آپ کی برزخی زندگی ہی کی کیفیتوں میں سے ایک کیفیت ہے۔ اس بات کو ان احادیث سے سمجھا جا سکتا ہے جن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ "میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد منکر نکیر کی آمد کے موقع پر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔"[1] تو میت کے جسم میں اس کی روح واپس کر دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کو مرنے سے پہلے دنیا کی جو زندگی حاصل تھی وہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ جسم وروح میں اس تعلق کے باوجود بھی کوئی انسان عالم برزخ سے نکل کر اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتا، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے "شہادت" پانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر دے تاکہ تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((إنه قد سبق منی أنهم لا یرجعون۔))

"یہ تو میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ ( مر جانے والے ) دنیا میں واپس نہیں جائیں گے۔"[2]

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء کو بھی جو زندگی حاصل ہے وہ سراسر برزخی زندگی ہے دنیوی زندگی نہیں ہے، ورنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں واپسی کی درخواست نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے اٹل فیصلے کی خبر نہ دیتا۔ قبر میں میت اور منکر نکیر کے مابین سوال و جواب سے بھی اسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ میت کے جسم میں روح کی واپسی اس کو دنیا کی زندگی نہیں دے دیتی، کیونکہ اگر اس سے دنیوی زندگی حاصل ہو جاتی تو انسان منکر نکیر کو دیکھتے، ان کے سوالوں کو سمجھنے اور ان کو جواب

[1]مسند امام احمد: ۱۸۷۳۳، ۳۴، ۱۶، ۱۸۸۱۵، ۳۵، ۱۸۸۲۸. [2] ترمذی: ۳۰۱۰۔ ابن ماجه: ۱۸۷، ۲۸۵۰.

دینے سے عاجز ہوتے، کیونکہ بشریت وملکیت کی خاصیتیں ایک کو دوسری سے ملنے، دیکھنے اور سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے نہ کہ اپنی ذاتی استعداد واہلیت سے فرشتوں کو ان کی اصل شکلوں میں دیکھنے اور ان کی باتیں سننے اور سمجھنے پر قدرت رکھتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے والا آپ کے شبیہ یا مثیل کو دیکھتا ہے، آپ کی حقیقی ہستی کو نہیں دیکھتا، بایں معنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر قبر مبارک ہی میں رہتا ہے اور روح پاک " رفیق اعلیٰ " میں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی حقیقی اور اصلی شکل میں "مثل" کر کے خواب دیکھنے والے خوش نصیب کو دکھاتا ہے اور چونکہ شیطان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت اور مماثلت اختیار کرنے سے عاجز ہے، اس لیے جو شخص خواب میں آپ کو آپ ہی کی شکل میں دیکھتا ہے اس کا خواب سچا، برحق اور صحیح ہے خواب پریشاں نہیں ہے۔ حدیث کا دوسرا فقرہ: ((فَسَيَرَانِیْ فِي الْيَقْظَةِ۔)) "وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا۔" احادیث میں تین طرح کی تعبیروں میں آیا ہے: یعنی اس کے علاوہ اس کی مزید دو تعبیریں بھی آتی ہیں: ((فَكَاَنَّمَا رَآنِیْ فِي الْيَقْظَةِ)) "گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔" ((فَقَدْ رَآنِیْ فِي الْيَقْظَةِ)) "درحقیقت اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔"[1]

حدیث کے فقرہ ((فَسَيَرَانِیْ فِي الْيَقْظَةِ)) کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں اور دونوں معقول لگتے ہیں۔ پہلا مفہوم یہ ہے کہ جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ اس کی تعبیر بھی دیکھے گا، کیونکہ یہ خواب حق ہے اور اس کے ذریعہ غیب کی بات خواب دیکھنے والے کو دکھائی گئی ہے، اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہم عصر ہے جو آپ پر ایمان تو لایا مگر آپ کو دیکھنے کی سعادت نہیں حاصل کر سکا تو ایسا شخص اگر یہ خواب دیکھے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو وہ بیداری میں آپ کو دیکھے گا، یعنی اگر مکہ میں ہے تو ہجرت کرے گا اور آپ کی رؤیت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔[2]

[1]فتح الباری، ص: ۳۱۲۳، ج: ۳. [2] المنهاج، ص: ۱۴۰۸.

دوسری تعبیر ((فَكَأَنَّمَا رَآنِيْ فِي الْيَقْظَةِ)) "گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔" کا مطلب یہ ہے کہ " اگر وہ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو خواب میں آپ کو دیکھنے کے مطابق پاتا۔" دوسرے لفظوں میں بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت برحق اور حقیقی دونوں ہوتی اور خواب میں آپ کی رؤیت برحق اور تمثیل ہوتی۔ تیسری تعبیر ((فَقَدْ رَآنِيْ فِي الْيَقْظَةِ)) "درحقیقت اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔" کا مطلب یہ ہے کہ خواب میں مجھے دیکھنا اسی طرح برحق ہے جس طرح بیداری میں دیکھنا، یعنی حق وصدق ہونے اور شیطانی خیال آرائی سے پاک ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا بیداری میں دیکھنے کی طرح ہے، البتہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت ایمان بیداری میں دیکھنے والا صحابی تھا اور صحابہ کی جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد مسلمانوں کی سب سے افضل اور مقدس تھی۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا بشارت وخوش خبری بھی ہو سکتا ہے، اور کسی برائی سے ڈرانا اور خبردار کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ میں مروی اس زیر بحث حدیث کا فقرہ ((وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِيْ)) "شیطان میری مثال نہیں اختیار کر سکتا۔" متعدد الفاظ میں مروی ہے اور ساری تعبیر میں اس نقطہ پر مرکز ہیں کہ شیطانی ظاہر وباطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت اختیار کرنے سے کلی طور پر عاجز بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح احادیث میں بیان کردہ اوصاف اور حلیہ کے مطابق دیکھے تو اس نے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ رہی اس کی تعبیر تو اس وضع اور حالت کے اعتبار سے اس کی تعبیر مختلف ہوگی جس میں خواب دیکھنے والے نے آپ کو دیکھا ہے۔

ا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے باب کے تحت امام بخاری پانچ حدیثیں لائے ہیں، جن میں سے چار حدیثوں کی روایت میں امام مسلم ان کے ساتھ شریک ہیں، البتہ پانچویں حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔ دوسری حدیث حسب ذیل ہے:

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((من رآنی فی المنام فقد رآنی، فان الشیطان لا یتخیل بی ورؤیا المؤمن جزء من ستة و أربعین جزءًا من النبوة۔))

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا درحقیقت اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میرا خیال اور تصور نہیں قائم کر سکتا، اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔"[1]

اس حدیث کا مطلب بھی سابقہ حدیث کی طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے والا آپ ہی کو دیکھتا ہے، اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں حاصل ہے کہ وہ آپ کی شکل اختیار کر کے کسی کے خواب میں آئے۔ اس حدیث میں مومن کے خواب کو نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خواب دیکھنے والے کو نبوت حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ کسی چیز کا کوئی ایک حصہ اس چیز سے عبارت نہیں ہوتا جس طرح نماز کا کوئی ایک عمل، مثلاً: قیام یا رکوع یا سجدہ نماز نہیں ہے، لہٰذا مومن کے خواب کا نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ " نبوت کی طرح مومن کا خواب بھی حق وصدق ہے۔" حدیث میں مومن کے خواب کو نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا گیا ہے، رسالت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ نہیں۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خواب شرعی ماخذ نہیں ہے اور جس طرح رسول اپنے اوپر نازل ہونے والے شرعی حکم کی تبلیغ کا مکلف ہوتا ہے اس طرح خواب دیکھنے والا مومن خواب میں دیکھی جانے والی چیز کی

تبلیغ کامکلف نہیں ہوتا اور اس کے یادوسرے کے اوپر اس خواب سے کوئی شرعی حکم مترتب نہیں ہوتا، اس کی حیثیت صرف کسی خیر کی بشارت یا کسی شر اور برائی سے خبر دار کرنے یا احتراز برتنے کی ہوتی ہے۔ صحیحین کی روایت کردہ بقیہ تین حدیثوں میں بھی معمولی سے لفظی اختلافات کے ساتھ

[1]بخاری: ۶۹۹۴۔ مسلم: ۲۲۶۴.

یہی مضمون بیان ہوا ہے، چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے(۶۹۹۶)... ((مَنْ رَآنِيْ فَقَدْ رَأَ الْحَقَّ)) "جس نے مجھے دیکھا اس نے برحق خواب دیکھا۔" یعنی اس میں شیطان کی خیال آرائی نہیں شامل ہے یا وہ شیطان کی خیال آرائی سے پاک ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث (۶۹۹۷) میں بھی یہی تعبیر آئی ہے، اور حدیث نمبر ۶۹۹۵ میں جو قتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے صرف رؤیا صالحہ اور حکم کا ذکر ہے۔ البتہ شیطان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کرنے کی نفی دوسرے الفاظ میں کی گئی ہے، مثال کے طور پر قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے: ((وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَرَاءَىٰ بِيْ)) "درحقیقت شیطان میری طرح نہیں نظر آسکتا" اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ((فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِيْ)) "شیطان میری طرح نہیں ہو سکتا۔" واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل، صورت اور حلیہ اختیار کرنے پر شیطان کی عدم قدرت کو مختلف الفاظ میں بیان کرنے سے جہاں یہ یقین دہانی کرانی مقصود ہے کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا آپ ہی کو دیکھتا ہے وہیں یہ بتانا مقصود ہے کہ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا وہی شمار ہو گا جس نے صحیح احادیث سے ثابت آپ کی شکل، اور حلیہ میں آپ کو دیکھا ہو، کیونکہ کسی اور انسان کو خواب میں دیکھنا کسی بھی اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا نہیں ہے، البتہ اگر کسی انسان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسی ہیئت یا لباس میں دیکھا ہو جس کا ذکر صحیح احادیث میں نہیں آیا ہے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، لیکن اس کا خواب صحیح ہے اور وہ خواب دیکھنے والے کے دین وعقیدے اور سلوک میں بگاڑ اور خرابی پر دلالت کرتا ہے یا اس طرح کے خواب سے اس کو کسی برائی یا انحراف یا مصیبت سے خبر دار کرنا ہے۔ میں نے مذکورہ بالا صفحات میں بامعنی خوابوں، اور خوابہائے پریشاں، خوابوں کی تعبیر، انبیاء علیہم السلام کے خوابوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی حقیقت کے بارے میں یقینی اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ جو تفصیلات پیش کر دی ہیں اور قرآن وحدیث کی واضح اور دوٹوک تعلیمات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے اور قبر مبارک سے آپ کے باہر نکلنے کے عدم امکان کو جن دلائل سے مدلل کر کے ثابت کیا ہے اس کے بعد تو اس بحث کو لپیٹ دینا ہی بہتر تھا، مگر چونکہ صوفیا کے مراقبے اپنے نتائج کے اعتبار سے بے حد گمراہ کن ہوتے ہیں اور مضمون کے آغاز میں میں نے مضمون کے آخر میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کا وعدہ کیا تھا، لہٰذا ضرورت ہے کہ دوسرے چند مراقبوں کی مثالیں دے کر اس صوفیانہ "یوگا" کے گمراہ کن نتائج کو بیان کر دوں اور ان عوامل اور محرکات کی طرف بھی اشارہ کر دوں جو صوفیانہ مراقبوں کے پیچھے کارفرما ہیں، مگر اس سے پہلے صوفیا کے حلقوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی کثرت کے اسباب کا ذکر کر دینا چاہتا۔

## علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاں انسان کو کفر وشرک سے اجتناب کا حکم دیا وہاں یہ بھی بتلا دیا کہ صرف اسی کی ذاتِ عالی ہی "عالم الغیوب" ہے اس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے علاوہ مطلقاً علم غیب کسی اور کے پاس بھی ہے تو بلاشبہ وہ منکر توحید اور منکر قرآن ہے۔ اللہ نے اپنے علم غیب میں سے جتنا چاہا اپنے نبیوں کو مطلع فرما دیا۔ چنانچہ انبیاء بھی مطلقاً عالم الغیوب نہیں ہیں کیونکہ جو چیز کسی کو بتا دی جائے وہ "غیب" نہیں بلکہ بتائی ہوئی چیز کہلاتی ہے۔ کیونکہ پیغمبر بھی اگر مطلقاً عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

## زمین و آسمان کا غیب اللہ ہی جانتا ہے

﴿قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ (البقرة 2: 33)

"اللہ نے کہا: اے آدم! تو انھیں ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔"

## اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سکھایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے

﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾(النسآء 4:113)

"اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے۔"

## کہہ دیجیے: "میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں"

﴿قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (الانعام 6: 50)

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔"

## " اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا..."

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّـهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ﴾ (الاعراف 7: 188)

”کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔“

## اللہ غیب کی تمام باتوں سے خوب باخبر ہے

﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّـهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّـهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴾ (التوبة 9: 78)

”کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ان کے بھیدوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اور بے شک اللہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔“

## غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے

﴿وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّـهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴾ (یونس 10: 20)

”اور وہ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ تو آپ کہہ دیجیے: یقینا غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے، پھر تم انتظار کرو، بے شک میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

## زمین و آسمان کا غیب اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿ وَلِلَّـهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ ﴾(ہود 11:123)

”اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔“

## اللہ ہی غیب دان ہے

﴿وَلِلَّـهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ﴾ (النحل 16: 77)

”اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا غیب ہے اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر۔“

## اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النمل 27: 65)

"کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب (کی بات) نہیں جانتا اور وہ (خود ساختہ معبود) تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے۔"

## پانچ اہم باتیں جن کا یقینی علم صرف اللہ کے پاس ہے

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان 31: 34)

"بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو (ماؤں کے) پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب باخبر ہے۔"

## اللہ اپنے پیغمبر کو بعض اُمورِ غیب سے مطلع کر دیتا ہے

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾ (الجن 72:26، 27)

"(وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے، پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے نگہبان لگا دیتا ہے۔"

# توکل

جب اللہ عزوجل ہی کے پاس ہر چیز کا اختیار ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ توکل بھی صرف اسی کی ذات پر کیا جائے گا۔ ہمیں قرآن مجید میں صاف الفاظ میں اللہ پر توکل کرنے کا درس ملتا ہے۔

## "ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے"

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (العمران 3: 173)

”انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“

## ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے

﴿وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(المآئدة 5:11)

”اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔“

## رسولوں کا اللہ ہی پر توکل ہوتا ہے

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّـهَ يَمُنُّ عَلَىٰ

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے

مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّـهِ ۚ وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّـهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ (ابراہیم 14: 11،12)

چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے۔ اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم تمھارے پاس کوئی نشانی (یا دلیل) لا سکیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اور ہمارے پاس کیا عذر ہے کہ ہم اللہ پر توکل نہ کریں، جبکہ وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے؟ اور ہم ان ایذاؤں پر ضرور صبر کریں گے جو تم ہمیں دیتے ہو۔ اور پس توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔“

## اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ

﴿وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلً﴾(بنیٓ إسرآءیل 17:2)

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور انھیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ۔“

## اللہ پر توکل کیجیے، اللہ بطورِ کارساز کافی ہے

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّـهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّـهِ وَكِيلًا﴾(الأحزاب 33:3)

"اور آپ اللہ پر توکل کیجیے اور اللہ بطور کارساز کافی ہے۔"

**لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کریں**

﴿اللَّـهُ لَا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(التغابن 64:13)

"اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اور پس لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کریں۔"

**جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے**

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّـهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (الطلاق 65:3)

"اور وہ اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔"

## کارساز اللہ ہے۔ پیشوا، علماء، درویش
## اور فوت شدہ ہستیاں کوئی اختیار نہیں رکھتیں

آج کل شیطان بڑے تکنیکی طریقے سے بہت سے مسلمانوں سے شرک جیسا عظیم گناہ کرا رہا ہے کیونکہ اس عمل کو وہ شرک کرنے والوں کے سامنے آراستہ کر کے دکھا رہا ہے، چنانچہ وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ بڑا نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے گروہ فوت شدہ ہستیوں کو پکارنے اور ان کی قبروں کو پوجنے کے علاوہ بہت سے شرکیہ اعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسی طرح آج کل بہت سے لوگ روحانی پیشواؤں، پیروں، عاملوں، علماء اور درویش شخصیتوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور شرعی مسئلوں میں کسی چیز کے جائز یا ناجائز / حلال یا حرام ہونے کے بارے میں ان کی رائے کو اس قدر مستند اور معتبر سمجھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے واضح احکام کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ عمل سراسر گمراہی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ قرار دی گئی ہے۔ اس لیے ہر عمل سے پہلے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ آیا یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا کرنے کا حکم دیا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، یہ تینوں صورتیں مومن کے لیے قابل اتباع ہیں۔ شریعت کے معاملہ میں ان سے باہر کوئی عمل چاہے وہ کتنا ہی خوشنما ہو دین میں ایجادِ بندہ، یعنی "بدعت" شمار کیا جائے گا۔ **جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے ویسی کسی اور سے کرنا شرک ہے**

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ (البقرة 2: 165،166)

''اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا، دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت (کرنی چاہیے) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ) بے شک ساری کی ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ شدید عذاب والا ہے۔ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بیزار ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے تمام تعلقات کٹ جائیں گے۔''

## اپنے علماء، درویشوں اور پیروں فقیروں کو رب بنانے والے مشرک ہیں

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی)، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اپنا نور پورا کرے، خواہ کافروں کو برا ہی لگے۔ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو

كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (التوبة 9: 31-34)

ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ مشرکین کو برا ہی لگے۔ اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔''

## جو لوگ مر گئے وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ (النحل 16: 20،21)

"اور لوگ جنھیں اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز تخلیق نہیں کرتے، جبکہ وہ خود تخلیق کیے گئے ہیں (وہ) مردے ہیں، زندہ نہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔" **مشرکوں کے خود ساختہ شریکوں کا دین، اللہ کے حکم کے برعکس ہے**

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (الشوریٰ 42: 21)

"کیا ان کے لیے (اللہ کے سوا) شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟ اور اگر (وعدے کے دن) فیصلہ کرنے کی بات نہ ہوتی، تو ان کے درمیان یقیناً (فوراً ہی) فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ ظالم لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

## وسیلہ

وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ "اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو" اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال اختیار کرو جن سے تمھیں اللہ کی رضا اور قرب حاصل ہو جائے۔ شرعی وسیلے تین ہیں۔

1 اللہ تعالیٰ کے متبرک صفاتی ناموں کا وسیلہ

2 ایمان و اعمال صالحہ کا وسیلہ

3 کسی زندہ نیک شخص یا بزرگ سے دعا کرانے کا وسیلہ

اُس "مقامِ محمود" کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا جائے گا۔ لیکن گمراہوں نے حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔

### اللہ کا وسیلہ تلاش کرنے کا حکم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المآئدة 5:35)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

### مشرکین جن لوگوں کو پکارتے ہیں وہ خود اللہ کا وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ

"جنھیں یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے

إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ (بنی اسرائیل 17: 57)

رب تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون (اللہ سے) قریب تر (ہو سکتا) ہے، اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"

## شفاعت

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں، یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں اور مُرشدوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں، اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ وہی تھا جو آج کل کے گمراہوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور ہمیں بخشوا کر ہی اٹھیں گے۔

شفاعت بے شک ہو گی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنھیں اللہ اجازت دے گا اور وہ صرف اُسی بندے کے لیے شفاعت کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اللہ اپنے نافرمان بندوں کے لیے اجازت نہیں دے گا۔ یہ اجازت اہل ایمان و توحید میں سے ان لوگوں کے لیے ہو گی جو گنہگار ہوں گے۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیا و رسل بھی اور شہداء و صالحین بھی مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہو گا بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ تو خود اللہ کے خوف سے لرز رہے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں میں سے کچھ لوگوں کو بغیر سفارش کے محض اپنی رحمت اور فضلِ خاص سے جہنم سے نکال لے گا۔ یہود کو یہ دھوکا بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لیے مؤاخذہ آخرت سے محفوظ رہیں گے جبکہ وہاں تو اللہ کے نافرمانوں کو کوئی بھی سہارا نہیں دے سکے گا۔ اسی فریب میں اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مبتلا ہے۔ بہت سے لوگوں نے "شفاعت" کو اپنی بد عملی کا جواز بنا رکھا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا اور جہنم کی سزا بھگتنے والے بہت سے گنہگاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا مگر کیا جہنم کی یہ چند روزہ سزا قابلِ برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے گناہوں کی زندگی بسر کرتے رہیں؟ ایسی زندگی نہایت ڈھٹائی کی شرمناک زندگی ہوتی ہے۔ حضرت جابرt روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اذان کا (جواب دے) اور پھر اذان ختم ہونے پر یہ دُعا پڑھے اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے:

'اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِي وَعَدْتَّهٗ' (صحيح البخاري، الأذان، باب الدعاء عندالنداء، حديث: 614)

## قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ کوئی سفارش قبول کی جائے گی

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ (البقرۃ 2: 48)

"اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کو کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی عوض لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی۔"

## اللہ کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرۃ 2: 48)

"کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟"

## اپنے سفارشیوں پر مشرکین کا زعم بے کار ہے

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ

"اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جس طرح

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ (الانعام 6: 94)

کہ ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا اور ہم نے تمھیں جو کچھ عطا کیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہمیں تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ بے شک وہ (تمھاری بندگی میں) اللہ کے شریک ہیں۔ ان سے تمھارا تعلق یقیناً ٹوٹ گیا ہے اور وہ تم سے کھو گئے ہیں جنھیں تم (اپنے معبود) خیال کرتے تھے۔"

## مشرکوں کے لیے بخشش مانگنے کی ممانعت

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴾ (التوبة 9: 113،114)

''نبی اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ بلاشبہ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کرنا بس ایک وعدے کے باعث تھا جو وعدہ انھوں نے اس سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ یقیناً وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، بہت تحمل والے تھے۔''

### اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا

﴿مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ (یونس 10: 3)

### مشرکین خود ساختہ معبودوں کو سفارشی سمجھتے ہیں، یہ بہت بڑا مغالطہ ہے

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(یونس 10: 18)

''اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نقصان دیتی ہیں اور نہ نفع دیتی ہیں اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں میں نہیں جانتا اور نہ زمین میں؟ وہ پاک اور بلند ہے ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

### جس نے رحمن (اللہ) سے عہد لے لیا وہی سفارش کرے گا

﴿لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾(مریم 19: 87)

''(اس روز) وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے، سوائے اس کے جس نے رحمن سے عہد لیا۔'' **جسے رحمن اجازت دے اور اس کی بات پسند کرے وہی سفارش کر سکے گا** ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ ( طٰہٰ 20: 109) ''اس دن سفارش کوئی نفع نہ دے گی مگر صرف اس کی جسے رحمن اجازت دے گا اور اس کی بات پسند کرے گا۔'' **فرشتے بھی اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے** ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾( الانبیاء 21: 28) ''اور وہ (فرشتے) صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔''

**جسے اللہ اجازت دے گا اس کی سفارش نافع ہو گی**

﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ

''اور اس کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع دے

أَذِنَ لَه ﴾ گی جسے اللہ اجازت دے گا۔''

**مشرکین کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ ان کے معبود انھیں اللہ کے قریب کر دیں گے**

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾(الزمر 39: 3)

''سنو! خالص اطاعت و بندگی اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں، یقیناً اللہ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

**ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے**

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ﴾ (الزمر 39: 43،44)

''کیا انھوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہہ دیجیے: خواہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہوں (پھر بھی وہ سفارشی ہیں؟) کہہ دیجیے: ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

**'' ''حق'' کی گواہی دینے والے اہلِ علم کی سفارش**

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (الزخرف 43: 86)

''اور وہ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے، سوائے ان کے جنھوں نے حق کی گواہی دی۔ اور وہ علم بھی رکھتے ہیں۔''

**فرشتوں کی سفارش**

﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّـهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ﴾(النجم 53:26)

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی مگر بعد ازاں کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔''

**حضرت نوح اور لوط علیہام السلام اپنی بیویوں کو دوزخ سے نہیں بچا سکے**

﴿ضَرَبَ اللَّـهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّـهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ﴾ (التحریم 66:10)

''کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں، تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی، پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں کچھ کام نہ آئے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔''

**قیامت کے دن وہی کلام کر سکے گا جسے اللہ اجازت دے گا**

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَـٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النباء 78:38)

''جس دن جبریل اور (سب) فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے ہوں گے، اس سے صرف وہی کلام کر سکے گا جسے رحمن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔''

## قُرب قیامت

بحیثیت مسلمان ہمیں اس حقیقت کا ہر آن احساس رہنا چاہیے کہ قیامت قریب آچکی ہے تا کہ ہم غافل نہ رہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں، اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ مخلوقات اور کائنات کا یہ کھیل اب ختم ہونے کو ہے، اس لیے ہمیں اپنی اُخروی زندگی کے لیے جو کچھ بھی کرنا ہے جلد از جلد کر لینا چاہیے اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے چاہئیں۔ قرب قیامت کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث رہنما ہیں: ''آخری زمانے میں خذف، قذف اور مسخ ہو گا۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کب ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی، نیز شراب کو (عملاً) حلال سمجھ لیا جائے گا۔''(المعجم الكبير للطبراني: 6/150، حديث: 5810)

"میری امت کے کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال کرلیں گے۔" (صحیح البخاري، حدیث: 5590)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! میری امت کے کچھ لوگ فخر وغرور اور کھیل تماشے میں رات بسر کریں گے لیکن صبح کے وقت بندر اور سوٴر بنے ہوئے ہوں گے، حرام کو حلال ٹھہرانے، گانے والیوں کے عام ہونے، شراب پینے، سود کھانے اور ریشم پہننے کی وجہ سے۔" (مسند أحمد: 5/329)

"میری امت کے لوگ شراب پئیں گے لیکن اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ ان کی سرپرستی میں باجے بجیں گے، گانے والی گائیں گی، اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسادے گا اور (بعض کو) بندر اور سوٴر بنادے گا۔" (سنن ابن ماجه، الفتن، حدیث: 4020)

سیدنا ابن عباس w کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ رنگ سے اپنے بال رنگیں گے جیسے کبوتروں کے سینے ہوتے ہیں یہ لوگ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔" (سنن أبي داود، الترجل، حدیث: 4212)

**اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے**

﴿ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ﴾ (الانعام 6: 62)

"پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا سچا مالک ہے۔ خبردار! فیصلے کا (سارا) اختیار اسی کو ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔"

**یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، صور پھونکا جائے گا، پھر ہم سب کو اکٹھا کردیں گے**

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ (الکھف 18: 99)

"اور اس روز ہم ان کے کچھ کو چھوڑدیں گے، وہ دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور میں پھونکا جائے گا، پھر ہم ان (سب) کو جمع کریں گے جمع کرنا۔"

**حساب کا وقت قریب ہے**

﴿اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ (الانبیاء 21: 1)

"لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا ہے، جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کررہے ہیں۔"

**قیامت کے قریب ایک باتیں کرنے والا جانور نکلے گا**

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾ (النمل 27: 82)

"اور جب ان پر (قربِ قیامت کے وعدے کی) بات پوری ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، وہ ان سے کلام کرے گا کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔"

**قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں**

﴿فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ﴾ (محمد 47: 18)

"چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے، یقیناً اس کی نشانیاں آچکی ہیں، تو جب قیامت ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کے لیے کہاں ہو گا نصیحت حاصل کرنا۔"

**قیامت قریب آگئی ہے**

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر 54: 1)

"قیامت بہت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔"

**عنقریب ہم تمھارا حساب لیں گے**

﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ﴾ (الرحمن 55: 31)

"اے دو بھاری گروہو! (جن وانس) عنقریب ہم تمھارے (حساب کے) لیے فارغ ہوں گے۔"

**ہم قیامت قریب دیکھتے ہیں**

﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿﴾ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿﴾ مِّنَ

"ایک سائل نے عذاب مانگا جو واقع ہونے والا ہے۔ کافروں پر، کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔ اس اللہ

اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿﴾ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ (المعارج 70: 1۔7)

کی طرف سے جو اونچے درجوں والا ہے۔ فرشتے اور روح (جبریل) اس کی طرف چڑھیں گے ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ تو (اے نبی!) آپ صبر جمیل سے کام لیجیے۔ بے شک وہ (لوگ) اس کو دور دیکھتے ہیں۔ اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔"

### انسان اپنے سارے اعمال دیکھ لے گا

﴿إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا﴾ (النبأ 78: 40)

"بے شک ہم نے تمھیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرادیا ہے، اس دن انسان وہ (سب کچھ) دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہو گا اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔"

## 15 ہدایت اللہ کی طرف سے ہے

آپ جتنی چاہیں تبلیغ کرلیں ہدایت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

### دل ٹیڑھے ہونے سے بچنے کی دُعا

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ﴾ (العمران 3: 8)

"(وہ دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت۔"

### ہدایت پانے والے کے لیے شرحِ صدر کی خوشخبری

﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأنعام 6: 125)

"چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان میں چڑھ رہا ہو، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

### اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سُنا دیتا

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا

''اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنا

لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴾(الأنفال 8:23)

دیتا، اور اگر وہ انھیں سنا دیتا تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔''

**اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لانا ممکن نہیں**

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ (یونس 10: 100)

''اور کسی شخص کے لیے (ممکن) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور وہ (اللہ) ان لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

**ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں بھی نہیں**

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾ (القصص 28: 56)

''(اے نبی!) بے شک جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

**اللہ اپنی راہ میں مشقتیں جھیلنے والوں کے لیے اپنی راہیں کھول دیتا ہے**

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (العنکبوت 29: 69)

'' اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

**آپ مُردوں، اندھوں اور بہروں کو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے**

﴿فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا

"تو(اے نبی!) بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف لا سکتے ہیں، آپ تو صرف انھیں

فَهُم مُّسۡلِمُونَ ﴾ (الروم 30: 52،53)

سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، لہٰذا وہی فرماں بردار ہیں۔"

**قبروں میں مدفون لوگوں کو بھی آپ کچھ نہیں سنا سکتے**

﴿إِنَّ اللَّهَ يُسۡمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسۡمِعٍ مَّن فِي الۡقُبُورِ ﴾ (فاطر 35:22)

"بے شک اللہ جسے چاہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔"

**حد سے بڑھنے والے اور جھوٹے کو ہدایت نہیں ملتی**

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهۡدِي مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ كَذَّابٌ ﴾ (المومن 40: 28)

"یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹا ہو۔"

**اللہ تعالیٰ اپنی خواہشات کو معبود بنا لینے والوں کو ہدایت نہیں دیتا**

﴿أَفَرَأَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلۡمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمۡعِهِ وَقَلۡبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهۡدِيهِ مِن بَعۡدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾ (الجاثية 45: 23)

"کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟"

## عذابِ قبر / عالم برزخ

اگر انسان زمین پر شیطانی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے تو اس کا حشر یہ ہوتا ہے کہ جونہی مرنے کے بعد اُسے دفن کیا جاتا ہے، اس پر اس کے ان کرتوتوں کی پاداش میں عذاب شروع ہو جاتا ہے جو وہ اپنی زندگی میں زمین کے اوپر رہ کر کرتا رہا۔ خیال رہے کہ قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے، یہ دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے پہلے ایک درمیانی زندگی ہے، اس بیچ والی زندگی کا آغاز انسان کی موت کے

بعد ہوتا ہے۔ یہ زندگی قیامت آنے تک جاری رہے گی۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے۔ چاہے مرنے والے کو کسی درندے نے کھالیا ہو، یا اس کی لاش سمندر کی موجوں میں ڈوب گئی ہو یا اُسے جلا کر راکھ بنادیا گیا ہو یا قبر میں دفنادیا گیا ہو، یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

**آج تمھیں ذلت کی سزادی جائے گی**

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ (الانعام 6: 93)

"اور کاش! آپ ظالموں کو اس حال میں دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں بدلے میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں گھڑتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر تکبر کرتے تھے۔"

**برزخ**

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومنون 23: 99،100)

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے پاس موت آئے گی تو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے پھر واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس (دنیا) میں، جسے میں چھوڑ آیا ہوں، نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ ایک بات ہے جو وہ کہنے والا ہے اور ان کے آگے پردہ ہے اس دن تک جب وہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔"

**آلِ فرعون کو صبح وشام آگ کا عذاب ہوتا ہے**

﴿فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا ۖ وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المومن 40: 45،46)

"پھر انھوں نے جو مکر وفریب کیا تھا، اللہ نے اس کی برائیوں سے اس (ایمان دار) کو بچالیا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ (وہ دوزخ کی) آگ ہے جس پر انھیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا:) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔"

## مہلت

قیامت تک کے انسانوں اور جنوں کے لیے ان کی موت تک ہی مہلت دی گئی ہے تاکہ وہ دنیا کے اس کمرۂ امتحان میں وقت ختم ہونے کی گھنٹی بجنے سے پہلے اپنی کامیابی کے لیے جتنے سوال حل کرسکتے ہیں، کرلیں۔

### ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الاعراف 7: 34)

"اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، توجب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو وہ (اس سے) لمحہ بھر پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے۔"

### اللہ ظالموں کا فوری مؤاخذہ کرتا تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ رہتا

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (النحل 16: 61)

"اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر ان کا مؤاخذہ کرے تو اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑے، لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انھیں ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا مقرر وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔"

### ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دی گئی ہے

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا

"اور اگر اللہ لوگوں کو اس وجہ سے پکڑتا جو انھوں نے

مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا﴾ (فاطر 35: 45)

کمایا تو وہ اس (زمین) کی پشت پر چلنے والا کوئی جاندار نہ چھوڑتا، لیکن وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو (وہی انھیں سزا دے گا) یقیناً اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

## اصلی اور دائمی گھر

قرب قیامت اور وقت مقررہ تک مہلت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کو صاف بتادیا گیا ہے کہ اس کا اصل گھر جنت ہے جس سے انسان نکالا گیا، اب اسے دوبارہ اسی جنت میں واپس جانا ہے۔ وہی اس کی منزل ہونی چاہیے۔ دنیا کا گھر تو بہت ہی کم اور انتہائی غیر یقینی مدت کے لیے عارضی قیام گاہ ہے، یہ تو محض ایک کھیل تماشہ ہے۔ اصل گھر تو دارِ آخرت ہی ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جنت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اس کے لیے ایمان اور عملِ صالح والی زندگی بسر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے اور اپنی رحمت اور فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل فرمادے کیونکہ اس کی رحمت کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں، حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی بھی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دلا سکے گا" صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ نہیں لے گی۔" (صحيح البخاري، حديث: 6463)

## لوگوں کے لیے خواہشاتِ نفس کی چیزوں کی محبت مزین کر دی گئی ہے

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

"لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت مزین (پرکشش) کر دی گئی ہے عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیروں سے،

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾ (آل عمران 3:14)

نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، مویشیوں سے اور کھیتی سے، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے۔"

## اللہ تعالیٰ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (طه 20: 131، 132)

"اور (اے نبی!) ان چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں نہ اٹھائیں جو چیزیں زندگانی دنیا کی آرائش کی ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں، تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اور اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں اور (بہترین) انجام تو (اہل) تقویٰ کے لیے ہے۔"

**جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور لازوال ہے**

﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (القصص 28: 60)

"اور تمھیں جو بھی چیز دی گئی ہے وہ دنیاوی زندگی کا فائدہ اوراس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور زیادہ دیر پا ہے، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟"

**دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر فخر جتانا ہے**

﴿وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ

"اور یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور بلاشبہ دارِ آخرت (کی زندگی) ہی (اصل)

الْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (العنکبوت 29: 64)

زندگی ہے، کاش! لوگ جانتے ہوتے۔"

**دنیاوی زندگی دھوکے کا سامان ہے**

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (الحدید 57: 20)

"تم جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا اور ایک دوسرے پر اموال واولاد میں کثرت جتانا ہے۔ (اس کی مثال یوں ہے) جیسے بارش کہ اس سے (پیدا شدہ) نباتات کسانوں کو خوش کرتی ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو آپ اسے زرد شدہ دیکھتے ہیں، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ اور آخرت میں (کفار کے لیے) شدید عذاب ہے، اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیاوی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔"

## جن اور انسان کی پیدائش کا مقصد

جن و انس کی پیدائش کا مقصد صرف ایک ہی ہے، یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کیے بغیر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت۔ اسی ایک مقصد کے لیے یہ سارا نظام تشکیل دیا گیا۔ یاد رہے کہ قبولیتِ عبادت کے لیے اشد ضروری ہے کہ یہ عبادت صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہو (عقیدہ صحیح ہو) اس عبادت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا ہو۔ اس میں دکھلاوا نہ ہو۔ اسلام صرف "مذہب" نہیں بلکہ "دین" یعنی مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور عبادت کسی جز وقتی (Part Time) چیز کا نام نہیں بلکہ ہمہ وقتی (Full Time) مقصدِ زندگی ہے جو ہر انسان پر سنِ بلوغت سے لے کر اس کی موت تک لاگو ہے۔ اگر ہم ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کریں تو ہماری ساری زندگی عبادت بن سکتی ہے، مثلاً: ہم مسنون طریقے سے دائیں کروٹ پر سوئیں تو سونا عبادت، کپڑے اور جوتے پہنتے وقت دائیں طرف سے شروع کریں اور اتارتے وقت بائیں طرف سے آغاز کریں تو یہ لباس پہننا اور اتارنا عبادت، چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے سے چھینکنا عبادت، کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے کھائیں اور کھا کر اللہ کا شکر ادا کریں تو کھانا عبادت، تین سانسوں میں بیٹھ کر پانی پینا عبادت، سفر کی دعا پڑھ کر سواری پر بیٹھیں تو یہ سفر کرنا عبادت، یہاں تک کہ رفع حاجت کے لیے بھی جانا ہو تو اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ پڑھ کر بایاں پاؤں بیت الخلاء میں رکھنا اور فارغ ہو کر باہر نکلتے وقت غُفْرَانَکَ پڑھ کر پہلے دایاں پاؤں باہر نکالنا بھی عبادت، حلال رزق کمانا عبادت اور پھر اہل و عیال پر خرچ کرنا عبادت حتی کہ اپنی بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی کارِ ثواب، غرضیکہ ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے مطابق زندگی گزاری جائے تو انسان کی ساری زندگی عبادت پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ جن اور انسان کی پیدائش کا مقصد بس ایسی ہی عبادت والی زندگی بسر کرنا ہے۔

### انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات 51: 56)

"اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔"

### زندگی اور موت کا مقصد آزمائش ہے

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ (الملک 67: 2)

"وہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔"

# کفروشرک

انسان کو پیدا کرنے اور زندگی کی بے شمار نعمتوں سے نوازنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حوالے سے انسان کو سب سے اہم جو سبق دیا گیا وہ کفرو شرک سے اجتناب ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تمام مخلوقات اور جہانوں کا خالق، مالک اور رازق صرف ایک اللہ عزوجل ہی ہے تو پھر عبادات کا مطلق استحقاق بھی تنہا اسی ذاتِ بابرکات کا ہے۔ یہی چیز عبادت کی اصل رُوح ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی طرح اور کسی بھی حوالے سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ شرک یا کفر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عظیم ظلم اور شرفِ انسانیت کی توہین ہے۔ جس کی معافی نہ ہوگی۔ جس طرح ہمارے موبائل یا کمپیوٹر میں جمع شدہ معلومات کا خزانہ جانے یا ان جانے، شعوری یا غیر شعوری طور پر (Delete) کا بٹن دَب جانے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح شرک کا بٹن دب جانے سے انسان کے اعمال کا خزانہ برباد ہو جاتا ہے۔

## توحید کے منافی اُمور اور شرکیہ اعمال

1 اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا یا حاجات طلب کرنا یا اُن سے استغاثہ کرنا (مثلاً: در پہ بلا لو مکی مدنی، بِگڑی بنا دو مکی مدنی کہنا) شرک ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک جیسا عقیدہ رکھتے ہوئے "لبیک یا رسول اللہ"، "لبیک یا حسین" ، "اللہ نبی وارث" ، "یا علی مدد" اور "یا غوث پاک جیلانی مدد" کے نعرے لگانا بھی شرک ہے۔

2 حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا: "یہ کیا ہے؟" اس نے کہا: یہ "واہنہ" (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے اتار دو یہ تمھاری کمزوری میں مزید اضافہ کر دے گا۔ اس چھلے کو پہنے ہوئے اگر تمھیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پا سکو گے۔" (مسند أحمد: 4/445 بسند لا بأس به)

☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے سیپ باندھا، اللہ تعالیٰ اُسے بھی آرام نہ دے۔" (مسند أحمد: 4/154)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جھاڑ پھونک (نظر بد وغیرہ سے تحفظ کے لیے) تعویذ، گنڈے اور جادو سب شرک ہیں۔" (مسند أحمد: 1/381، وسنن أبي داود، حديث: 3883)

☆ حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کوئی چیز لٹکائی تو اُسے اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔" (مسند أحمد: 4/310، وجامع الترمذي، حديث: 2072)

☆ حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے رویفع! شاید تم مدت تک زندہ رہو، لہٰذا لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص داڑھی کو گرہ لگائے، یا تانت گلے میں ڈالے، یا چوپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بے زار اور

لا تعلق ہیں۔" (مسند أحمد: 4/108، وسنن أبي داود، حديث: 36)☆حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ (جادو کے ذریعے جادو کے علاج) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ شیطانی عمل ہے۔" (مسند أحمد: 3/294 بسند جید و سنن أبي داود، حديث: 3868) ہمارے ہاں کئی شیاطین صفت انسان سادہ لوح لوگوں کو مہنگے داموں ایسے مٹی کے پیالے یہ کہہ کر بیچتے نظر آتے ہیں کہ یہ خاکِ شفا سے بنے ہوئے ہیں اور اس میں سے پینے والوں کو بیماریوں سے شفا مل جاتی ہے، حالانکہ "خاکِ شفا" اور اس سے منسوب کہانیاں سب من گھڑت ہیں اور یہ شرک پر مبنی عقیدہ ہے کیونکہ شفا دینے والی ذات تو صرف ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ اسی طرح کئی لوگ مزاروں سے نمک یا بیری کے پتے کھاتے ہیں یا مزار کے سامنے کسی نلکے، جوہڑ یا چشمے میں نہاتے ہیں، اس نیت سے کہ یہاں سے شفا مل جائے گی، یہ سب شرک ہی شرک ہے۔☆تمیمہ (تعویذ) اور ودعہ (سیپ) کی احادیث میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ کوئی چیز وہ لوہے کی ہو یا پیتل کی، سیپ ہو یا منکا یا دھاگا، اسے گلے میں ڈالنا، کلائی یا بازو، انگلی یا پاؤں پر باندھنا، اس نیت سے کہ اس کی وجہ سے آرام آجائے گا سخت ممنوع ہے۔ ہمارے ہاں بھی بعض بیماریوں کی صورت میں لوگ ان کا صحیح علاج کرنے کی بجائے دھاگے پر گانٹھ لگا کر باندھ لیتے ہیں یا چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کا ہار سا بنا کر گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ناک یا کان میں سوراخ کر کے کوئی چیز ڈال لیتے ہیں۔ بس، ٹرک، کار اور مکان وغیرہ پر سیاہ کپڑا لٹکا دیتے ہیں یا پرانا جوتا لٹکا دیتے ہیں یا سیاہ ہنڈیا الٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ بعض عورتیں ہار سنگھار کے بعد ماتھے پر ایک کالا نقطہ یا ٹھوڑی پر تین کالے نقطے اس نیت سے لگاتی ہیں کہ اس طرح نظر بد سے محفوظ رہیں گی۔ کئی لوگ دھات کا بنا ہوا پنجہ (جسے وہ اپنے زعم باطل میں پنج تن پاک کا پنجہ کہتے ہیں) یا گھوڑے کا سُم گھر یا گاڑی پر لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح رفعِ بلاء اور دفعِ مصائب کے لیے کئی لوگ پانچ روپے کے سکے کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر بازو پر امام ضامن کے طور پر باندھتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں کمان کی پُرانی تانت کو چوپایوں کے گلے میں ڈال دیتے تھے تاکہ جانور نظر بد سے محفوظ رہیں (صحيح البخاري، حديث: 3005 وصحيح مسلم، حديث: 2115 میں حضرت ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث شریف میں اس چیز کی بھی ممانعت آئی ہے۔) تاہم نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کا غیر شرکیہ دم ممنوع نہیں۔ جبکہ قرآنی آیات کے تمیمہ (تعویذ) کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ یہ شرک ہے یا نہیں؟ تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اس سے بھی بچنا چاہیے۔

3 طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ایک شخص نے ایک بت کو مکھی کا چڑھاوا چڑھایا اور اسی وجہ سے جہنم جا پہنچا جبکہ اس کے ساتھی شخص نے یہ کہا کہ میں تو اللہ کے سوا کسی کے واسطے چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا، چنانچہ بت کے مجاوروں نے اسے قتل کر دیا اور وہ سیدھا جنت جا پہنچا۔ (رواہ أحمد في كتاب الزهد، حديث: 84)

4 غیر اللہ کی نذرونیاز ماننا شرک ہے کیونکہ نذرونیاز بھی ایک عبادت ہے جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہے۔

5 غیر اللہ (جنات وغیرہ) کی پناہ لینا شرک ہے۔

6 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ مبارک پر چادر اوڑھ لیتے اور جب دم گھٹتا تو چادر کو ہٹا لیتے، اسی عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے انبیائے کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔" (صحيح البخاري، حديث: 436,435)

☆ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بدترین وہ ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ بھی جو قبروں کو مساجد کا درجہ دیں۔" (مسند أحمد: 1/405 بسند جيد، وصحيح ابن حبان: 15/261، حديث: 6847)

☆ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "یا اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اور قہر نازل ہو جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔" (رواه مالك في الموطأ: 1/168، حديث: 423)

☆ زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری قبر کو میلہ (گاہ) نہ بنانا اور تم (نماز، دعا اور تلاوت قرآن ترک کر کے) اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا، اس لیے کہ تم جہاں بھی ہو گے تمھارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔" (رواه الضياء المقدسي في المختارة: 2/49، حديث: 428)

مندرجہ بالا احادیث قبوری شرک کی سخت نفی کرتی ہیں۔

7 جادوگر کافر ہے۔

8 "جس شخص نے کسی کاہن و نجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا اور پھر اس کی کہی ہوئی کسی بات کی تصدیق نہیں کی تو بھی چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔" (صحيح مسلم، حديث: 2230)

☆ "جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔" (سنن أبي داود، حديث: 3904)

9 "بدفالی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے (بتقاضائے بشریت ایسا وہم نہ ہوتا ہو) مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو دفع کر دیتا ہے۔" (سنن أبي داود، حديث: 3910، وجامع الترمذي، حديث: 1614)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بیماری (از خود) متعدی نہیں، بدشگونی و بدفالی کی بھی کچھ حقیقت نہیں، نہ اُلّو کا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے اور نہ ماہ صفر (منحوس ہے۔)" (صحيح البخاري، حديث: 5770، وصحيح مسلم، حديث: 2223)

☆حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ کوئی بدشگونی وبدفالی کی حقیقت ہے اور مجھے (نیک) فال پسند ہے۔ صحابہ نے پوچھا: فال کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عمدہ اور بہترین بات۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5776، وصحیح مسلم، حدیث: 2224)

10 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں: (لوگوں کے) نسبوں پر طعن کرنا اور فوت شدہ پر نوحہ کرنا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 67)

☆حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص (صدمے کے وقت) چہرے پر ہاتھ مارے، گریبان پھاڑے اور جہالت کے بول بولے وہ ہم میں سے نہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 1297، و صحيح مسلم، حديث: 103) یعنی اللہ کے فیصلوں (تقدیر) پر صبر کرنا بھی ایمان باللہ کا حصہ ہے۔

11 حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (ضرور بتائیں) آپ نے فرمایا: ”شرکِ خفی (وہ اس طرح کہ) کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو محض اس لیے اچھی پڑھے کہ فلاں شخص اسے دیکھ رہا ہے۔“ (مسند أحمد: 3/30)

12 حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ”انھوں نے اپنے علماء، بزرگوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنالیا، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے۔“ (سورۂ توبہ 9:31) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو اُس وقت یعنی اسلام لانے سے قبل عیسائی تھے) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا ایسا نہیں تھا کہ تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حرام اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حلال سمجھتے تھے؟“ میں نے کہا: ”ہاں“ آپ نے فرمایا: ”یہی ان کی عبادت ہے۔“ (مسند أحمد: 4/378، وجامع الترمذي، حدیث: 3095)

13 اللہ کی نعمتوں کا انکار کفر ہے۔

14 غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔

15 سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا: ”جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تُو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے؟ (صرف اتنا) کہا کرو: ”جو اللہ اکیلا چاہے۔“ (السنن الکبریٰ للنسائي: 9/363، حدیث: 10759)

16 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ابن آدم زمانے کو گالی دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا دیتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ (کا خالق اور مالک) ہوں، دن رات کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 4826)

17 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے نزدیک سب سے گھٹیا اور حقیر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ (مَلِکَ الأمْلاکِ) کہلوائے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) نہیں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 6205)

18 اللہ تعالیٰ سے، اس کی آیات سے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہنسی کرنے والا کافر ہے۔(دیکھیے سورۂ توبہ 9:66,65)

19 جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے ویسی دوسروں سے کرنا شرک ہے۔(دیکھیے سورۂ بقرہ 2:165)

20 حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں بنوعامر کے ایک وفد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا: (أَنْتَ سَيِّدُنَا) "آپ ہمارے سردار (آقا و مولا) ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سردار (آقا و مولا) تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔" (سنن أبي داود، حدیث: 4806 بسند جید)

21 حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں آدمی کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اللہ نے فرمایا: یہ کون ہوتا ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا؟ میں نے اس کی مغفرت کر دی اور تیرے (یعنی قسم اٹھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیے ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2621) اللہ نے برحق فرمایا کہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(الکھف 18:26) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ یہ کہنے والا ایک عابد و زاہد شخص تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے صرف ایک ایسی بات کر دی جس نے اس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ (صحیح ابن حبان: 13/21,20، حدیث: 5712)

22 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یوں نہ کہے کہ اپنے رب کو پانی پلا۔ اپنے رب کو کھانا کھلا۔ اپنے رب کو وضو کرا اور نہ ہی تم میں سے کوئی (غلام اپنے سردار سے) کہے: میرا رب بلکہ یوں کہے: میرا سردار، میرا آقا اور تم میں سے کوئی (اپنے غلام یا لونڈی کو) میرا بندہ یا بندی نہ کہے: بلکہ یوں کہے: میرا خادم، میری خادمہ اور میرا غلام۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2249)

23 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے کہ یا اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے، یا اللہ! تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال و دعا کرے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے اور

اس پر دباؤڈالنے والا نہیں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 6338، وصحیح مسلم، حدیث: 2679) کیونکہ اس اندازِ کلام سے بندے کی بے نیازی کا اظہار ہوتا ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے بندے کی نہیں۔

24 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ کے نام پر سوال کرے اسے (کچھ نہ کچھ) دو اور جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اسے پناہ دو۔" (سنن أبي داود، حدیث: 1672، وسنن النسائي، حدیث: 2568 بسند صحیح) یعنی اللہ کے نام کی حیا کرنا بھی توحید کامل کا تقاضہ ہے۔

25 حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ سے) اللہ کا واسطہ دے کر جنت کے سوا کچھ نہ مانگا جائے۔" (سنن أبي داود، حدیث: 1671)

26 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس چیز کی حرص کر جو تیرے لیے مفید ہو اور صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جا اور اگر تجھے کوئی مصیبت اور پریشانی آ پہنچے تو یوں نہ کہہ کہ اگر میں یہ کر لیتا تو یوں ہو جاتا بلکہ یوں کہہ: "یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس نے جو چاہا سو کیا۔" اس لیے کہ "اگر" کہنا شیطانی عمل دخل کا سبب بنتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2664)

27 حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (جامع الترمذي، حدیث: 2252) کے مطابق ہوا اور آندھی کو گالی دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے (کیونکہ دراصل یہ اللہ پر ناراضی کا بالواسطہ اظہار ہے۔)

28 سورۂ فتح (6:48) کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بابت بدگمانی کرنے پر شدید وعید کی گئی ہے۔

29 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے، یہ لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلائیں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 7559، وصحیح مسلم، حدیث: 2111)

29 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو پیدا کرنے اور بنانے میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت کرتے ہیں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 5954، وصحیح مسلم، حدیث: 2107)

30 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "ہر مصور جہنم میں جائے گا، اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعے سے اس (مصور) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔" (**صحيح البخاري**، **حديث**: 5963، **وصحيح مسلم**، **حديث**: 2110 **واللفظ له**)

☆ ”جس گھر میں (جاندار اشیاء کی) تصویریں ہوں اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5949، وصحیح مسلم، حدیث: 2106)

32 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی، اسے قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے، مگر وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2110)

33 ابو الہیاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ کسی تصویر کو مٹائے اور کسی بلند قبر کو زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 969)

34 حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ ایسے ہیں (قیامت کے دن) جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ انھیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: بوڑھا زانی، متکبر فقیر، اور وہ جس نے اللہ کو اپنا مال سمجھا ہوا ہے کہ قسم ہی سے خریدتا ہے اور قسم ہی سے بیچتا ہے۔“ (المعجم الكبير للطبراني: 6/246، حدیث: 6111)

35 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم سامان کے لیے مفید (فروخت کرنے کا ذریعہ) تو ہے مگر اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 2087، وصحیح مسلم، حدیث: 1606)

36 حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگا: ”یارسول اللہ! جانیں تلف ہو گئیں، بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو گیا، آپ ہمارے لیے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں۔ ہم آپ کو اللہ اور کے حضور اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آپ نے (اس کی بات سن کر) بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھا، آپ بدستور سبحان اللہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر ظاہر ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”تجھ پر افسوس! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ (اس کی کیا شان ہے؟) اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ اُسے کسی کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش کیا جائے۔“ (سنن أبي داود، حدیث: 4726)

37 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے آباء واجداد کی قسمیں نہ کھاؤ۔ جو شخص اللہ کی قسم اٹھائے وہ سچ بولے اور جس کے لیے (جس کے مطالبے پر) اللہ کی قسم کھائی جائے وہ راضی ہو جائے اور جو راضی نہ ہو تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 2101)

38 حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر ایک ایسی رات کو ہمیں صبح کی نماز پڑھائی جس میں بارش ہو چکی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ”کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟“ صحابہ نے کہا: ”اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں کچھ

مومن ہوئے ہیں اور کچھ کافر۔ جس نے کہا: ہم پر اللہ کے فضل اوراس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے، وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے کہا: ہم پر بارش فلاں فلاں تارے کے اثر سے ہوئی ہے، وہ میرا منکر ہوا اور تاروں (کی تاثیر) پر ایمان لایا۔" (صحیح البخاري، حدیث: 846، و صحیح مسلم، حدیث: 1471)

39 سورۂ اعراف (190:7) میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے انھیں صحیح و تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس (عنایت) میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ ان شرکیہ باتوں سے جو یہ کرتے ہیں، بلند تر ہے۔" ہمارے ہاں بھی عموماً لوگ آڑے وقتوں میں پیروں کو، پیغمبروں کو، اماموں کو، شہیدوں کو، فرشتوں کو، جنوں اور پریوں کو پکارا کرتے ہیں، انھی سے مرادیں مانگتے ہیں، انھی کی منتیں مانتے ہیں، مرادیں بر لانے کے لیے انھی پر چڑھاتے ہیں اور بیماریوں سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو انھی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اولاد ہونے پر کسی کا نام عبدالنبی، کسی کا علی بخش، کسی کا حسین بخش، کسی کا امام بخش، کسی کا پیر بخش، کسی کا سالار بخش، کسی کا پیراں دتہ، کسی کا غلام محی الدین اور کسی کا غلام معین الدین وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔ اللہ پاک نے سورۂ یوسف (106:12) میں فرمایا ہے: "اکثر لوگ اللہ پر ایمان لا کر بھی شرک کرتے ہیں۔" چنانچہ اگر کوئی شخص نبی کو یا ولی کو یا جن و پری کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان کو یا چلے (نشت گاہ) کو یا کسی مکان و نشان کو یا کسی کے تبرک و تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے لیے روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے یا چڑھاوا چڑھائے یا ان کے نام کا جھنڈا لگائے یا جاتے وقت الٹے پاؤں چلے یا قبر کو چومے یا قبروں یا دیگر مقامات کی زیارت کے لیے دور سے سفر کر کے جائے یا وہاں چراغ جلائے اور روشنی کا انتظام کرے یا ان کی دیواروں پر غلاف چڑھائے یا قبر پر چادر چڑھائے یا مور چھل جھلے یا شامیانہ تانے یا ان کی چوکھٹ کا بوسہ لے یا ہاتھ باندھ کر دعائیں مانگے یا مرادیں مانگے یا مجاور بن کر خدمت کرے، جھاڑو لگائے یا اس کے آس پاس کے جنگل جھاڑیوں، جانوروں، پرندوں اور کبوتروں کا ادب کرے، غرض اس قسم کا کوئی بھی کام کرے تو وہ شرک فی العبادت کی راہ پر گامزن ہو گیا، یعنی غیر اللہ کی تعظیم اللہ کی سی کرنا، خواہ یہ عقیدہ ہو کہ وہ ذاتی اعتبار سے ان تعظیموں کے لائق ہے یا اللہ اس کی اس طرح تعظیم کرنے سے خوش ہوتا ہے اوراس کی تعظیم کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں، ہر صورت میں یہ شرک ہی ہے۔

40 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کو اس بات سے مسرت ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویروں کی مانند کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔" (جامع الترمذي، حدیث: 2755)

یاد رہے کہ ہمارے ہاں بھی بالخصوص سرکاری آفیسرز حکمرانوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔

41 حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جارہے تھے اور ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ (راستے میں) مشرکین کی ایک بیری تھی، وہ (عظمت اور برکت کے خیال سے) اس کے پاس آ کر بیٹھے رہتے تھے اور (برکت کے لیے) اپنے ہتھیار بھی اس پر لٹکایا کرتے تھے۔ اس کا نام "ذات انواط" تھا۔ چلتے چلتے ایک (اور) بیری کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! جیسے ان مشرکین کا "ذات انواط" ہے، آپ ہمارے لیے بھی "ذات انواط" مقرر فرمادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ اکبر! یہی تو (گمراہی اور سابقہ قوموں کے) راستے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو وہی بات کی جو بنو اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! جیسے ان کے معبود ہیں آپ ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔ موسیٰ نے فرمایا: تم تو بڑے نادان ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔“ (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔) (جامع الترمذي، حديث: 2180 ومسند أحمد: 5/218، والمعجم الكبير للطبراني: 3/285، حديث: 3291) (یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیعتِ رضوان کا درخت کاٹ دیا گیا تھا۔)

42 جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی تحقیق اس نے کفر کیا۔

## ذبائح کا حکم

مسلمانوں اور اہل کتاب کے وہ جانور جنھیں اسلامی شریعت نے حلال قرار دیا ہے، ان کے ذبائح بھی اُسی وقت جائز ہیں جب انھیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، مزید یہ کہ وہ غیر اللہ کے نام پر نامزد نہ کیے گئے ہوں۔ یعنی صرف اللہ ہی کے تقرب و نیاز کے لیے ذبح کیے جائیں۔ اگر کسی حلال جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے مگر مقصد غیر اللہ کا تقرب و نیاز ہو تو یہ نہ صرف حرام بلکہ فسق اور شرک ہے۔

### جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو اس جانور کا گوشت حرام ہے

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا

”چنانچہ تم اس (جانور) کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو، اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو۔ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (حلال جانور) کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان (سب جانوروں) کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیے ہیں، مگر جسے تم کھانے پر مجبور ہو جاؤ (تو وہ بھی حلال ہیں) اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات سے، بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور تم

لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ (الانعام 6: 118۔121)

کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان (عملوں) کی جلد سزا ملے گی جو وہ کرتے رہے ہیں۔ اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، کیونکہ یہ (کھانا) یقیناً نافرمانی ہے۔“

## مردار جانور، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے

﴿قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الانعام 6: 145)

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو شخص مجبور ہو جائے، (بشرطیکہ) وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

## حلال و حرام اشیاء

قرآن اور صحیح احادیث کی رو سے جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں، اہلِ ایمان کو صرف وہی اشیاء کھانی چاہییں اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جو چیزیں حرام کی ہیں، مثلاً: شراب، بہتا لہو، خنزیر، مرا ہوا جانور، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور وغیرہ، ان سے بچنا چاہیے۔ سود، رشوت اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی تمام صورتیں حرام ہیں، مثلاً: رشوت، جوا، قمار، سٹہ، لاٹری، انعامی بانڈ، بینکوں سے حاصل شدہ سود پر مبنی منافع اور انشورنس پالیسیاں وغیرہ۔

وہ جانور جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت میں ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈر اور امید رکھتے ہوئے قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں، جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوتے ہیں، مثلاً: "داتا صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں۔" ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت چاہے اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، پھر بھی یہ حرام ہی ہوں گے۔ اسی طرح جانوروں کے علاوہ جو اشیاء بھی غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، وہ سب حرام ہوں گی، جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی نیاز کے طور پر خشک میوا جات یا نان حلیم وغیرہ بانٹے جاتے ہیں اور "کونڈوں" کی رسم میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام کی نیاز کے کھانے کھلائے جاتے ہیں، یہ سب حرام ہیں۔ اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے نام کی دیگیں لے جا کر یا وہاں سے خرید کر قبور کے ارد گرد فقراء و مساکین کو کھانا دینا، یا تبرک کے زیرِ عنوان مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا وہاں صندوقچی میں نذر و نیاز کے پیسے ڈالنا، یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورتیں ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ نذر بھی نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہو گا۔ اہل کتاب، یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کا کھانا اور ان کی پاکدامن عورتیں مومن مسلمانوں کے لیے جائز ہیں مگر مومن مسلمان عورتوں کے لیے عیسائیوں، یہودیوں اور کافروں سے نکاح کرنا مطلق حرام ہے۔ کھانے کے حوالے سے یہ یاد رہے کہ وہ ایسا کھانا ہو جو حلال بھی ہو،

یعنی جو کھانے کی چیزیں اسلامی شریعت کے مطابق کھانا جائز ہیں اُن میں سے ہو، مثلاً: ایسا بکرا یا مرغی وغیرہ جسے اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو، یعنی اُن پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو اور ذبح کے دوران اس کا خون بھی بہایا گیا ہو۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یورپ میں عام طور پر جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ مشین کے ذریعے محض جھٹکے سے جانور کی گردن تن سے جدا کر دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ بھی حرام ہے۔

### حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾(البقرۃ 2:168)

”اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔“

### سور کا گوشت، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾(البقرۃ 2:172، 173)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ نے تو تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز ہی حرام کی ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے، پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔“

### ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾(البقرۃ 2:188)

”اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔“

## شراب پینا اور جوا کھیلنا بہت بڑا گناہ ہے

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴾ (البقرة 2: 219)

"(اے نبی!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔"

## سُود کا لین دین اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ ہے

﴿ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴾ (البقرة 2: 275۔279)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر بد حواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آجائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ زکاۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

### سود کی حرمت

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴾ (آل عمران 3:130,131)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات مل سکے۔ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

### حالت احرام میں شکار حرام ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ﴾ (المائدة 5:1)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو، تمھارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جن کے نام تمھیں پڑھ کر سنا دیے جائیں گے، جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے۔"

### حرام اور حلال چیزوں کی وضاحت

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿﴾ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (المائدة 5: 3-5)

”تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مر جانے والا، چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مر جانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں، سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو۔ اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ لوگ ناامید ہو گئے جنھوں نے تمھارے دین کا انکار کیا، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک سے بے بس ہو جائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (اے نبی!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے (کھانے کی) کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے: تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار حلال ہے) جنھیں تم سدھا لیتے ہو، اللہ نے تمھیں جو سکھایا ہے اس کے مطابق تم انھیں سکھاتے ہو، پس وہ جس شکار کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس پر اللہ کا نام پڑھو اور اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے اور جو ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل یقیناً برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔“

## پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴾ (المائدة 5: 87، 88)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ گزرو، بے شک اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ نے تمھیں جو حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔“

## شراب، جوا، آستانے، اور پانسے شیطانی کام ہیں

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴾ (المائدة 5: 90، 91)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب، جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، پس تم ان سے بچو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغض ڈال دے، اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟“

### جس جانور پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو اُس جانور کا گوشت حرام ہے

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾(الأنعام 6:121)

”اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، کیونکہ یہ (کھانا) یقینا نافرمانی ہے۔“

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ چیزیں حلال کیں اور ناپاک چیزیں حرام ٹھہرائیں

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الاعراف 7: 157)

”(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

### حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کہو۔ اس پر دردناک عذاب ہے

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾(النحل 16:116)

”اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تا کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔“

### اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کا حکم

﴿ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾(الحج 22:30)

''یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کے لیے بہت بہتر ہے اور تمھارے لیے چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جا چکے ہیں، لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔''

## حقوق العباد

حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد مقرر کیے گئے ہیں۔ دراصل اللہ کے بندوں اور اس کی مخلوق کے حقوق پورے کرنا بھی اللہ کی اطاعت وعبادت میں شمار ہوں گے۔ قیامت کے دن حقوق العباد کی تلافی ظالم سے نیکیاں لے کر یا مظلوم کی برائیاں ظالم کے اعمال نامے میں ڈال کر کی جائے گی۔

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾( النساء 4: 36،37)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنی ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ ہر اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

﴿ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾(بنیٓ إسرآءیل 17:26)

''اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا۔''

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿﴾ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الروم 30: 37،38)

"کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ بلاشبہ اس (فراخی و تنگی) میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

## 14 (الف) والدین کے حقوق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے۔ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ گویا ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ پھر بڑھاپے میں بطورِ خاص ان کے سامنے "ہوں یا اُفّ" تک کہنے اور اُنھیں ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائلِ معاش پر قابض و متصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کے سرد و گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان حالات میں والدین کے ادب واحترام کے تقاضے کو ملحوظ رکھنا بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں سرخرو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا اور ہر وقت اور ہر حال میں والدین کی خدمت واطاعت کا فرض کماحقہ ادا کرے گا۔ تاہم یہ بھی حکم ہے کہ اگر والدین شرک کا حکم دیں تو ان کی یہ بات نہیں ماننی چاہیے کیونکہ حدیث کی رُو سے خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ (مسند أحمد: 1/131)

### والدین کو اُفّ بھی نہ کہو

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ

"اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے اچھا سلوک

عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾ (بنی اسرائیل 17: 23،24)

کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تُو ان سے "اف" تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب واحترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔"

### والدین شرک کا حکم دیں تو ایسا حکم مت مانو

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾(لقمان 31: 14،15)

”اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں بھلے طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔“

## 14 (ب) رشتہ داروں کے حقوق

اسلام میں رشتے ناتے توڑنے، یعنی قطعِ رحمی سے بچنے، قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسے صلۂ رحمی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5984) ایک اور حدیث میں فرمایا: ”رحم، رحمن سے مشتق ہے، اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا: جو تجھے جوڑے گا میں بھی اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں بھی اسے توڑ ڈالوں گا۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5988) صلہ رحمی کے دنیوی فوائد بھی ہیں۔ اس سے رزق میں فراخی اور عمر میں درازی پیدا ہوتی ہے۔ عزت اور وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ رشتہ داروں کے حقوق کے سلسلے میں ایمان والوں کی ایک نہایت اہم ذمے داری یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اُسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر کے بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انھیں سرزنش کرو۔ (سنن أبي داود، حدیث: 495 وجامع الترمذي، حدیث: 407) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”تم اللہ کے ہاں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں وہاں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 204206)

### والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے حُسن سلوک کرو

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ﴾(البقرة 2: 83)

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرنا اور تم لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا، پھر تم اس (وعدے) سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (اس کے پابند رہے) اور تم تو پھر جانے والے ہی ہو۔"

### رشتے توڑنے سے ڈرو۔ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ (النساء 4: 1)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔"

### رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے پر زیادہ حق رکھتے ہیں

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (الانفال 8: 75)

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ (مل کر) جہاد کیا تو وہ بھی تمھی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔"

### جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اُسے قطع کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے

﴿ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴾ (الرعد 13: 25)

"اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ چیز قطع کرتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) بہت برا گھر ہے۔"

### اللہ تعالیٰ نے عدل واحسان کرنے اور بُرے کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل 16: 90)

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

### قریبی رشتہ داروں کو اللہ کی نافرمانی کے خطرات سے ڈراؤ

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾(الشعرآء 26:214)

"اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔"

### رشتے دار (ترکے کے) زیادہ حق دار ہیں

﴿ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾(الأحزاب 33:6)

"نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور رشتے دار اللہ کی کتاب کی رو سے (دوسرے) مومنین اور مہاجرین کی نسبت آپس میں (ترکے کے) زیادہ حقدار ہیں، مگر تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو)، یہ کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔"

### خود بھی بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم 66:6)

"اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر تند مزاج اور سخت گیر فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔"

## 14 (ج)عورتوں کے حقوق

اسلام نے عورتوں کو وراثت سمیت جتنے حقوق عطا کیے ہیں اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ مغربی تہذیب کے مقابلے میں دیکھا جائے تو خواتین پر اسلام کا یہ احسان پوری طرح روشن ہو جاتا ہے کہ دین فطرت نے عورت کو اس کی فطری کمزوریوں کے پیش نظر پردے میں محفوظ کر کے شیاطین صفت لوگوں کے فتنوں سے تحفظ فراہم کیا ہے اور عورت کو باپ اور شوہر دونوں کے مال میں حصہ دار قرار دیا ہے۔ جبکہ عورت کے فرائضِ عظیمہ میں عفت و پاکدامنی کی حفاظت، شوہر کی اطاعت، اس کے مال کا تحفظ اور بچوں کی پرورش و نگہداشت جیسے اہم امور شامل ہیں۔ ان امور کے علاوہ کسی قسم کی کوئی معاشی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی گئی۔ اس کے برعکس مرد کو منجملہ دیگر فرائض کے ساتھ خاندان کی معاشی کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث راہنمائی فراہم کرتی ہیں:

"دنیا سازوسامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔" (صحيح مسلم، حديث: 1469)

دوسری حدیث میں نیک عورت کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ "جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے، جب اُسے حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اپنے نفس (عصمت) کی اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔"

(سنن أبي داود، حديث: 1664، وسنن النسائي، حديث: 3233)

"جب آدمی اپنی عورت کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ نہ آئے، پس خاوند وہ رات اس سے ناراضی کی حالت میں گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔" (صحيح البخاري، حديث: 3237، و صحيح مسلم، حديث: 1436) "کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے، نہ یہ جائز ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے دے۔" (صحيح البخاري، حديث: 5195) جس طرح شریعت اسلامیہ نے مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اسی طرح عورت کو بھی ایسا رویہ اختیار کرنے سے روکا ہے جس سے خاوند کو تکلیف ہو۔ یہ ایذارسانی بدزبانی سے بھی ہو سکتی ہے اور بداخلاقی و بداطواری سے بھی اور شوہر کی آمدنی سے بڑھ کر ناجائز مطالبات کی صورت میں بھی، جیسا کہ عام طور پر عورتیں یہی تینوں طریقے بروئے کار لا کر اپنے خاوندوں کو زچ کرتی اور ان کی پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔ نافرمان عورت کو راہ راست پر لانے کے لیے علیحدگی (ترک تعلق) کی ضرورت پیش آئے تو گھر کے اندر یہ ترکِ تعلق اس طرح کیا جائے کہ رات کو اس کے ساتھ سونا چھوڑ دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ علیحدگی صرف بستر کی جُدائی کی حد تک ہی ہو، بات چیت ترک نہ کی جائے۔ لیکن بیوی پر پھٹکار بھیجنا، ہر روز مارنا، ماں بہن کہنا یا طلاق ایسے الفاظ استعمال کرتے رہنا، گھر سے نکالنا یا نکالنے کی دھمکی دینا، خوراک یا لباس مہیانہ کرنا یا غیر مہذب حربے اختیار کرنا، ناشائستہ سزائیں دینا، چہرے پر تھپڑ مارنا اور آئے دن مغلظات بکنا یہ سب کچھ قطعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ بیوی کو بار بار طعنے اور کچوکے دینا اور اولاد یا اپنے رشتہ داروں کے سامنے ذلیل کرنا نہایت بُری بات ہے، یہ سب غلط اور گھٹیا طریقے ہیں جو کسی انسان کو کسی صورت زیب نہیں دیتے۔ خواتین کی تکریم و تعظیم بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر بیوی تو گھر کی ملکہ ہوتی ہے، اسے عزت اور وقار سے رکھنا چاہیے۔ اگر بیوی حد سے گزرتی نظر آئے تو پھر جو طریقے قرآن و حدیث میں آئے ہیں انھی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اِن سے تجاوز دین اور دنیا دونوں کی تباہی کا باعث ہے۔ عورتوں کو گالیاں

دینے اور مارنے پیٹنے والے اخلاقی لحاظ سے اچھے انسان نہیں ہیں۔ ہر چند اسلام نے ناگزیر حالات میں عورت کو سرزنش کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے لیے قرآن کریم سے ایک حکیمانہ ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اسے وعظ و نصیحت کریں، اس سے وہ نہ سمجھے تو رات کو اس کے ساتھ یکجائی ترک کر دیں۔ یہ ایک سمجھ دار عورت کے لیے بڑی موئثر تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو چہرہ اور سر چھوڑ کر اُسے ہلکی سی مناسب سزا دیجیے بشرطیکہ ایسا کرنے سے اس کے سدھرنے کی امید ہو، ورنہ اس سے بھی گریز اور پرہیز ہی بہتر ہے تاہم حسب ضرورت تینوں کام بیک وقت بھی کیے جاسکتے ہیں لیکن وعظ و نصیحت کو بالکل نظر انداز کر کے وحشیانہ طریقے سے پٹائی کرنے کی اسلام نے قطعًا اجازت نہیں دی۔ یہ چیز حسن معاشرت کے بھی منافی ہے۔ خاوند کی عدم موجودگی میں عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عصمت اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے، خاوند کے ناپسندیدہ افراد کو چاہے وہ اس کے قریبی عزیز ہی ہوں، گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔ اُدھر خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ازدواجی حقوق کے ساتھ ساتھ عورت کو اچھا لباس، اچھی خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی فراہم کرے۔ مرد کی حاکمیت و قوامیت کی دو وجوہ بیان کی گئی ہیں، ایک تو یہی ہے کہ مرد قوت اور دماغی صلاحیت کے اعتبار سے عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے، دوسری وجہ کسبی ہے جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور عفت و حیا کے تحفظ کے لیے ضروری تعلیمات و ہدایات کے پیشِ نظر معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بہت واضح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکے گی جس نے اپنے اُمور عورت کے سپرد کر دیے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4425) نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کرنی چاہیے، دوسرے نمبر پر وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھدار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو ہلکی سی مار کی اجازت ہے لیکن وحشیانہ مارپٹائی کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی۔ اگر عورت اپنی اصلاح کرلے تو ستانے کی راہ نہ ڈھونڈو، مار پیٹ نہ کرو، تنگ نہ کرو اور نہ ہی طلاق دو۔ طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارئہ کار ہی باقی نہ رہے لیکن کچھ مرد اس حق کو بھی بہت ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں۔ اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔ بیوی سے اختلاف پیدا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے متذکرہ بالا تینوں طریقوں سے اصلاحِ احوال کی کوشش کی جائے، یہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہی کنبے برادری میں سے ایک منصف مرد شوہر والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرادے گا۔ اگر انسان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی مطلوب ہے تو وہ عورت کا انتخاب کرتے وقت صرف اس کے حسن و جمال، حسب و نسب یا مال و دولت ہی پر نظر نہ رکھے بلکہ دین کو ان سب پر مقدم رکھے اور دین دار اور پابند شریعت عورت ہی سے نکاح کرے، ایسی عورت دین و دنیا کی سعادت کا باعث ہو گی۔ عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث راہنما ہیں۔ حدیث مبارک میں ارشاد ہے: ''چار آدمی اللہ تعالیٰ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں شام کرتے ہیں، عورتوں سے مشابہت کرنے والے مرد، مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتیں، جانوروں سے جماع کرنے والا اور ہم جنس پرست۔'' (المعجم الأوسط للطبراني: 5/143، حدیث: 6858) حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے اپنی بیوی سے دُبر کی راہ جماع کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔'' (سنن ابن ماجہ، حدیث: 1923) اسی طرح ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس شخص نے حائضہ سے جماع کیا یا بیوی کی دبر سے جماع کیا یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی، اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ تعلیمات کا انکار کیا۔'' (جامع الترمذي، حدیث:

135) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "بیوی سے دُبر میں جماع کرنا لواطتِ صغریٰ ہے۔" (مسند أحمد: 2/182) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبے میں ارشاد فرماتے سنا کہ "کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز اکیلا نہ ہو مگر اس کے ساتھ محرم ہو اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔" پس ایک آدمی کھڑا ہوا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! بے شک میری عورت حج کے لیے روانہ ہوئی اور میرا نام فلاں فلاں غزوے میں شامل ہونے کے لیے لکھا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جاؤ اپنی بیوی کے ہمراہ حج کرو۔" (صحیح البخاري، حدیث: 5233، و صحیح مسلم، حدیث: 1341 اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس عورت نے خوشبو لگائی، پھر لوگوں کے پاس سے گزری تاکہ وہ اس کی خوشبو پائیں تو وہ بدکارہ ہے۔" (سنن النسائي، حدیث: 5129) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص محرم عورت سے بدکاری کرے تو اسے قتل کر دو اور جو شخص کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اُسے بھی قتل کر دو اور اس جانور کو بھی ہلاک کر دو۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 2564) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دوزخیوں کی دو جماعتیں میں نے نہیں دیکھی ہیں (کیونکہ وہ ابھی موجود نہیں ہوئیں، بعد میں ان کا وجود اور ظہور ہو گا) ایک جماعت ان لوگوں کی ہو گی جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے، ان سے لوگوں کو ماریں گے، دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہو گی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی (مگر اس کے باوجود) ننگی ہوں گی (مردوں کو) مائل کرنے والی اور (خود ان کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی، اُن کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوں گے، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی اور اس میں شک نہیں کہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دُور سے سونگھی جاتی ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2128)

### ایلاء

﴿لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرة 2: 226، 227)

"جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم والا ہے، اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔"

### ایک ہی عورت سے نکاح کرو، بشرطِ عدل چار تک کی اجازت ہے

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (النساء 4: 3)

"اور اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کی بجائے ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو) یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس طرح تم ناانصافی کرنے سے بچے رہو گے۔"

### عورتوں کے زبردستی وارث بنو نہ دیے گئے حق مہر میں سے کوئی چیز واپس لو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء 4: 19)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ اور تم انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی ڈال دے۔"

### اس مرتبے کی تمنا مت کرو جس کے باعث اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (النساء 4: 32)

"اور تم اس مقام و مرتبے کی خواہش نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

### مرد عورتوں پر حاکم ہیں

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء 4: 34)

"مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

## نیک بیویاں خاوند کی فرمانبردار اور شوہر کی غیر موجودگی میں مال و آبرو کی نگہبان ہوتی ہیں

﴿ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ﴾(النسآ 4:34)

"چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے (مال و آبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں۔"

## نافرمان بیوی کو راہ راست پر لانے کے تین طریقے

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ﴾(النسآ 4:34)

"اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی کا خوف ہو انھیں تم نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں الگ کردو، اور انھیں ہلکی سزا دو، پھر اگر وہ تمھاری فرمانبرداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ نہ ڈھونڈو۔"

## اصلاحِ احوال کے لیے میاں بیوی کے خاندان میں سے دو افراد حَکَم بنا لیے جائیں

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾(النسآ 4:35)

"اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا۔"

## یتیم لڑکیوں سے انصاف کرنے کا حکم

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي

"اور (اے نبی!) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ خود ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں بھی،

لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ (النساء 4: 127)

جو یتیم لڑکیوں کے بارے میں تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو اور (وہ) کمزور بچوں کے بارے میں (تمھیں حکم دے رہا ہے) اور یہ کہ تم یتیموں سے انصاف کرو۔ اور تم جو بھی نیکی کرو، تو بے شک اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے۔''

## نا اتفاقی ہو جائے تو صلح کر لینا ہی بہتر ہے

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّـهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (النساء 4: 128)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و زیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کر لیں، اور صلح ہی اچھی ہے اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے اور اگر تم احسان کرو اور پرہیز گار بنو تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے۔''

## ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو کسی بیوی سے بے پروائی نہ کرو

﴿وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّـهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (النساء 4: 129)

''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور پرہیز گار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

## نبھاؤ نہ ہونے کی صورت میں علیحدگی بہتر ہے

﴿وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّـهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّـهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ (النساء 4: 130)

''اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب حکمت والا ہے۔''

## کفار سے دوستی کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے دوستی کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، یہاں تک فرمایا گیا کہ جو مومن ان سے دوستی کرے گا، وہ اُن ہی میں سے سمجھا جائے گا۔ افسوس کہ آج کے گمراہ مسلمان کفار سے دوستی کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں بالخصوص جابر وفاسق مسلم حکمران سرِعام کفار سے دوستی کے راگ الاپتے ہیں۔

### یہود ونصاریٰ کی خواہشات پر مت چلو

﴿وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (البقرة 2: 120)

''اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔ کہہ دیجیے: بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور آپ کے پاس جو علم آگیا اس کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی پکڑ) سے (بچانے والا) نہ کوئی حمایتی ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔''

### ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنانے والے کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ

''اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے

ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ (اٰل عمرٰن 3:28)

کوئی تعلق نہیں الا یہ کہ تم ان (کافروں کے شر) سے بچنا چاہو۔''

### اہل کتاب کے جس گروہ کی بات مانو گے وہ تمھیں مرتد کر دے گا

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ﴾ (اٰل عمرٰن 3:100)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔''

**ایمان والوں کے سوا کسی اور کو دوست مت بناؤ**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (العمران 3: 118)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پڑو، ان کے دلوں کی دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض و عناد) چھپاتے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔"

**مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنانے والے منافقوں کو دردناک عذاب ہو گا**

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (النساء 4: 138،139)

"(اے نبی!) منافقوں کو خبر دار کر دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ پھر بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔"

**کفار سے دوستی کر کے اللہ کے غضب کو دعوت نہ دو**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا﴾(النسآء 4:144)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت دے دو؟"

**جو یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی رکھے گا وہ انھی میں سے ہے**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدۃ 5: 51)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہو گا۔"

## اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صالح مومنین، ایمان والوں کے دوست ہیں

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (المائدة 5: 56،55)

"تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے (دوستی رکھتا ہے) جو ایمان لائے ہیں، تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔"

## دین کو کھیل بنانے والے اہل کتاب اور کفار کو دوست مت بناؤ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا

مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (المآئدة 5: 57)

ہے، ان لوگوں میں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور جو کافر ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔"

## مومن کافروں کو دوست نہیں بناتے

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (المائدة 5: 81)

"اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا، تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔"

### یہود اور مشرکین اہل ایمان کے بدترین دشمن ہیں

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾(المائدۃ 5: 82)

"(اے نبی!) یقیناً آپ لوگوں میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں سخت ترین یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور اہل ایمان سے دوستی رکھنے میں ضرور قریب ترین ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ان میں کچھ عالم ہیں، کچھ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے۔"

### کافر باپ اور بھائی کو بھی دوست نہ بناؤ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو پسند کریں تو تم (ہرگز) انھیں دوست نہ بناؤ۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائیں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

الظَّالِمُونَ﴾(التوبة 9:23)

### اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے قطعاً محبت نہیں رکھتے

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (المجادلة 58: 22)

"(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، کہ وہ ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ، اور وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں

ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے، وہی فلاح پانے والا ہے۔"

### اللہ اور ایمان والوں کے دشمنوں کو دوست بنانے پر وعید

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ

"اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ حق (سچے دین) کے منکر ہوئے ہیں جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور تمھیں بھی جلاوطن کرتے ہیں، اس لیے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میرے راستے میں نکلے ہو،

مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (الممتحنة 60: 1)

جہاد اور میری رضا ڈھونڈنے کے لیے (تو کفار کو دوست نہ بناؤ)، تم ان کو دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، تو یقیناوہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔"

### جس قوم پر اللہ نے غضب کیا، اس سے دوستی نہ کرو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ﴾ (الممتحنة 60: 13)

"اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب (نازل) کیا، وہ آخرت سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے کفار قبروں والوں (کے جی اٹھنے) سے مایوس ہو گئے۔"

## مال، اولاد اور بیویاں

قرآنِ پاک میں بڑے صاف اور واضح الفاظ میں بتادیا گیا ہے کہ مال، اولاد اور بیویاں ہماری آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ انسان ان کی خاطر نجانے معصیت کے کون کون سے راستے اختیار کر بیٹھتا ہے یہ جانے بغیر کہ اس کا اپنا حساب تو صرف اُسی سے ہو گا، ایک ایسے دن جب کہ ان میں سے کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آئے گا۔

### ایمان والوں کی بھوک اور جان ومال میں کمی کے ذریعے آزمائش ہوگی

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرۃ 2: 155۔157)

"اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

### مال اور جان کی آزمائش ضرور ہوگی

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (العمران 3: 186)

"البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

### مال اور اولاد فتنہ ہیں

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (الأنفال 8:28)

"اور جان لو یقینا تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ ہیں اور (جان لو) بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔"

### نیک لوگوں کے صالح مومن باپ دادا، بیویاں اور اولادیں بھی جنت میں ہوں گی

﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ

"وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔ اور جو جوڑتے ہیں وہ چیز جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے گھبراتے ہیں۔ اور جنھوں نے اپنے رب کے چہرے کی طلب کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ جو کہ ہمیشہ کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ بھی جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوئے۔ اور فرشتے (جنت

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿﴾ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ (الرعد 13: 20۔26)

کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ چیز قطع کرتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) بہت برا گھر ہے۔ اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی پر اِتراتے ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت (حقیر) متاع ہی تو ہے۔"

### مال اور اولاد دنیا ہی کی زینت ہے

﴿ الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ﴾ (الکہف 18: 46)

"مال اور بیٹے تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اور آپ کے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے اعتبار سے (بھی) بہتر ہیں۔"

### قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ (الشعرآء 26:214)

"اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔"

### نیک افراد اور ان کی بیویاں سائے میں ہوں گی

﴿ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴾ (یٰس 36: 56)

وہ اور ان کی بیویاں سائے میں تختوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔""""

**اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو خسارے میں ڈالنے والے**

﴿قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾(الزمر 39:15)

"کہہ دیجیے: حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔"

**اللہ جسے چاہے اولاد عطا کرے جسے چاہے بانجھ رکھے**

﴿لِّلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (الشوریٰ 42: 49،50)

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت قدرت والا ہے۔"

**نیک والدین اور اولاد جنت میں جا ملیں گے**

﴿مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ (الطور 52: 20۔22)

"جبکہ وہ باہم برابر بچھے تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، اور ہم انھیں سیاہ سفید موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان سے ملا دیں گے، اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی ہے۔ اور وہ جو چاہیں گے ان میں سے ہم انھیں (ہر طرح کے) پھل اور گوشت وافر دیں گے۔"

**اللہ تعالیٰ اہل جنت کو نہایت خوبصورت کنواری بیویاں عطا فرمائے گا**

﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿﴾ لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ﴾ (الواقعة 56: 35۔38)

"بلاشبہ ہم ان (کی بیویوں) کو ایک نئے سرے ہی سے پیدا کریں گے۔ پس ہم انھیں کنواریاں بنائیں گے۔ من موہنی، ہم عمر۔ دائیں ہاتھ والوں کے لیے۔"

**مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾(المنٰفقون 9:63)

"اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

**" ایمان والوں کی بیویوں اور اولاد میں سے بعض ان کے دشمن ہیں**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾(التغابن 64: 14.15)

"اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، لہٰذا تم ان سے محتاط رہو۔ اور اگر تم معاف کر دو اور در گزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔ بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں۔"

**خود بچنے اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانے کا حکم**

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ

"اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل وعیال کو اس

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم 6:66)

آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر تند مزاج اور سخت گیر فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔"

**نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں جہنم میں اور فرعون کی بیوی جنت میں جائے گی**

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ

قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (التحریم 66: 10، 11)

''کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں، تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی، پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں کچھ کام نہ آئے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا: (اے) میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔''

### قیامت کے دن انسان اپنے ماں باپ اور بال بچوں سے بھی بھاگے گا

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ

''اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھی)۔ ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہو گا

يُغْنِيهِ﴾ (عبس 80: 34۔37)

جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔''

### قیامت کے دن جس کا حساب آسان... اور جس کا معاملہ برعکس ہو گا

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ﴾ (الانشقاق 84: 7۔14)

''پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹے گا۔ اور جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ پیچھے دیا گیا۔ تو وہ عنقریب تباہی کو دعوت دے گا۔ اور وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش تھا۔ بے شک اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا۔''

# رزق

اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاتُلا دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مختلف لوگوں کو ایک دوسرے سے زیادہ یا کم رزق اس لیے عطا فرمایا تاکہ جو کچھ ان لوگوں کو دیا گیا ہے اس سے وہ ان کی آزمائش کرے۔ دنیا کے مباہات پر بھی اعتدال سے خرچ کرنا چاہیے۔ مباحاتِ دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ یعنی جس طرح بندے پر رب کا حق ہے اسی طرح اس پر اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، انسان کو چاہیے کہ ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرے۔

## کافروں کے لیے دنیا کی زندگی سجادی گئی ہے

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (البقرة 2: 212)

"جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے دنیا کی زندگی سجادی گئی ہے اور وہ ان لوگوں سے مذاق کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں اور جو لوگ متقی ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بلند مرتبہ ہونگے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔"

## مریم علیہا السلام کو محراب میں رزقِ ربانی پہنچتا رہا

﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (العمران 3: 37)

"چنانچہ اس کے رب نے اس (لڑکی) کو اچھے طریقے سے قبول کرلیا اور اس کی بہت اچھی پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنادیا۔ زکریا جب بھی محراب میں داخل ہوتے تو اس کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے، وہ کہتے: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آئیں؟ وہ کہتی: یہ اللہ کی طرف سے (آئی) ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

## اللہ نے آزمائش کے لیے بعض کو بعض پر اونچے درجے عطا کیے

﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ﴾ (الانعام 6: 165)

"اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر اونچے درجے عطا کیے تاکہ وہ تمھیں ان نعمتوں میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیں۔"

**اللہ جسے چاہے کُھلا اور جسے چاہے نپا تُلا رزق دیتا ہے**

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ (الرعد 13: 26)

"اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی پر اِتراتے ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت (حقیر) متاع ہی تو ہے۔"

**قارون کو نصیحت کی گئی کہ اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے تُو بھی لوگوں پر احسان کر**

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ

"اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ مت بھول اور تو (لوگوں سے) ایسے احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر

إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (القصص 28: 77)

احسان کیا ہے اور تو زمین میں فساد نہ کر، بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

**اللہ جسے چاہے اس کا رزق کُشادہ کر دیتا ہے۔ اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے**

﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ (سبا 34: 39)

"کہہ دیجیے: بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے (چاہے) اور تم کوئی چیز بھی خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

**اللہ جس کے لیے چاہے رزق کُشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے**

﴿أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الزمر 39: 52)

''کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔''

## دنیا کے حریص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ﴾(الشوریٰ 42:20)

''جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

## اللہ تمام بندوں کا رزق فراخ کر دیتا تو وہ سرکشی پر اتر آتے

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾ (الشوریٰ 42:27)

''اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور سرکشی کرتے، لیکن وہ اس اندازے سے (رزق) نازل کرتا ہے جتنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے، (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے۔''

## دنیوی درجات میں ایک کو دوسرے پر برتری دینے کی حکمت

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (الزخرف 43:32)

''ہم ہی نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم ہی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنالیں اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

# غصب شدہ زمین پر قبرستان کا حکم

سوال:..... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ کیا کسی شہری کی ذاتی ملکیت اراضی پر اس کی مرضی کے بغیر قبرستان بنایا جاسکتا ہے؟

سوال:..... اور کیا مسلمان اور عیسائی ایک قبرستان میں دفن کیے جاسکتے ہیں؟

سوال:..... اور جو افراد اس میں ملوث ہیں ان کے لیے شرعی سزا کیا ہے؟

سوال:..... اور مالک کو کیا اس کی زمین واپس ملنی چاہیے؟ اور باوجودیکہ علاقے میں اس زمین کے علاوہ (۳) تین قبرستان بھی موجود ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

سوال:..... اور کیا ان میں دفن مردوں کو قبروں سے نکالا جا سکتا ہے؟ شریعت کے مطابق فیصلہ درکار ہے۔ (سائل: محمد نعیم شہزاد گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی لاہور)

**((جواب بعون الوہاب ومنه الصدق والصواب))**

بشرط صحت سوال یعنی اگر سوال واقعہ کے عین مطابق ہے تو یہ کارروائی غاصبانہ کارروائی ہے جو شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ اور کارروائی کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

"ایک دوسرے کا مال نقدی (اراضی) باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ الله صلی الله علیه وسلم خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ فَاِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ))[1]

"بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں۔"

نیز فرمایا:

((مَنِ اقْتَطَعَ مِنَ الْاَرْضِ شِبْرًا ظُلْمًا يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ))[2]

"جو شخص کسی کی زمین میں سے ایک بالشت کے برابر ناجائز قبضہ کرتا ہے، قیامت کے دن اس کو زمین کی سات تہوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ بِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ))[3]

"ظالم رگ (محنت اور پسینہ) کا کوئی حق نہیں۔"

ان احادیث صحیحہ سے علماء نے حسب ذیل احکام مستنبط فرمائے ہیں۔

(۱)..... غاصب پر لازم ہے کہ غصب کردہ چیز واپس کرے اور اگر وہ چیز ضائع ہوئی ہے تو اس کی مثل دے۔ اگر اس کی مثل نہیں تو اس کی قیمت ادا کرے۔

(۲)..... اگر غاصب نے غصب شدہ چیز کو عیب دار کر دیا ہے جس سے اس کی افادیت ختم ہو گئی تو وہ اس کی مثل واپس کرے اور غصب شدہ چیز اپنے پاس رکھے۔ اگر مثل دینا اس کے لیے ناممکن ہو تو وہ معیوب چیز واپس کرے اور نقصان کی قیمت ادا کرے۔

(۳)..... اگر غصب شدہ زمین پر غاصب نے عمارت تعمیر کر لی (جیسا کہ اس پلاٹ پر قبریں کھڑی کر دی ہیں) یا باغ لگا دیا تو وہ عمارت منہدم کرے اور درخت کاٹ لے اور زمین کو اسی حالت پر درست کر کے واپس کرے، جیسا کہ پہلے تھی۔[4]

[1]صحیح بخاری، باب الخطبه ایام منی، ج:۱، ص: ۲۳۴۔ [2] صحیح بخاری، مشکوۃ، ص: ۲۵۴۔ باب الغصب والعاریة۔ [3] سنن ابی داؤد، سنن دار قطنی، مشکوۃ، ص: ۲۵۵۔ [4] میری رائے یہ ہے کہ مسلمان مدفون مردوں کے احترام کے پیش نظر قبریں نہ اکھاڑی جائیں اور زمین کے مالک کو بازار کی ویلیو کے مطابق قیمت ادا کر دی جائے اور مالک زمین کو بھی مردوں کے احترام کے پیش نظر قیمت وصول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

جواب(۱):..... مندرہ بالا احادیث و قرآن سے ثابت ہوا کہ کسی شہری یا دیہاتی کی ملکیتی زمین رہائشی ہو یا زرعی پر غاصبانہ قبضہ ظلم صریح، گناہ کبیرہ اور قوانین اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا غصب شدہ پلاٹ کو قبرستان میں تبدیل کرنا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔

جواب(۲):..... غیر مسلم خواہ عیسائی ہو یا ہندو، یہودی یا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ہرگز جائز نہیں۔ جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ سیّدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

((اِنَّهٗ دُفِنَ اِمْرَأَةٌ نَصْرَانِيَّةٌ فِيْ بَطْنِهَا وَلَدٌ مُسْلِمٌ فِيْ مَقْبَرَةٍ لَيْسَتْ بِمَقْبُرَةِ النَّصَارٰی وَلَا الْمُسْلِمِيْنَ)) [1]

"ایک نصرانی عورت جس کے بطن میں اس کے مسلمان شوہر کے نطفہ سے مسلمان بچہ تھا کو ایسے مقبرہ میں دفن کیا گیا جو نہ تو عیسائیوں کا قبرستان تھا اور نہ مسلمانوں کا قبرستان تھا۔" امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے:

((اِخْتَارَ ہٰذَا الْاِمَامُ اَحْمَدُ لِاَنَّهَا كَافِرَةٌ لَا تُدْفَنُ فِيْ مَقْبَرَةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَتَاَذَّوْا بِعَذَابِهَا وَلَا فِيْ مَقْبَرَةِ الْكُفَّارِ لِاَنَّ وَلَدَهَا مُسْلِمًا فَيَتَاَذّٰى بِعَذَابِهِمْ))[2]

"امام احمد رحمہ اللہ نے یہ رائے اس لیے اختیار فرمائی ہے کہ غیر مسلم میت کو اگر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا تو اس کے عذاب کی وجہ سے مسلمان مقبورین کو ایذاء پہنچتی اور اگر اس عورت کو کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا تو اس کے پیٹ میں مسلم بچے کو کافروں کے عذاب سے ایذا پہنچتی۔" بہر کیف اس روایت سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو مسلم مقبرہ میں دفن کرنا جائز نہیں۔ مزید یہ کہ غیر مسلم زندہ انسان کو السلام علیکم ابتدائً کہنا جائز نہیں اور اس کے احترام میں راستہ چھوڑنا

[1]فقہ السنہ، ص: ۱، ص: ۴۷۱۔ [2] فقہ السنہ، ج: ۱، ص: ۴۷۱۔

جائز نہیں۔ بلکہ اس کو احساس دلانے کے لیے اس کا راستہ تنگ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ احادیث میں مصرح ہے کہ اس طرح اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اسی طرح مسلم مقبرہ میں اس کو دفن کرنا اس کو ایک اعزاز دینا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمان میتوں کے لیے استغفار کا حکم ہے۔ جبکہ غیر مسلم کو آگ کی بشارت دینے کا حکم ہے۔ (طبرانی)

ان وجوہات کی بنیاد پر غیر مسلم کو خواہ وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو مسلم مقبرہ میں دفن کرنا ہرگز جائز نہیں۔

جواب (۳):..... ایسے افراد کے لیے شرعی سزا متعین اور مقرر نہیں۔ مجاز عدالت بطور تعزیر اپنی صوابدید کے مطابق مناسب سزا تجویز کر سکتی ہے۔ یہ مجاز مسلم عدالت کا منصب ہے مفتی کا نہیں۔

جواب (۴):..... مالک کو اس کی زمین یا اس کی رائج الوقت قیمت ضرور ملنی چاہیے اور مسلم مجاز عدالت کا فرض ہے کہ اس مظلوم مالک کی مدد کرے۔ جواب (۵):..... کسی کے ذاتی پلاٹ کو اس کی رضامندی کے بغیر قبرستان میں تبدیل کرنا شرعاً قطعاً جائز نہیں، یہ سراسر ظلم اور غصب ہے۔ جواب (۶):..... مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر تعمیر کی گئی تھی۔ رہا مسلمان میت کی قبر کو اکھاڑنا تو یہ عام حالات میں جائز نہیں۔ تاہم فقہاء اسلام نے سخت ضرورت کی بنیاد پر مسلمان کی قبر کو اکھاڑنا جائز قرار دیا ہے۔ لیکن زیر بحث قبروں کے بارے عدالت جو فیصلہ کرے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ورنہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا بذات خود جرم ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

## قبر لحد سنت ہے:

قبر دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک شق جو قبر کا سینہ چیر کر درمیان میں بنائی جاتی ہے، اور قبر کے مغربی حصے کے نیچے اسامی کھودنے کو لحد کہتے ہیں۔ اگرچہ شق بھی جائز ہے مگر لحد مسنون ہے۔ تاہم سیم زدہ علاقوں میں شق زیادہ مناسب ہے۔

## پختہ قبر بنانا جائز نہیں:

((عَنْ اَبِیْ الْهَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ رضی اللّٰه عنه قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنْ لَا تَدَعْ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ))[1]

"سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو الھیاج الاسدی کو کہا کہ کیا میں تجھے اس کارنامہ کو سرانجام دینے کے لیے نہ بھیجوں کہ جس کارنامہ کی تکمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روانہ فرمایا تھا، کہ کوئی مورتی مٹائے بغیر اور کوئی اونچی قبر ڈھائے بغیر مت چھوڑنا۔"

دوسری حدیث کے مطابق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تمام مورتیوں اور پکی قبروں کو مسمار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفصل رپورٹ دیتے ہوئے کہا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَدَعْ بِهَا وَثَنًا اِلَّا کَسَرْتُهٗ وَلَا قَبْرًا اِلَّا سَوَّیْتُهٗ وَلَا صُوْرَةً اِلَّا لَطَخْتُهَا))

"کہ آقا میں تمام بت توڑ آیا ہوں اور تمام قبریں زمین کے ساتھ ہموار کر آیا ہوں اور سب تصویریں پھاڑ آیا ہوں۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رپورٹ سن کر فرمایا:

((مَنْ عَادَ اِلٰی صَنْعَةِ شَیْئٍ مِنْ هٰذَا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم))[2]

"سنو جو شخص ان کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے گا تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ اختلاف کیا۔"

## امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَیْخٌ لَنَا یَرْفَعُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنَّهٗ

[1]صحیح مسلم، ص: ۳۱۲، ج: ۱۔ [2] مسند احمد، ص ترغیب، ص: ۴۴، ج: ۴۔

نَهٰی عَنْ تَرْبِیْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِیْصِهَا)) [1]

"امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کے حوالے سے ایک مرفوع حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چار کونہ اور پکی بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

### امام محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((نَکْرَہُ اَنْ یُّجَصَّصَ اَوْ یَطِیْنَ اَوْ یُجْعَلَ عِنْدَہٗ مَسْجِدًا اَوْ عَلَمًا اَوْ یُکْتَبَ وَیَکْرَہُ الْاٰجَرَ اِنَّہٗ نَھٰی عَنْ تَرْبِیْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِیْصِھَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٖ نَاْخُذُ وَہُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ))[2]

"قبر کو چونا گچ کرنا۔ اس کی لپائی کرنا یا اس کے پاس مسجد بنانا، نشان لگانا اور اس پر کچھ لکھنا اور اس کو چوسر بنانا منع ہے۔ ہمارا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔"

### فقیہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((وَیَکْرَہُ اَنْ یُّبْنٰی عَلَی الْقَبْرِ اَوْ یُقْعَدَ عَلَیْہِ اَوْ یُنَامَ عَلَیْہِ اَوْ یُعْلَمَ بِعَلَامَۃٍ مِنْ کِتَابَۃٍ وَنَحْوِہٖ لِحَدِیْثِ جَابِرٍ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ نَھٰی اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ اَوْ یُقْعَدَ عَلَیْہِ وَاَنْ یُّبْنٰی وَاَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْہِ))[3]

"قبر پر عمارت بنانا، اس پر بیٹھنا، اس پر نیند کرنا یا کتبہ وغیرہ کے ساتھ نشان لگانا وغیرہ سب حرام ہے۔ جیسے کہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبر کو چونا گچ کرنا، اس پر بیٹھنا، عمارت کھڑی کرنا اور کتبہ لگانا منع ہے۔" اب ان دلائل کے باوجود پکی قبریں اور ان پر عمارتیں بنانا کیا اسلام کے اُصولوں کے مطابق قرار دیا جائے گا؟

[1]کتاب الاثار امام محمد، ص: ۴۲۔ [2]کتاب الآثار امام محمد، ص: ۴۲۔ [3] تبیین الحقائق، ص: ۲۴۶، ج: ۱۔ علامہ فخر الدین عثمان زیلعی حنفی۔

## پکی قبر خلاف شریعت کام ہے

سوال:..... کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱)..... ایک آدمی کا تابوت انگلینڈ سے لایا گیا اس میت کے پیر صاحب نے اس تابوت کو کھولا اور اپنا کلہ اس میت کے سر پر رکھا، اور پھر اپنی پہنی ہوئی شلوار اس کو پہنائی، حالانکہ کفن پہنایا ہوا تھا۔

(۲)..... پھر اس تابوت کو زمین میں قبر کھود کر دفنانے کی بجائے زمین کے اوپر سیمنٹ اور کنکریٹ ڈال کر اسی کے اوپر رکھ دیا گیا، اور اس کے چاروں طرف پکی اینٹوں کی دیوار بنادی گئی۔ شرعی لحاظ سے کیا ایسی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳)..... اگر اس قبر کو جو اوپر بیان کی گئی ہے کوئی گرا دے یا مسمار کر دے۔ کیا شرعی لحاظ سے اس پر کوئی گناہ تو لازم نہیں؟ ان تمام باتوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دے کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ (سائل: فرمان شاہ اٹک)

**الجواب بعون الوہاب:** (۱)..... میت کے تابوت کو بلاضرورت خاصہ کھولنا اور پھر مکفن میت کے سر پر کلہ رکھنا اور شلوار پہنانا یہ دونوں باتیں کتاب وسنت اور فقہ حنفی اور تعامل امت کے سراسر خلاف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پیر صاحب نے یہ دونوں کام اپنی بزرگی کے اظہار کے لیے کیے ہیں یا پھر یہ جتلانے کے لیے کہ میرے یہ کپڑے بڑے متبرک اور مقدس ہیں۔ ان کی وجہ سے میت کو قبر میں سہولت اور سوال وجواب میں آسانی رہے گی۔ حالانکہ خود پیر صاحب کو اپنے انجام کا کوئی علم نہیں۔ کیونکہ قبر میں سوائے اپنے نیک اعمال کے کوئی دوسری چیز کام نہیں آئے گی۔

صحیح بخاری میں سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

((فَاِنَّمَا يُظِلُّهُ عَمَلُهُ))[1]

’’میت کا نیک عمل ہی اس پر سایہ کرے گا۔‘‘

پیر صاحب کا یہ عمل خلاف سنت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں، تین بیٹے اور آپ کی چہیتی بیوی خاتون جنت ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حمزہ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وغیرھم جیسے جان نثار اور مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم فوت ہوئے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کے سر پر اپنی دستار مبارکہ رکھی اور نہ کسی دوسرے فوت شدہ صحابی کے سر پر رکھی اور نہ کسی کو اپنا تہبند ہی پہنایا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اور آپ کا تہبند پیر صاحب کے عمامہ اور شلوار سے کہیں زیادہ متبرک اور مقدس تھے۔ لہٰذا پیر کا یہ فعل خود نمائی ہی کے زمرہ میں آتا ہے جو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہرکیف پیر صاحب کا یہ فعل قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے۔

(۲)..... زمین میں گڑھا کھود کر اس کے مغربی کنارہ کے نیچے لحد تیار کر کے اس میں میت کو دفن کرنا سنت ہے، جیسا کہ صحاح ستہ اور فقہ حنفی کی کتب میں صراحت ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری باب اللحد والشق، ج: ۱، ص: ۱۸۰ قبر لحد یا پھر قبر صندوقی (شق) ہونا چاہیے جو گڑھے کے وسط میں بنائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللَّحْدُ لَنَا وَالشِّقُّ لِغَيْرِنَا))

’’لحد ہمارے لیے ہے اور شق دوسروں کے لیے ہے۔‘‘

[1] صحيح بخاری، باب الجريد على القبر، ج: ۱، ص: ۱۸۱۔

اور ہدایہ اولین ص ۱۸۲ میں ہے:

((وَيُلْحَدُ لِقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم اَللَّحْدُ لَنَا وَالشِّقُّ لِغَيْرِنَا وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْكَعْبَةَ))

احناف کی اس معتبر کتاب (ہدایہ) سے ثابت ہو الحد سنت ہے اور میت کو قبلہ کی جانب سے لحد میں اتارا جائے، یدخل کا معنی داخل کیا جائے یا اتارا جائے نہ یہ کہ میت کے تابوت کو زمین کی سطح پر رکھ کر اس کے اوپر قبر بنائی جائے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پیر صاحب قرآن وحدیث، حنفی فقہ اور تعامل امت کے متعلق کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دُعا ہی کی جاسکتی ہے۔

## پکی قبر بنانا اسلام کے خلاف ہے

کنکریٹ اور سیمنٹ سے قبر بنانا بدعت، کبیرہ گناہ بلکہ اسلام کے خلاف ہے۔ حضرت ابوالہیاج الاسدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنْ لَا تَدَعْ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ))[1]

"کہ مجھے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں آپ کو اس کام کو کرنے کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ کہ کوئی مورتی مٹائے بغیر اور کوئی اونچی قبر گرائے بغیر نہ چھوڑنا۔" دوسری روایت کے مطابق جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تمام مورتیوں اور قبروں کو مسمار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفصل رپورٹ پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ عَادَ اِلٰی صَنْعَةِ شَیْئٍ مِنْ هٰذَا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم))[2]

[1]صحیح مسلم، ج: ۱۔ ومشکوۃ، ص: ۱۴۸۔ [2] مسند احمد بحوالہ الترغیب والترہیب، ج: ۴، ص: ۴۴۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! لوگوں میں سے جو شخص اونچی اور پکی قبر بنائے گا تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی خلاف ورزی کی۔" اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ پکی قبر بنانا خلاف شریعت فعل ہے۔ اب چند حنفی فتاویٰ بھی پڑھ لیجئے:

### ۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَیْخٌ لَنَا یَرْفَعُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّهٗ نَهٰی عَنْ تَرْبِیْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِیْصِهَا))[1]

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوسر قبر اور اس کو پکی بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

### ۲۔ مفتی قاضی خاں حنفی کا فتویٰ:

((رُوِيَ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ وَلَا يُجَصَّصُ الْقَبْرُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ))[2]

"حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قبر کو نہ چونا گچ کیا جائے اور نہ اس پر عمارت کھڑی کی جائے۔"

### ۳۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((نَكْرَهُ اَنْ يُّجَصَّصَ اَوْ يَطِيِّنَ اَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهٗ مَسْجِدٌ اَوْ عَلَمٌ اَوْ يُكْتَبَ وَيَكْرَهُ الْاٰجُرُ اِنَّهٗ نَهٰى عَنْ تَرْبِيْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِيْصِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ))[3]

"قبر کو چونا گچ کرنا (پکی قبر بنانا) اس کی لپائی کرنا۔ اس کے پاس مسجد تعمیر کرنا، اس پر نشان کھڑا کرنا، اس پر کتبہ لگانا پکی اینٹ لگانا اور اس کو چوسر بنانا وغیرہ

[1] کتاب الآثار امام محمد، ص: ۴۶۔ فتاویٰ شامی حنفی، ج: ۱، ص: ۶۰۱۔ وفتح القدیر شرح ہدایۃ، ج: ۲، ص: ۲۱۔ [2] فتاویٰ قاضی خاں، ص: ۱۹۴، ج: ۱۔ [3] کتاب الآثار امام محمد، ص: ۴۲۔

سب باتیں منع اور ناجائز ہیں۔ ہمارا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔"

### ۴۔ فقیہ فخر الدین عثمان زیلعی حنفی کا فتویٰ:

((وَيَكْرَهُ اَنْ يُّبْنٰى عَلَى الْقَبْرِ اَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ اَوْ يُنَامَ عَلَيْهِ اَوْ يُعْلَمَ بِعَلَامَةٍ مِنْ كِتَابَةٍ وَنَحْوِهٖ لِحَدِيْثِ جَابِرٍ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهٰى اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ اَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ))[1]

"قبر پر عمارت بنانا اس پر بیٹھنا، اس پر نیند کرنا یا کتبہ وغیرہ کے ساتھ نشان لگانا وغیرہ سب حرام ہے۔ جیسے کہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبر کو چونا گچ کرنا، اس پر بیٹھنا، عمارت کھڑی کرنا اور کتبہ لگانا منع ہے۔"

### ۵۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یہ فتاویٰ ملا نظام کی سربراہی میں پانچ صد حنفی مفتیوں کا مصدقہ فتاویٰ ہے:

((يُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُرَبَّعُ وَلَا يُجَصَّصُ كَذَا فِي التَّبْيِيْنِ وَيَكْرَهُ اَنْ يُّبْنٰى عَلَى الْقَبْرِ مَسْجِدٌ اَوْ غَيْرُهٗ))[2]

"قبر کوہان نمابنائی جائے، چو سر نہ بنائی جائے اور نہ اس کو چونے کے ساتھ پختہ بنایا جائے اور نہ اس پر مسجد وغیرہ تعمیر کی جائے۔"

## ٦۔ قاضی ثناءاللہ حنفی پانی پتی کی فتویٰ:

آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنامی کند وچراغاں روشن مے کنند وازیں قبیل ہر چہ میکند حرام است یا مکروہ۔(ملالا بد منہ، ص: ۷۲) قبروں پر جو فلک بوس مقبرے بنائے جاتے ہیں اور چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور اس

[1]تبیین الحقائق، ج: ۱، ص: ۲۴۶۔ [2] عالمگیری، ج: ۱، ص: ۱۶۶۔

قسم کی دوسری خرافات وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔(۷) فقہ حنفی کی مشہور اور متداول آخری درسی کتاب ہدایہ ج: ۱، ص: ۱۷۳ میں ایک بالشت سے اونچی اور پکی قبر بنانے کو بھی ناجائز لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوا کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پکی قبر بنانے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں لہٰذا امام ابو حنیفہ، امام محمد اور دیگر اکابر مفتیان احناف کے مذکورہ بالا فتاویٰ کے مطابق قبر کو زمین کی سطح پر بنانا۔ اس کو پختہ بنانا کنکریٹ اور سیمنٹ کے ساتھ تعمیر کرنا اور بالشت سے زیادہ اونچی بنانا سب حرام چیزیں ہیں۔ لہٰذا اس نام نہاد پیر کے مذکورہ تینوں کام خلاف سنت اور حرام ہیں، نیز اسلامی تعلیمات سے اس کی جہالت کا آئینہ دار ہیں۔

## قبر کی اونچائی:

قبر کو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچا نہ کیا جائے۔ زمین سے ہموار بھی نہ رہے تا کہ پہچان رہے اور حفاظت رہے، توہین نہ ہو۔ دلیل یہ ہے:

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اُلْحِدَ لَهٗ لَحْدٌ وَنُصِبَ عَلَيْهِ اللَّبِنُ نَصْبًا وَرُفِعَ قَبْرُهٗ مِنَ الْاَرْضِ نَحْوًا مِنْ شِبْرٍ))[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد تیار کی گئی۔ اس پر کچی اینٹیں لگائی گئیں اور زمین سے ایک بالشت کے برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اونچی کی گئی۔"

## میت کو قبر میں کس طرح داخل کیا جائے؟

میت کو قبر کے پائنتی کی طرف سے داخل کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ابو اسحاق سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے میت کو قبر کے پائنانے سے قبر میں داخل کیا اور کہا کہ اس طرح قبر میں میت کو اتارنا سنت ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ

[1]صحیح ابن حبان، سنن البیہقی، ج: ۳، ص: ۴۱۰۔ سند قابل اعتماد ہے۔

میت کو قبلہ کی طرف سے داخل کیا جائے۔

## لحد میں داخل کرتے وقت:

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مردے کو قبر میں اتارو تو ((بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ)) پڑھو اور ایک روایت میں: ((بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ)) بھی آیا ہے۔[1]

## مٹی ڈالتے وقت مِنْہَا خَلَقْنٰکُمْ پڑھنا:

احادیث شریفہ کے مطابق سر کی طرف کھڑے ہو کر تین مٹھی مٹی قبر پر ڈالنا سنت ہے۔ سبل السلام۔ علماء حنفیہ نے لکھا ہے کہ قبر میں مٹی کی پہلی مٹھی ڈالتے وقت ((مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ)) اور دوسری مٹھی پر ((وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ)) اور تیسری مٹھی کے وقت ((وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى)) پڑھنا مستحب ہے۔[2]

لیکن جناب ملا علی قاری نے اس تقسیم کا جس ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے، اس میں ترتیب و تقسیم کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر ذکر بھی ہوتا تو تب بھی اس حدیث سے استدلال نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی عبد اللہ بن زحر سخت ضعیف بلکہ اثبات (ثقہ راویوں) سے موضوع احادیث روایت کیا کرتا تھا اور اور دوسرا ابن جدعان متکلم فیہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ضعیف روایت فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں ہوتی۔ فتدبر

## دفن کے بعد دعا:

میت کو دفن کر چکنے کے بعد اس کے حق میں حساب کی آسانی اور ثابت قدمی کے لیے اجتماعی صورت میں دعا کرنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے:

((عَنْ عُثْمَانَ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ

[1] عن المعبود، ص: ۲۰۶، ج: ۱۔ [2] مرقات المفاتیح، ص: ۷۶، ج: ۴۔ طبع ملتان۔

الْاٰنَ يُسْئَلُ))[1]

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس قبر پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیتے کہ اپنے بھائی کے لیے بخشش اور ثابت قدمی کی دعا مانگو کیونکہ اب اس کا حساب ہو رہا ہے۔"

**مروجہ تلقین ناجائز ہے:**

آج کل یہ رواج عام ہو رہا ہے کہ قبر مکمل کرنے کے بعد میت کو کلمہ شہادت اور سوال وجواب کے بارے میں تلقین کی جاتی ہے۔ اہل حدیث کی طرح علماء احناف کے نزدیک بھی یہ تلقین بدعت ہے۔

**علامہ عثمان زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:**

((''تلقین الشھادۃ'' لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَقِّنُوْا مَوْتٰكُمْ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمُرَادُ مَنْ قَرُبَ الْمَوْتَ..... اِخْتَلَفُوْا فِيْ تَلْقِيْنِهٖ بَعْدَ الْمَوْتِ فَقِيْلَ يُلَقَّنُ وَالظَّاهِرُ مَارَوَيْنَا))[2]

حدیث میں جس تلقین کا حکم ہے اس سے مراد قریب الموت آدمی کو کلمہ شہادت کی تلقین مراد ہے اور یہی صحیح ہے۔

موت کے بعد تلقین ثابت نہیں۔

**پانچ صد حنفی فقہاء کا متفقہ فتویٰ:**

((اَمَّا بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُلَقَّنُ عِنْدَنَا لِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَذَا فِي الْعَيْنِيْ شرح ہدایه ومعراج الدرایه))[3]

ظاہر روایت کے مطابق موت (دفن) کے بعد تلقین (منکر ونکیر کے جوابات کی یاد دہانی) جائز نہیں۔

**شاہ اسحاق کا فتویٰ:**

''امام تلقین میت بعد از موت پس دراں اقاویل علماء است در ظاہر

[1] رواہ ابو داؤد بحوالہ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر۔ [2] تبیین الحقائق، ص: ۲۳۷، ج: ۱۔ [3] فتاوی عالمگیری، ص: ۱۵۷، ج: ۱۔

روایت آں است کہ تلقین نہ کنند۔'' [1]

موت کے بعد تلقین میت کے متعلق علماء نے قیل قال کی ہے مگر ظاہر روایت کے مطابق موت کے بعد تلقین منع ہے۔

اعتراض:..... امام طبرانی رحمہ اللہ نے سیّدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

((فَلْيَقُلْ اُذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِنَّکَ رَضِيْتَ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا))[2]

اس حدیث سے تلقین بعد دفن میت مسنون ثابت ہوتی ہے۔

جواب:..... یہ روایت ضعیف ہے بلکہ بعض موضوع کہتے ہیں۔

((فَهٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ رَفْعُهٗ))[3]

یہ حدیث مرفوع ثابت نہیں۔

((قَالَ الْهَيْثَمِيْ بَعْدَ سِيَاقِهٖ مَا لَفْظُهٗ اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ جَمَاعَةٌ لَمْ اَعْرِفْهُمْ وَفِيْ هَامِشِهٖ فِيْهِ عَاصِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ ضَعِيْفٌ حَدِيْثُ التَّلْقِيْنِ لَا يَشُكُّ اَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيْثِ فِيْ وَضْعِهٖ))[4]

اس حدیث کی سند کے اکثر راوی مجہول ہیں۔ تلقین کی یہ حدیث محدثین کے نزدیک بلاریب موضوع اور جعلی ہے۔

## قبر پر اذان بدعت ہے:

اذان بلاشبہ توحید کا مرقع اور اسلام کا شعار ہے۔ لیکن قبر پر بعد دفن میت کے اذان دینا بدعت ہے اور خود مفتیان احناف نے قبر پر اذان کو بدعت لکھا ہے۔

[1]مسائل اربعین، ص: ۲۱۔ [2] زاد المعاد، ص: ۱۴۵، ج: ۱۔ [3] زاد المعاد، ص: ۱۴۵، ج: ۱۔ [4] سبل السلام، ص: ۱۱۳، ج: ۱۔

## علامہ کمال ابن الہمام حنفی کا فتویٰ:

((وَيُكْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ كُلُّ مَا لَمْ يُعْهَدْ مِنَ السُّنَّةِ الْمَعْهُوْدِ مِنْهَا لَيْسَ اِلَّا زِيَارَتُهَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا كَمَا كَانَ يَفْعَلُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْبَقِيْعِ))[1]

’’قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور سنت سے ثابت صرف یہ ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور کھڑے ہو کر قبر والے کے حق میں دعاء خیر کی جائے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں دعا کرتے تھے۔‘‘

### علامہ ابن عابدین شامی کا فتویٰ:

((وَفِي الْاِقْتِصَارِ عَلٰى مَا ذُكِرَ مِنَ الْوَارِدِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ لَا يَسُنُّ الْاَذَانُ عِنْدَ اِدْخَالِ الْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ كَمَا هُوَا الْمُعْتَادُ الْاٰنَ وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ فَتَاوَاهُ بِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَقَالَ مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ سُنَّةٌ قِيَاسًا عَنْ نُدْبِهَا لِلْمُوْلُوْدِ اِلْحَاقًا لِخَاتَمَةِ الْاَمْرِ بِابْتِدَائِهٖ فَلَمْ يُصِبْ وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِ نَا وَغَيْرِهِمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِيْ خُصُوْصِ هٰذَا الْمَوْضِعِ))[2]

یعنی زیارت اور دعا پر اکتفا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنا جیسا کہ آج کل یہ رواج چل نکلا ہے مسنون نہیں اور ابن حجر (مکی) نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ اذان خلاف سنت ہے اور جس نے خاتمہ کو پیدائش کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے اس اذان کو پیدائش والی اذان پر قیاس کیا ہے، اس نے ٹھوکر کھائی ہے۔

### فتاویٰ عالمگیری:

((وَيَكْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ مَالَمْ يَعْهَدْ مِنَ السُّنَّةِ وَالْمَعْهُوْدُ مِنْهَا لَيْسَ

[1]فتح القدیر، ص: ۴۷۳، ج: ۱۔ البحر الرائق، ص: ۱۹۶، ج: ۲۔ [2] رد المختار، ص: ۸۳۷، ج: ۱۔ فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۴۵۔ احسن الفتاویٰ، ص: ۱۱۸۔

اِلَّا زِيَارَتُهَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَهٗ قَائِمًا كَذَا فِى الْبَحْرِ الرَّائِقِ))[1]

"قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور سنت سے ثابت صرف یہ ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور کھڑے ہو کر قبر والے کے حق میں دعا خیر کی جائے جیسے آپ جنت البقیع جا کر دعا کرتے تھے۔"

### مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا فتویٰ:

درر بحار میں ہے:

((مِنَ الْبِدَعِ الَّتِيْ شَاعَتْ فِيْ بِلَادِ الْهِنْدِ الْاَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ))[2]

"ہندوستان کی مروجہ شریعت کی خلاف ورزیوں میں سے ایک خلاف ورزی یہ بھی ہے کہ دفن کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے۔"

مغالطہ:..... چونکہ بقول حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) قبر میں حساب وکتاب کے وقت شیطان آکر کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: شیطان اذان سے بھاگتا ہے۔ تو یہ اذان خاص احادیث سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی۔[3]

جواب:..... موت واقع ہو جاتے ہی انسان تکلیفی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکتا ہے۔ لہٰذا قبر میں شیطان کے بہکانے کی کیا تک ہے۔

دوسرا مغالطہ:..... مفتی احمد یار گجراتی لکھتے ہیں بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ حدیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر

[1] فتاویٰ عالمگیریہ، ص: ۱۶۶، ج: ۱۔ ماۃ مسائل، ص: ۳۳۔ [2] فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۴۵۔ [3] ایذان الاجر فاضل بریلوی، ص: ۳۔

کچھ بڑھادے تو جائز ہے۔[1]

جواب:..... شرعی امور میں اپنی صوابدید کے مطابق ترمیم اور اضافہ جسارت ہے، اگر قبر پر اذان جائز ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا رواج ضرور ہوتا۔ تلبیہ میں اضافے کی بنیاد سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث پر ہے۔

((وَالنَّاسُ يَزِيْدُوْنَ لَبَّيْكَ ذِي الْمَعَارِجِ وَنَحْوِهِ وَالنَّبِيُّ صلی اللّٰه عليه وسلم يَسْمَعُ فَلَا يَقُوْلُ لَهُمْ شَيْئًا))[2]

"لوگوں نے (لبیک ذی المعارج) اور ایسے دوسرے کلمات تلبیہ میں زیادہ کر لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو سنا اور کچھ نہ کہا۔"

یعنی تلبیہ کے اندر اضافے کی بنیاد تقریری حدیث پر ہے اور تقریری حدیث حجت ہوتی ہے۔ لہٰذا احمد یار صاحب کا استدلال سراسر مردود ہے کیونکہ قبر پر اذان دینے کو تلبیہ کے اوپر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ مفتی صاحب اگر زندہ ہوتے تو ہم عرض کرتے

تیری ہر ادا میں بل ہے تیری ہر نگاہ میں الجھن

میری آواز میں لیکن کوئی پیچ ہے نہ خم

اس سلسلے میں کچھ مغالطے اور بھی دیے گئے ہیں مگر وہ بھی کھینچ تان اور بے ثبوت امور پر مشتمل ہیں جو قابل ذکر نہیں ہیں۔

## نماز ہول خلاف سنت ہے:

میت کے دفن کے بعد آنے والی پہلی رات میں میت کے لیے ایک نماز پڑھی جاتی ہے جسے صلوٰۃ ہول کہتے ہیں، اہل حدیث کے علاوہ خود مفتیان احناف نے بھی اس کو خلاف سنت اور نیا کام لکھا ہے۔

## شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"دخواندن نماز ہول در کتب حدیث وفقہ کہ معتبر ومضبوط اند از نظر نگذشتہ لیکن در وظائف ورسائل صوفیہ وبرائے تمسک روایات حدیث وفقہ کافی است وبر قول وفعل مشائخ صوفیہ فتویٰ جاری نمی شود، چنانچہ شیخ الاسلام در کشف الغطاء نوشتہ وعادت مشائخ است کہ ایں نماز را متصل دفن پیش از مرور شب اول برائے نجات میت از عذاب می خوانند وآں را صلوۃ الہول نامند۔" [1]

"صلوٰۃ ہول کا پڑھنا معتبر کتب حدیث وفقہ سے اپنے دیکھنے میں نہیں آیا لیکن مشائخ صوفیہ کے بعض وظائف اور رسائل میں البتہ لکھا ہے سو ان کے قول اور فعل پر (شرعی) حکم جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ شرعی احکام واعمال کے واسطے روایات حدیث وفقہ درکار ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام نے کشف الغطاء میں لکھا ہے کہ عادت اور معمول مشائخ کا ہے اور اس نماز کو بعد دفن میت رات کو میت کی نجات کے واسطے پڑھتے ہیں اور اس کو صلوٰۃ الھول کہتے ہیں۔"
شاہ محمد اسحٰق کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ بلا دلیل شرعی کسی صوفی کا عمل اور ارشاد حجت نہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

## مجدد الف ثانی کا قول فیصل:

"عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نکنیم ومر ایشاں را بحق سبحانہ مفوض داریم، اینجا قول امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی وابو حسین نوری وصوفیاں خام ایں وقت عمل پیران خود بہانہ ساختہ سرود ورقص رادین وملت خود گرفتہ اند وطاعت وعبادت ساختہ۔" ﴿وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا﴾ [2]

"صوفیوں کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں ہے، ہمیں یہی کافی ہے کہ ہم ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اس جگہ امام ابو حنیفہ، امام

[1] اربعین مسائل، ص: ۴۱۔ [2] دفتر اول حصه، چهارم، ص: ۱۳۶۔ مکتوب: ۲۶۶۔

ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو حسین نوری ایسے صوفیوں کا عمل۔ اس وقت کے صوفی اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو دین و مذہب اور اطاعت بنائے پھرتے ہیں۔ یہ آیت انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے: ﴿وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا﴾۔"

## قبر پر قرآن خوانی، شیخ علی متقی حنفی کا فتویٰ:

قبر پر قرآن پڑھنا، پڑھوانا دونوں خلاف سنت ہیں اور فقہائے احناف نے شریعت کی اس خلاف ورزی کے ردّ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ بطور نمونہ از خروائے ملاحظہ فرمایئے: شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ الاستاذ شیخ علی متقی رسالہ رد بدعات میں لکھتے ہیں:

((اَلْاَوّلُ الْاِجْتِمَاعُ لِلْقُرْاٰنِ عَلَی الْمَیّتِ بِالتَّخْصِیْصِ فِی الْمَقْبُرَةِ اَوِ الْمَسْجِدِ وَالْبَیْتِ بِدْعَةٌ مَذْمُوْمَةٌ))[1]

''میت پر قرآن پڑھنے کے لیے خاص طور پر جمع ہونا، قبر پر یا مسجد میں یا گھر میں شریعت کی سخت خلاف ورزی ہے۔''

## شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

''وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور ونہ غیر آں وایں مجموع بدعت است۔'' [2]

''میت کے لیے جمع ہونا اور قرآن خوانی کرنا و ختم خواہ قبر کے پاس ہو یا اور جگہ یہ سب خلاف شریعت کام ہیں۔''

## شاہ اسحاق رحمہ اللہ کا فتویٰ :

((اِتِّخَاذُ الْقَارِیِّ عِنْدَ الْقَبْرِ بِدْعَةٌ وَلَا مَعْنٰی بِصِلَةِ الْقَارِیْ بِقِرَائَتِهٖ وَلَمْ یَفْعَلْهُ اَحَدٌ مِنَ الْخُلَفَآءِ وَالصَّحَابَةِ))[3]

[1]فتاویٰ نزیریہ، ص: ۷۷، ج: ۱۔ [2] مدارج النبوۃ، ص: وفتاویٰ نزیریہ، ص: ۷۷، ج: ۱۔ [3] اربعین مسائل: ۳۷۔

''قرآنی خوانی کے لیے قبر کے پاس قاری بٹھانا شریعت کے خلاف فعل ہے، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا۔''

## الشیخ محمد آفندی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((اَوْ اِعْطَاءُ دَرَاہِمَ مَعْدُوْدَةً لِمَنْ یَتْلُوا الْقُرْاٰنَ لِرُوْحِهٖ اَوْ یُسَبِّحُ اَوْ یُهَلِّلُ اَوْ بِاَنْ یَبِیْتَ عِنْدَ قَبْرِهٖ رِجَالٌ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً اَوْ اَکْثَرَ اَوْ اَقَلَّ اَوْ بِاَنَّ یُبْنٰی عَلٰی قَبْرِهٖ فَکُلُّ هٰذِهٖ بِدَعٌ مُنْکَرَاتٌ وَالْوَقْفُ وَالْوَصِیَّةُ بَاطِلَانِ وَالْمَاخُوْذُ مِنْهُمَا حَرَامٌ))[1]

''قرآن خوانی تسبیح و تہلیل کا ثواب حاصل کرنے کے لیے کسی حافظ کو چند ٹکے پیسے دے کر مقرر کرنا چالیس روز قبر کے پاس شب باشی پر کچھ نقدی دینا وغیرہ شرعاً سخت ناپسندیدہ کام ہیں اور اس طرح کی اجرت لینا دینا حرام ہے۔'' باین ہمہ تصریحات قبر پر قرآن خوانی کے جواز میں کچھ روایات اور آثار مع تبصرہ پیش خدمت ہیں:

دلیل اوّل:..... علی بن موسیٰ الحداد کا بیان ہے کہ ایک جنازہ میں امام احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ الجوہری کے ہمراہ میں بھی شریک جنازہ تھا۔ میت کے دفن کے بعد ایک نابینا قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے قراۃ سے روکتے ہوئے فرمایا:

((هٰذِهِ الْقِرَائَةَ عِنْدَ الْقَبْرِ بِدْعَةٌ))

"اے فلاں قبر کے پاس قرأۃ بدعت ہے۔"

پھر جب امام احمد رحمہ اللہ بعد از دفن قبرستان سے باہر نکلے تو ابن قدامہ نے مبشر حلبی کے حوالے سے کہا کہ عبد الرحمن کے والد علاء نے اپنی موت کے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے دفن کر کے میری قبر کے سرہانے سورۃ البقرہ کا شروع اور پائنتی کی طرف سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھا جائے اور کہا کہ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہ وصیت کی تھی اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

[1]طریقه محمدیه، ص: ۲۱۶، آخری صفحه۔

((فَارْجِعْ وَقُلْ لِلرَّجُلِ يَقْرَأُ))

"واپس جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ وہ قرأۃ کرے۔" جواب:..... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس قصہ کا ثبوت محل نظر ہے کیونکہ اس قصہ کی سند میں خلال کے استاد حسن بن احمد الوراق اور اس کا استاذ علی بن موسیٰ الحداد غیر معروف اور تیسرا راوی عبد الرحمن بن علاء مجہول ہے۔ بخلاف اس کے امام ابوداؤد کی منع والی روایت بالکل واضح ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ثابت بھی ہوتی تو تب بھی جواز قرأۃ کی دلیل نہ بنتی۔ کیونکہ یہ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور جواز کے ثبوت میں صحیح مرفوع حدیث درکار ہوتی ہے۔

دوسری دلیل:..... ابو محمد سمرقندی نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" کے فضائل میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ:

((مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ ثَوَابَهٗ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ عَدَدُ الْاَمْوَاتِ))

"جو شخص قبرستان میں جائے اور وہاں گیارہ مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخش دے تو اسے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔"

جواب:..... علماء حدیث نے اس روایت کو موضوع اور جعلی قرار دیا ہے:

((رَوَاهُ الْعُلَمَاءُ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ رَاجِعِ الْمِيْزَانَ لِلذَّہَبِيِّ وَاللِّسَانِ لِلْحَافِظِ وَالسُّيُوْطِيُّ فِيْ ذَيْلِ الْاَحَادِيْثِ الْمَوْضُوْعَةِ))[1]

"حافظ ذہبی نے میزان میں، حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں اور حافظ سیوطی نے ذیل اللآلی المصنوعہ میں اس اثر کو موضوع قرار دیا ہے۔"

تیسری دلیل:..... حضرت شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اِخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَأُوْنَ

[1]حاشیہ احکام الجنازہ، ص: ۲۱۰۔

الْقُرْاٰنَ))[1]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب کوئی صحابی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھتے تھے۔"

جواب:..... امام شعبی کا یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں، حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ شرح الصدور میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

((كَانَتِ الْاَنْصَارُ يَقْرَؤُنَ سُوْرَةَ الْبَقَرِ عِنْدَ الْمَيِّتِ))[2]

اس اثر پر بَابُ مَايُقَالُ عِنْدَ الْمَرِيْضِ اِذَا احَضَرَ کا ترجمہ قائم کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اثر کا تعلق احضار (قریب الموت) کے وقت سے ہے۔

2جواب:..... یہ اثر قابل حجت نہیں اس کی سند میں مجالد بن سعید نامی ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((مُجَالِدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ عُمَيْرِ الْهَمْدَانِيُّ اَبُوْ عَمْرِو الْكُوْفِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدْ تَغَيَّرَ فِيْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ))[3]

"ابو عمرو مجالد بن سعید الہمدانی الکوفی ضعیف راوی ہے اور آخر عمر میں حافظہ کھو بیٹھا تھا۔"

## سورۃ البقرۃ کا اوّل و آخر پڑھنا:

بعض حضرات قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اول سورۃ البقرۃ مُفْلِحُوْن تک اور پاؤں کی طرف سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع پڑھتے ہیں اور اس کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا

[1]مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۴۴۔ [2] مصنف ابن ابی شیبة: ۴/۴۴/۴۔ [3] تقریب، ص: ۳۲۸۔

تَجْلِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ))[1]

"جب کوئی شخص مر جائے تو اسے روک نہ رکھو۔ اسے جلدی دفن کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے سرہانے سورۃ البقرۃ کا اول اَلْمُفْلِحُوْنَ تک اور پاؤں کی طرف سورۃ البقرۃ کی آخری آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک پڑھنا چاہیے۔" لیکن بقول علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے دو راوی یحییٰ بابلتی اور شیخ ایوب بن نہیک سخت ضعیف ہیں۔[2]

تاہم امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ موقوف کو صحیح مانتے ہیں۔[3]

ان آثار کے علاوہ اور بھی کچھ آثار ہیں جیسے کہ مرقاۃ میں مذکور ہیں مگر ملا علی قاری نے ان پر تبصرہ نہیں کیا۔[4] ۷۰

## یا ۴۰ قدم پر دعا کرنا شرعاً ہرگز ثابت نہیں:

چالیس قدم یا ستر قدم قبرستان سے باہر آکر دوبارہ اکٹھے دعا کرنا بدعت اور بے ثبوت امر ہے۔ اس کے متعلق حدیث گزر چکی ہے۔

((اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَ قَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَ اسْئَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْئَلُ))[5]

اس حدیث میں صرف قبر مکمل کرنے کے بعد دعا مانگنا سنت قرار دی گئی ہے اور ثابت قدمی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر چالیس قدم یا ستر قدم پر دعا مانگنا مفید ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو ترک نہ کرتے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم بھی فرماتے۔ لہٰذا

[1]مشکوۃ: ۱/۱۴۹۔ [2] حاشیۃ احکام الجنائز، ص: ۱۳۔ [3] مرعاۃ شرح مشکوۃ۔ [4] ملاحظہ ہو: مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۴/۸۱۸۲۔ [5] مشکوۃ۔

معلوم ہوا کہ یہ دعا ثابت نہیں ہے۔

## علامہ شامی حنفی کا فتویٰ:

((اِذَا فَرَغَ وَ رَجَعَ النَّاسُ مِنَ الْقُبُوْرِ فَلْيَتَفَرَّقُوْا وَ يَشْتَغِلُ النَّاسُ بِاُمُوْرِهِمْ وَ صَاحِبُ الْبَيْتِ بِاَمْرِهٖ))[1]

"دفن سے فارغ ہو کر لوٹتے وقت لوگ متفرق ہو کر واپس آئیں اور اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت کو بھی اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔"

## شاہ محمد اسحاق کا فتویٰ:

"و باز گردیدن نزد قبر بشمار چہل قدم بعد از دفن ایں مسئلہ ہم در کتب حدیث و فقہ یافتہ نمی شود کہ بر آں حکم امر و نہی جاری گردد و ظاہر از قسم بدعت باشد و از شارع تاکید شدید است کہ از امور منکر و بدعت پرہیز نمایند۔

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ہٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[2]

"قبر کے پاس سے چالیس قدم ہٹ کر پھر دعا کے لیے واپس لوٹنا حدیث یا فقہ کی کسی کتاب میں بھی نہیں آتا کہ اس پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگایا جائے۔ تاہم بظاہر غیر شرعی فعل ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے امور شرک اور شریعت کی خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص ہمارے اس دین کے کام میں کوئی بدعت نکالے گا تو وہ مردود ہو گی۔"

**اسقاط:**

بعض حلقوں نے یہ حیلہ تراش لیا ہے کہ میت کی طرف سے غلہ نمک، مرچ، گڑ اور چند

[1] رد المختار: ۱/۸۴۲۔ [2] اربعین مسائل، ص: ۴۱۔

قرآن شریف تقسیم کر دیئے جائیں کیونکہ ایسا کرنے سے میت کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ لیکن بقول علماء حنفیہ رسم اسقاط شریعت کے خلاف ہے۔

**مفتی کفایت اللہ حنفی کا فتویٰ:**

اوپر کے تمام بیان سے ثابت ہوا کہ اسقاط کا یہ طریقہ جو رسم نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ ساڑھے بارہ سیر گیہوں اور ایک قرآن مجید تمام فرائض و واجبات کے فدیہ میں دیتے ہیں، بے اصل اور ناجائز ہے، بے اصل ہونا تو اس لیے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض و واجبات کی طرف سے کافی ہو جانے کے کوئی دلیل نہیں ہے اور ناجائز ہونا اس لیے کہ اس میں ساڑھے بارہ سیر کی تعیین ثابت نہیں ہے۔

اسقاط کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات سے لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جو گناہ تھے وہ تم نے اپنے اوپر لے لیے اور جاہل فقیر کہتا ہے کہ لے لیے اور وہ غلہ اس کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے اور اس میں ڈر ہے کہ دینے والے اور لینے والوں کا ایمان ہی جاتا رہے کیونکہ یہ ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ "کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔" کے خلاف ہے۔[1]

در مختار اور رد المختار میں ہے:

((وَلَوْ قَضَاہَا وَرَثَتُہٗ بِاَمْرِہٖ لَمْ یَجُزْ لِاَنَّہَا عِبَادَةٌ بَدَنِیَّةٌ بِخِلَافِ الْحَجِّ لِاَنَّہٗ یَقْبَلُ النِّیَابَةَ وَفِیْهِ اَیْضًا وَلَا فِدٰی عَنْ سَلَامَةٍ فِیْ مَرَضِہٖ لَا یَصِحُّ بِخِلَافِ الصَّوْمِ وَفِیْهِ اَیْضًا وَلَوْ فَدٰی عَنْ صَلَاتِہٖ فِیْ مَرَضِہٖ لَا یَصِحُّ بِخِلَافِ الصَّوْمِ اِنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَسْقُطُ عَنِ الْمَیِّتِ بِذٰلِکَ وَکَذَا الصَّوْمُ لَوْ صَامَ اَوْ صَلّٰی وَ جَعَلَ ثَوَابَ ذٰلِکَ لِلْمَیِّتِ صَحَّ لِاَنَّہٗ یَصِحُّ اَنْ یَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِہٖ لِغَیْرِہٖ عِنْدَنَا قَوْلُہٗ))[2]

((لِاَنَّهٗ يَقْبَلُ النِّيَابَةَ لِاَنَّهٗ عِبَادَةٌ مُرَكَّبَةٌ مِنَ الْبَدَنِ وَ الْمَالِ فَاِنَّ الْعِبَادَةَ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ: مَالِيَةٌ وَ بَدَنِيَّةٌ وَ مُرَكَّبَةٌ مِنْهُمَا فَالْعِبَادَةُ الْمَالِيَةُ كَالزَّكٰوةِ تَصِحُّ بِهَا النِّيَابَةُ مُطْلَقًا وَ الْمُرَكَّبَةُ مِنْهُمَا كَالْحَجِّ اِنْ كَانَ نَفْلًا تَصِحُّ فِيْهَا النِّيَابَةُ مُطْلَقًا وَ اِنْ كَانَ فَرَضًا لَا تَصِحُّ))[1]

''اس طرح میت سے نماز ساقط نہیں ہوئی اور ایسے ہی روزے کا حکم ہے۔ ہاں اگر ورثاء خود نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں اور اس کا ثواب میت کو بخش دیں تو حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ آدمی اپنا عمل غیر کو ہبہ کر سکتا۔ عبادت تین قسم کی ہوتی ہے: مالی، بدنی اور مرکب۔ مالی عبادت مثلاً زکوۃ وغیر میں نیابت مطلقاً جائز ہے اور بدنی عبادت مثلاً نماز روزہ میں نیابت جائز نہیں ہے اور عبادت مرکب (مالی بدنی) مثلاً حج وغیرہ میں اگر نفل ہو تو نیابت جائز ہے اور فرض میں جائز نہیں۔''

علاوہ ازیں اسقاط کے ناجائز اور بے اصل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَ لٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ))[2]

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ بات اہمیت کی حامل ہے جو دل کی گہرائی سے نکلتی ہو اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اسقاط میں جب قرآن مجید پھرایا جاتا ہے تو دل سے نیت بخشنے کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر چکر پورا نہ ہو اور درمیان میں سے کوئی شخص لے کر رفو چکر ہو جاتا ہے اور کہے کہ جب مجھے بخش دیا گیا ہے تو میری مرضی کہ میں یہ ثواب کسی کو بخشوں تو

[1]فتاوی نذیریة: ۱/۲۰۱۔ [2]صحیح مسلم۔ مشکوۃ، باب الریا و السمعة، فصل اول، ص: ۴۵۴۔

اسقاط کرنے والے اس کو برا منائیں گے بلکہ کہیں گے اسقاط نہیں ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بخشا برائے نام ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک طرح کا دھوکہ دینا ہے۔

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ (البقرۃ: ۹)

''فریب دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو اور مسلمانوں کو نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔'' بہر حال اہل علم وفقہ کے نزدیک اسقاط ہر طرح سے ناجائز اور بے اصل ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور خود حنفی علماء نے بھی اس کو ناجائز بتایا ہے۔ واللہ اعلم

## ایصال ثواب کے لیے دنوں کی تعیین:

میت کو ثواب پہنچانا ہر وقت اور ہر دن جائز ہے۔ جب بھی میت کے حق میں دعائے خیر کی جائے گی اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے گا۔ لیکن از خود ایصال ثواب کے لیے دنوں کو مقرر کرنا اور وقت کا تعین کرنا بدعت ہے۔ اکابر حنفیہ نے تعیین ایام کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔

### شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا فتویٰ:

ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"انسان در کار خود مختار است میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگان بایمان گردانند لیکن برائے ایں کار وقت وروز تعین نمودن وماہے مقرر کردن بدعت است وہر چیزیکہ بر آں ترغیب صاحب شرع وتعین وقت نباشد آں فعل عبث، است ومخالف سنت سید الانام، ومخالفت سنت حرام است پس ہر گز روا نباشد اگر دلش خواہد مخفی خیرات کند در ہر روزیکہ باشد تا نمود نہ شود۔"[1] [1] فتاوی عزیزۃ: ۱/۹۳۔

"انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگان اہل ایمان کو پہنچادے لیکن اس کام کے لیے کوئی وقت اور دن اور مہینہ مقرر کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے اور جس چیز کے بارے میں صاحب شرع کی طرف سے ترغیب اور تعیین وقت کا ثبوت نہ ہو وہ فعل عبث اور مخالف سنت ہے اور مخالفت سنت سید الانام حرام ہے۔ پس ہر گز جائز نہ ہو گا۔ ہاں اگر اس کا دل چاہے تو جس دن ہو سکے خفیہ خیرات کر دے مگر دن مقرر نہ کرے تاکہ ریاکاری سے محفوظ رہے۔"

### اہل میت کا پھوڑ اور بھورا بچھانا:

تعزیت سنت ہے مگر پھوڑ چٹائیاں اور بھورے بچھا کر بیٹھنا شرع شریف کے خلاف اور بے اصل ہے۔ حدیث میں ہے:

((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَ صَنْعَةِ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ))[1]

اور مسند احمد بن حنبل میں یہ الفاظ ہیں:

((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَ صَنْعَةِ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهٖ مِنَ النِّيَاحَةِ))[2]

"سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ اہل میت کے ہاں جمع ہونا اور لوگوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرنا ہم لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) نوحہ سمجھتے تھے۔"

### بہت سے فقہائے احناف کا فتویٰ:

((وَ فِي الْاِمْدَادِ قَالَ كَثِيْرٌ مِّنْ مُتَأَخِّرِيْ اَئِمَّتِنَا يَكْرَهُ الْاِجْتِمَاعَ عِنْدَ صَاحِبِ الْبَيْتِ وَ يَكْرَهُ لَهُ الْجُلُوْسَ فِيْ بَيْتِهٖ حَتّٰى يَأْتِيَ مَنْ يُعَزّٰى بَلْ اِذَا فَرَغَ وَ رَجَعَ النَّاسُ فَلْيَتَفَرَّقُوْا وَ يَشْتَغِلُ النَّاسُ بِأُمُوْرِهِمْ وَ صَاحِبُ الْبَيْتِ بِأَمْرِهٖ))[3]

''ہمارے بہت سے متاخرین حنفیہ نے کہا ہے کہ اہل میت کے ہاں تعزیت کے

[1]ابن ماجه: ۱/۱۱۷۔ [2] نيل الاوطار: ۴/۱۱۰۔ [3] رد المختار: ۱/۸۴۲۔

لیے جمع ہونا منع ہے اور لوگوں کی تعزیتیں وصول کرنے کے لیے خود اہل میت کو بھی گھر میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ میت کو دفن کر کے لوگ منتشر ہو جائیں اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں اور گھر والے بھی اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔''

### علامہ شامی کا فتویٰ:

((يَكْرَهُ الْجُلُوْسَ عَلٰى بَابِ الدَّارِ التَّعْزِيَةِ لِاَنَّهٗ عَمَلُ الْجَاهِلِيَّةِ وَ قَدْ نُهِيَ عَنْهُ وَ مَا يَصْنَعُ فِيْ بِلَادِ الْعَجَمِ مِنْ فُرُشِ الْبَسْطِ وَ الْقِيَامِ عَلٰى قَوَارِعِ الطَّرِيْقِ مِنْ اَقْبَحِ الْقَبَائِحِ))[1]

''تعزیت وصول کرنے کے لیے اہل میت کا اپنے دروازے پر بیٹھنا مکروہ (حرام) ہے کیونکہ یہ اہل جاہلیت کا چلن ہے اور شریعت میں اس سے روک دیا گیا، بلادِ عجم (پاک وہند) میں بازاروں میں دریاں اور بھورے بچھا کر بیٹھنے کا جو رواج ہو گیا ہے یہ رواج سو قباحتوں کی ایک قباحت ہے۔''

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

((وَ يَكْرَهُ الْجُلُوْسَ عَلٰى بَابِ الدَّارِ وَ مَا يَفْعَلُ فِيْ بِلَادِ الْعَجَمِ مِنْ فُرُشِ الْبَسْطِ وَ الْقِيَامِ عَلٰى قَوَارِعِ الطَّرِيْقِ مِنْ اَقْبَحِ الْقَبَائِحِ))[2]

''تعزیتیں وصول کرنے کے لیے گھر کے دروازے پر گھر والوں کا بیٹھنا مکروہ (حرام) ہے بلادِ عجم (ہندو پاکستان) میں بازاروں میں دریاں اور بھورے بچھا کر تعزیتیں وصول کرنے کے لیے بیٹھنے کا جو رواج چل نکلا ہے بد ترین قباحت ہے۔''

[1] رد المختار شامی: ۱/۸۴۳۔ [2] عالمگیری: ۱/۱۴۷۔

## تعزیت صرف ایک بار ہے:

اوپر کے مسئلہ میں سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اہل میت کے ہاں تعزیتی اجتماع اور ان کے ہاں کھانا پکنا، نوحہ (رونے پیٹنے) میں شامل ہے۔ اس لیے تعزیت صرف ایک بار ہونی چاہیے، ہمارے ہاں بار بار تعزیت کرنے کا جو رواج ہے وہ غلط اور ناجائز ہے۔ خود حنفی اکابر نے بھی اسے جائز نہیں رکھا۔

## شاہ محمد اسحاق کا فتویٰ:

((رَوَى الْحَسَنِ عَنْ زِيَادٍ وَإِذَا عَزّٰى اَہْلُ الْمَيِّتِ مَرَّةً فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَزِّيَهٗ مَرَّةً اُخْرٰى وَ وَقْتُهَا مِنْ حِيْنَ يَمُوْتُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَ يَكْرَهُ بَعْدَهٗ))[1]

''اہل میت سے جب ایک بار تعزیت کرلی جائے تو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مناسب نہیں، تعزیت مرنے کے وقت سے لے کر تین دن تک جائز ہے، بعد میں جائز نہیں۔'' مگر فقیر کے نزدیک تین دن کے بعد بھی جائز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چوتھے روز ان کے گھر جاکر آل جعفر رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی اور فرمایا کہ آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا۔[2]

## تعزیت کے مسنون الفاظ:

فقہاء نے تعزیت کے لیے کچھ الفاظ جوڑ رکھے ہیں مگر وہ مسنون نہیں ہیں، مسنون الفاظ صرف یہ ہیں:

((عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ لِلّٰهِ مَا

[1] فتاوی عالمگیری: ۱/۱۶۷۔ اربعین مسائل، ص: ۳۵۔ [2] ابوداود۔ نسائی، بحوالہ احکام الجنائز البانی، ص: ۱۶۶۔

اَخَذَ وَمَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهٗ اِلٰى اَجَلٍ))[1]

''اللہ کے لیے ہے جو اس نے واپس لے لیا ہے اور اسی کا ہے جو اس نے دے رکھا ہے اور اللہ کے پاس ہر ایک چیز کا وقت مقرر ہے۔''

## اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا:

ہمارے ہاں رواج ہو چکا ہے کہ اگر چہ جیب اجازت نہ بھی دے تب بھی قرض اٹھا کر تعزیت کرنے والوں کے لیے دعوتیں پکائی جاتی ہیں۔ اس سے پہلے مسائل میں از روئے حدیث لکھا جا چکا ہے کہ اہل میت کے ہاں اکٹھے ہونا اور وہاں دعوت کھانا گویا رونا اور پیٹنا ہے اور رونا پیٹنا ملعون ہے، اہل حدیث کے علاوہ مالکیوں نے مدخل میں (۳/۲۸۹) شوافع نے فتاویٰ کبری (۲/۷) اور حنابلہ نے مغنی (۲/۴۱۳) میں اس کو سخت بری رسم لکھا ہے۔

### علامہ طحطاوی حنفی کا فتویٰ:

((وَ یَکْرَہُ الْاَطْعِمَةَ مِنْ اَہْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّھَا تُتَّخَذُ عِنْدَ السُّرُوْرِ))[2]

"اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے کیونکہ ایسی دعوتیں خوشی کے موقع پر ہوتی ہیں۔"

### امام کمال ابن ہمام حنفی کا فتویٰ:

((وَ یَکْرَہ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَہْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ وَ ہِیَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ وَ رَوٰی اِمَامُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الخ))[3]

"میت والوں کا ضیافت تیار کرنا مکروہ ہے کیونکہ ضیافتیں اور دعوتیں تو خوشی کے

[1] عون المعبود: ۳/۱۶۲، باب فی البکاء علی المیت، اربعین، ص: ۳۴۔ [2] طحطاوی حاشیة، درمختار: ۱/۳۸۳۔ [3] فتح القدیر: ۱/۴۷۳۔ حاشیة تبیین الحقائق: ۱/۲۴۶۔

موقع پر ہوتی ہیں نہ کہ غمی میں اور یہ بدترین بدعت ہے۔"

### علامہ شامی حنفی کا فتویٰ:

((وَ یَکْرَہ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَہْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ وَ ہِیَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ ..... وَ قَالَ ہٰذِہِ الْاَفْعَالُ کُلُّھَا لِلسُّمْعَةِ وَ الرِّیَاءِ فَیُحْتَرَزُ عَنْھَا لِاَنَّھُمْ لَا یُرِیْدُوْنَ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ))[1]

"اہل میت کو کھانا پکانا مکروہ ہے اور تمام کام شہرت اور ریاکاری کے لیے کیے جاتے ہیں ان سے گریز اس رہنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ ان کاموں میں رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوتی۔"

**میت کے گھر کا تیار شدہ کھانا حرام ہے:**

اوپر کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ اہل میت کو کھانا پکانا خود حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور حنفی اکابر نے اس کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

**ملا علی قاری حنفی کا فتویٰ:**

((بَلْ صَحَّ عَنْ جَرِيْرٍ كُنَّا نَعُدُّهُ مِنَ النِّيَاحَةِ وَ هُوَ ظَاهِرٌ فِي التَّحْرِيْمِ قَالَ الْغَزَالِيُّ وَ يُكْرَهُ الْاَكْلُ مِنْهُ قُلْتُ هٰذَا اِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ اَوِ الْغَائِبِ وَ اِلَّا فَهُوَ حَرَامٌ بِلَا خِلَافٍ))[2]

"اہل میت کی دعوت کھانا جائز نہیں ہے بلکہ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے کہ اہل میت کے ہاں اجتماع اور ان کے ہاں کھانا پکنا نوحہ ہے اور اس حدیث سے اس کھانے کی صریح حرمت ثابت ہوتی ہے۔" امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں جب کھانا یتیموں، بیواؤں اور غیر حاضر لوگوں

[1] رد المختار: ۱/۸۴۳۔ [2] مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۴/۹۶ ملتانی۔

کے مال سے تیار کیا گیا ہو تو بلا اختلاف یہ حرام ہے۔

**فاضل بریلوی احمد رضا خاں کا فتویٰ:**

غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا بچہ نابالغ ہوتا یا بعض ورثا موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (آل عمران: ۱۰)

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کی گہرائی میں جائیں گے۔" مال غیر میں بے اذن تصرف خود ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۸)

خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ کو نہ اس کے وصی کو ہے:

((لِاَنَّ الْوِلَايَةَ لِلنَّظَرِ لَا الضَّرَرِ))

علی الخصوص اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین ہاں اگر محتاجوں کو دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشر طیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود، بالغ و نابالغ راضی ہوں۔ خاں صاحب بریلوی کا یہ فتویٰ قابل داد ہے۔ مگر آخر میں ان کا یہ کہنا کہ بالغ و نابالغ سب راضی ہوں، نا قابل فہم ہے کیونکہ فقہاء حنفیہ نے وضاحت کر دی ہے کہ نابالغ کی وصیت نافذ نہیں ہو سکتی۔

((لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ اِذَا لَمْ يَكُنْ مُرَاهِقًا عِنْدَنَا وَ كَذَا اِذَا كَانَ مُرَاهِقًا))[1]

[1]قاضی خاں حاشیة عالمگیریة: ۳؍۳۹۵۔

اور جب بچے کی وصیت باطل ہے تو اس کی رضا کا کیا اعتبار ہے۔

**ایک مغالطہ:.....**

((عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ رَجُلٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فِيْ جَنَازَةٍ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَهٗ دَاعِيُ اِمْرَاَتَهٗ فَاَجَابَ وَ نَحْنُ مَعَهٗ فَجِيْئَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهٗ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَكَلُوْا))[1]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنازہ میں شامل تھے، جب دفن کے بعد واپس لوٹے تو میت کی بیوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کا پیغام بھیجا جو آپ نے قبول فرمالیا۔ پس کھانا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قوم نے تناول فرمایا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے اور کھانا حرام اور مکروہ نہیں ہوتا۔

جواب:..... یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ یہ کاتب کی قلمی لغزش کا نتیجہ یا پھر صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی سے سہواً کلمہ ''اِمْرَاَتَهٗ'' میں ہ ضمیر کا اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ مشکوٰۃ کے مآخذ سنن ابی داؤد میں ((فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَهٗ دَاعِيَ امْرَاَةٍ)) [2] کے الفاظ مروی ہیں۔ کہ ''واپسی پر کسی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔''

## مولانا احمد رضا بریلوی کی رائے:

اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے دعوت دے رکھی تھی۔ وقتِ موعود پر تقدیراً اس کا خاوند فوت ہو گیا۔ بنابریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں کھانا تناول کرنا وفات کی وجہ سے نہ تھا بلکہ سابق وعدہ کی بنا پر تھا۔[3]

[1]مشکوة: ۲؍۵۴۴۔ [2] سنن ابی داود: ۲؍۳۷۲۔ عون المعبود: ۳؍۲۴۹۔ [3] احکام شریعت، ص: ۲۹۹۔

### فتاویٰ شامی:

((مَذْہَبُنَا وَ مَذْہَبُ غَیْرِنَا کَالشَّافِعِیَّةِ وَ الْحَنَابِلَةِ اِسْتِدْلَالًا بِحَدِیْثِ جَرِیْرِ الْمَذْکُوْرِ عَلَی الْکَرَاہَةِ لَاسِیَمَا اِذَا کَانَ فِی الْوَرَثَةِ صِغَارٌ وَ غَائِبٌ))[1]

"سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شافعیہ اور حنابلہ کی طرح ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ اہل میت کو دعوت کرنا مکروہ ہے۔"

### تیجا، ساتا، چالیسواں اور برسی کا حکم:

حنفیہ کے نزدیک اگرچہ بدنی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے تاہم سوئم، ہفتم، چہلم اور برسی وغیرہ رسمیں خود حنفیہ کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

((وَ لَا یُبَاحُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ کَذَا فِی التَّتَارِ خَانِیَّةِ))[2]

"تین دن تک میت کے گھر کھانا تیار کرنا مباح نہیں۔" فقیہ محمد بن شہاب کردی کا فتویٰ یہ ہے:

((یَکْرَہُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِی الْیَوْمِ الْاَوَّلِ وَ الثَّالِثِ وَ بَعْدَ الْاُسْبُوْعِ))[3]

"موت کے پہلے تیسرے اور ساتویں دن کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔"

### شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"ہم چنیں مقرر ساختن روز سوم ودہم وپختن طعام واتخاذ دعوت طعام بقر آن خواناں دریں روزے مکروہ است۔"[4]

[1] ردالمختار: ١/٨٤٢۔ [2] فتاوی بزازية: ١/١٦٧۔ [3] فتاوی بزازية بحواله ردالمختار: ١/٨٤٢۔ [4] اربعين مسائل، ص: ٣٦۔

"اس طرح تیسرا، دسواں روز مقرر کرنا، کھانا پکانا، دعوت کرنا اور قرآن پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ ہے۔"

## صوفیاء کے ارشادات

### مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا ارشاد:

اس زمانہ میں سیوم کے روز میت کے زیارت کے واسطے شربت وبرگ ومیوہ زیارتوں میں کھاتے ہیں قسم کھائی واللہ کتاب فتاویٰ میں مسئلہ صریح واقع ہوا ہے:

((اَكْلُ الْمَاءِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ حَرَامٌ وَقِيْلَ مَكْرُوْهٌ))[1]

''قبر کے پاس پانی پینا بھی حرام ہے،اور مکروہ بھی کہا گیا۔''

### تحفہ نصائح میں ہے:

''میدان زیارت سنت است لیکن زیارت روز وشب معہود سوم وہفتمے وآں بدعت، میکن حذر۔''[2]

''رات دن میں ہر وقت زیارت قبور جائز ہے لیکن تیسرے اور ساتویں دن رسم مروج کے مطابق زیارت ثابت نہیں، اس سے پرہیز لازم ہے۔''

### خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نقشبندی کا ارشاد:

''سوال ششم آنکہ طعام بروح میت بروز سوم ودہم وگل دادن روز سوم از کجا است، جواب مخدوما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم وریا ثواب آں را بمیت گزرانیدن بسیار خوب است عبادت بزرگ اما تعین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمی شود وروز سوم گل دادن بمر داں بدعت است۔''[3]

''موت کے تیسرے اور دسویں روز میت کی روح کے واسطے کھانا پکانا اور

[1]الدر المنظوم، ص: ۷۸۳، ۷۸۴۔ [2] تحفة نصائح، ص:۷۶۔ [3] مکتوبات، مکتوب نمبر: ۱۱۔

تیسرے روز مردوں کو پھول تقسیم کرنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب:..... اللہ تعالیٰ کے نام پر بے رسم وریاء کھانا تقسیم کرنا اور میت کو ثواب پہنچانا بہت بڑا ثواب ہے اور از خود دن مقرر کرنا محض بے اصل ہے اور تیسرے دن پھول تقسیم کرنا بھی شریعت میں نیا کام ہے۔''

**شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد:**

''دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا دسیم وچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ ایں ہمہ را در عرب اول وجود نہ بود، مصلحت آں است کہ غیر تعزیت وارثاں میت تاسہ روز واطعام ایشاں یک شبانروز رسمے نباشد۔''[1]

''ہمارے ہاں بری رسموں میں سے ایک یہ ہے کہ ماتم سوم، چہلم، ششماہی اور برسی کی فاتحہ پر ہم بہت کچھ اسراف کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے زمانہ میں ان کا ہرگز وجود نہ تھا۔ فلاح اس میں ہے کہ تین دن تک غیر وارث اہل میت سے تعزیت کریں اور ایک دن رات کے کھانے کو رسم نہ بنائیں۔''

**مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ:**

سوال:..... میت کی وفات کے بعد تعزیت کرنے والے اہل میت کے گھر جمع ہوتے ہیں اور عورتیں دوسرے دن یا تیسرے دن واپس جاتی ہیں اور کچھ چالیس روز بیٹھی رہتی ہیں اس مدت اقامت میں عورت کے کھانے پینے، پان چھالیہ کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں۔ اگر نقدی موجود نہ ہو تو قرض لیتے ہیں۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:..... سبحان اللہ! مسلمان یہ پوچھتا ہے، یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت وشنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔ اولاً یہ دعوت خود ناجائز وبدعت شنیعہ وقبیحہ ہے۔ امام احمد اپنی مسند اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے

[1]وصیت نامہ، ص: ۱۲۰۔ تفہیمات: ۲/۲۹۷۔

روایت لائے ہیں: ((كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰی اَہْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعِهِمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ))[1]

''ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو (نیاحہ) نوحہ شمار کرتے تھے۔'' آگے مذکورہ فقہی فتویٰ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:

**دوسرا فتویٰ:**

تین برس کے بچے کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہیے یا سوم کی؟ بینوا وتوجروا۔

جواب:..... شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت وبدعت ہے۔[2]

ایسی ہی بے ثبوت اور ناجائز رسموں کی تردید کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال:..... بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید ہیں اور فلاں طاق میں شہید مر د رہتے ہیں۔ اس درخت اور طاق کے پاس جاکر ہر جمعرات فاتحہ دلاتے ہیں، کیا یہ لوگ حق پر ہیں؟ کیا شہید درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں؟ **بینوا بالکتاب و توجروا بالثواب**

جواب:..... یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات وبطلات ہیں۔ ان کا ازالہ لازم ہے:

''مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ''[3]

[1]احکام شریعت، حصہ سوم، ص: ۲۹۲۔ [2] فتاویٰ احمد رضا بریلوی قلمی کتاب حظر و اباحت، ص: ۳۱۰، بحوالہ فتاوی رشیدیہ، ص: ۴۵۹۔ [3] عبدہ المذنب احمد رضا، احکام شر

ترجمہ: ان سب باتوں کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ نہیں طاقت برائی سے بچنے کی اور نہیں ہے توفیق نیکی کرنے کی مگر اللہ العظیم کی امداد کے ساتھ۔''

**شبہ:**

((فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الثَّالِثِ عَنْ وَفَاةِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدٍ جَاءَ اَبُوْذَرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللّٰه علیه وسلم مَعَ تَمْرَةٍ يَابِسَةٍ وَ لَبَنِ النَّاقَةِ وَ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَهَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللّٰه علیه وسلم فَقَرَأَ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم الْفَاتِحَةَ مَرَّةً وَ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ قَرَأَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَنْتَ لَهَا اَهْلٌ وَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَ مَسَحَ وَجْهَهٗ فَاَمَرَ بِاَبِيْ ذَرٍّ اَنْ يُقْسِمَهَا وَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم ثَوَابُ هٰذِهِ الْاَطْعِمَةِ لِابْنِيْ))[1]

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو تیسرے دن سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں، دودھ اور جو کی روٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ تین بار پڑھ کر دعا فرمائی اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ انہیں لوگوں میں بانٹ دو اور فرمایا ان اشیاء کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کو پہنچے۔''

جواب:..... مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت غیر معتبر بلکہ موضوع اور باطل ہے۔ حدیث کی کسی بھی کتاب میں ایسی روایت نہیں ملتی۔[2]

جواب:..... یہ سند کے لحاظ سے تو موضوع اور باطل ہے ہی درایت کے لحاظ سے بھی یہ باطل ہے۔ تیجا ساتا کے ثبوت میں مذکورہ جھوٹی روایت پیش کرتے ہوئے اتنی موٹی بات بھی یاد نہ رہی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مدت رضاعت بھی مکمل نہ کر پائے تھے کہ وفات پاگئے اور حدیث شریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی مدت رضاعت

[1]کتاب از جندی ملا علی قاری۔ [2] فتاویٰ عبدالحی اردو، ص: ۱۵۳، طبع کراچی۔

پوری کرنے کے لیے جنت علیا میں دو حورائیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ علاوہ ازیں صحیح روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے جگر گوشہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی نہیں پڑھا تھا جو کہ مسنون طریقہ تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((قَالَتْ مَاتَ إِبْرَاہِیْمُ بْنُ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَ ہُوَ ابْنُ ثَمَانِیَّةَ عَشَرَ شَهْرًا فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَقَالَ الشَّارِحُ الْإِمَامُ شَمْسُ الْحَقِّ وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ))[1]

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جناب ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ ماہ کی عمر میں فوت ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا ایسی صورت حال میں ان کو ثواب کی کیا ضرورت تھی، البتہ تیجا ساتا وغیرہ رسمیں اگر جائز ہوتیں تو سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء اور طبعی موت مرنے والے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسوم کا اہتمام ضرور فرماتے، حالانکہ امر واقعی یہ ہے کہ زمانہ سلف صالحین میں ان رسوم کا نشان تک موجود نہیں تھا اور ہمارے سلف ان جیسے غیر ثابت کاموں سے سخت متنفر تھے۔ یہ نئے امور سوجھے تو صدیوں کے بعد سوجھے۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا

ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے

تو شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

دوسرا شبہ:..... مولوی احمد یار گجراتی اور مولوی عبد السمیع صاحب کہتے ہیں کہ فقہاء نے تیجا ساتا اس لیے منع کیا ہے کہ یہ کھانا مہمانوں اور رشتہ داروں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کھانا صرف فقراء کے لیے تیار کیا جائے تو اچھا ہے منع نہیں۔

جواب 1:..... یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ فقہاء حنفیہ نے اس کھانے کو مکروہ لکھا ہے

[1]عون المعبود: ۳/۱۸۱۔ ۱۸۲۔

جیسے کہ فقہاءِ حنفیہ اور خان صاحب بریلوی کی تصریحات بیان ہو چکی ہیں۔

جواب 2:..... یہ کھانا اس لیے بھی مکروہ ہے کہ اس کھانے کے لیے از خود دن مقرر کیا جاتا ہے اور از خود دنوں کا تعین اور وقت اور سال کا تقرر سنت نہیں ہے لہٰذا اجتناب لازم ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے فقہاءِ دین اگر یہ وجوہات بیان نہ بھی کرتے تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا کیونکہ سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ان ضیافتوں کی حرمت و کراہت کے ثبوت میں کافی ہے۔

تیسرا شبہ:..... ہدیۃ الحرمین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سوم، دہم، ہفتم اور چہلم میں چھوہاروں پر فاتحہ دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھلائے، اس سے معلوم ہوا کہ سوم، دہم، ہفتم اور چہلم سنت ہیں۔

جواب:..... یہ قصہ فرضی اور من گھڑت ہے۔ خود مفتیانِ احناف نے اس کی تردید کر دی ہے۔ چنانچہ مولانا محمد عبدالحی رحمہ اللہ حنفی لکھتے ہیں کہ ہدیۃ الحرمین میں لکھا ہوا قصہ بالکل غلط ہے، کتب معتبرہ میں اس کا نشان تک نہیں ملتا۔[1]

بعض جگہوں پر رواج ہے کہ میت کے کچھ وارث دریا پر جا کر پاک صاف ہونے کی لیے نہاتے ہیں۔ مگر شریعت اسلامیہ میں ان کے اس رواج کی قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ ان کے اس رواج سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماتم کو نجاست کا سبب سمجھتے ہیں تو ان کی یہ سوچ صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تکلیف اور مصیبت کو مسلمان کے لیے طہارت اور گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ))[2]

[1]فتاوی عبدالحی اردو، ص: ۵۶۵۔ [2] مشکوۃ: ۱/۱۳۴۔

''مسلمان کو کوئی تھکان، کوئی بیماری، کوئی فکر، کوئی صدمہ، کوئی تکلیف اور کوئی غم یہاں تک کہ کوئی کانٹا نہیں چبھتا مگر اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کے ساتھ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' دیکھیے مصیبتوں کے ساتھ انسان کیسے پاک ہو جاتا ہے، اب جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو کیسے ہو سکتا ہے؟

## گوشت سے پرہیز:

بعض لوگوں کے ہاں رواج ہے کہ فوتگی کے بعد چند روز تک گھر میں گوشت نہیں لاتے یہ بات ہندوؤں کی رسوم کا چربہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام غیر شرعی رسموں سے منع فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فِیْ جَنَازَةٍ نَرٰی قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اُرْدِیَتَهُمْ یَمْشُوْنَ فِیْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَبِفِعْلِ الْجَاہِلِیَّةِ تَأْخُذُوْنَ اَبِصَنِیْعِ الْجَاہِلِیَّةِ تَشْبَهُوْنَ لَقَدْ ہَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَیْکُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِیْ غَیْرِ صُوَرِکُمْ فَاَخَذُوْا اُرْدِیَتَهُمْ وَلَمْ یَعُوْدُوْا لِذٰلِکَ))[1]

"ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم جنازہ پڑھنے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم دیکھی جنہوں نے چادریں اتار رکھی تھیں اور صرف قمیصوں میں جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر فرمایا کہ کیا تم جاہلیت کا فعل لیتے ہو، کیا جاہلیت سے مشابہت کرتے ہو، میں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر ایسی بد دعا کروں جس میں تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں، راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈانٹنے پر انہوں نے چادریں پہن لیں اور پھر اس فعل کے مرتکب نہیں ہوئے۔"

[1]ابن ماجہ۔ مشکوۃ: ۱/۱۵۲۔

پس اسلام میں اسی جیسی رسمیں حرام ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔ **برسی اور سالینہ:** یہ خالص جاہلی رسم ہے اور مسلمانوں نے اس رسم کو اپنا کر غیر مسلموں کی نقالی شروع کر دی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں ایصال ثواب کے لیے دنوں کا تعین ضروری ہے۔ چنانچہ مشہور مسلمان سیاح علامہ البیرونی رحمہ اللہ متوفی ۴۳۰ء اپنے سفر نامہ (کتاب الہند) میں ہندوؤں کی اس رسم کے متعلق لکھتے ہیں: "اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے ورثاء پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: ضیافت کرنا اور یوم وفات کے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا ضروری ہے، اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے، اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے، نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ اور پانی کا گھڑا رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ میت کی روح ناراض ہو گی اور بھوک پیاس کی حالت میں گھر کے ارد گرد گھومتی رہے گی، پھر عین دسویں روز میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور ٹھنڈا پانی دیا جائے اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی۔" نیز لکھا ہے کہ "ماہ پوس میں وہ حلوہ پکا کر دیتے ہیں اور ہندوؤں کے ہاں یہ رسم بھی ہے کہ برہمن کے کھانے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں۔"[1]

مشہور نومسلم عالم دین (سابق سکھ) مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"کریا کرم (نیا بدن تیار ہونے کے دن کا عمل) یعنی مردے کے مرنے سے دس دن تک ہندوؤں کے عقیدہ آواگون کے مطابق مردے کا ایک بدن نئے بدن کے واسطے عالم برزخ میں تیار ہوتا ہے۔ برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں

[1]کتاب الھند، ص: ۲۷۰،۲۸۲، بحوالہ: منہاج الواضح، ص: ۲۴۱۔

دن کھتری کے لیے تیرہواں دن اور دیش (بنیا) وغیرہ کے لیے پندرہواں یا سولہواں دن اور شودر یعنی باڑھے (چوہڑ چمار) کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے چھ ماہ بعد۔ علاوہ ازیں برسی کا دن اور اس دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں۔ ایک دن سدھ کا ہے۔ مردے کے مرنے سے چار برس پیچھے۔ نیز اسوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب

پہنچاتے ہیں لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا ہو اسی تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں ایشور من کہلا تا ہے اور اس طرح پر اور بھی دن مقرر ہیں۔"[1]

مولوی عبیداللہ مالیر کوٹلوی رحمہ اللہ ایصال ثواب کی نیت کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: "جب ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو (ہندو) نیت یوں کرتے ہیں، ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ جو فلاں مہینہ، فلاں تاریخ، فلاں دن ہے تو میں فلاں شخص، فلاں میری قوم، فلاں فلاں چیز، فلاں شخص کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دیتا ہے اور ثواب پہنچانا اس کے نزدیک اگرچہ ہر روز درست ہے مگر بعض دن بھی مقرر کرنا ضروری جانتے ہیں۔"[2]

جذبۂ عشق بحدیست میان من وتو

رقیب آمد ونشاخت نشان من وتو

### عرس اور اقبال:

عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کی تو خبر نہیں لیکن ہندوستان کے عرسوں کے متعلق یہ

[1]تحفة الهند، ص: ۸۵۔ [2]تحفة الهند، ص: ۱۸۵از نو مسلم مولانا عبیدالله مالیر کوٹلوی۔

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہندوؤں میں چونکہ یاترا (زیارت) کی رسم عرصہ دراز سے چلی آرہی ہے اور وہ دُور دراز ممالک سے بعض خاص تیر تھوں پر یاترا کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس لیے جب وہ رفتہ رفتہ مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے گئے جو ان کے مذہبی اور قومی شعائر سے کسی قدر مشابہ تھے۔[1]

نہیں معلوم تم کو ماجرائے دل کی کیفیت

سنائیں گے تمہیں ہم ایک دن یہ داستاں پھر بھی

الغرض شریعت سازی کا نہ دور اول میں کسی کو اختیار تھا اور نہ آج کسی کو یہ منصب حاصل ہے اور جو چیز اس وقت دین میں شامل نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی اس لیے برسی ہو یا ہفتے دس دن بعد رشتہ داروں کا اکٹھ یا ماتمی پروگرام اسلامی شریعت کی رو سے سب خلاف سنت ہیں اور سنت پر عمل درآمد ہی باعث فلاح ونجات ہے اور بس۔

یہ امت روایات میں کھو گئی

حقیقت خرافات میں کھو گئی

**قول امام مالک:**

((مَا لَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا فَلَا یَکُوْنُ الْیَوْمَ دِیْنًا))[2]

برسی احادیث کی روشنی میں:

((عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَّ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ))[3]

"سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید (میلہ وغیرہ) ٹھہراؤ اور مجھ پر

[1] مقالات اقبال، ص: ۱۴۷۔ [2] الاعتصام للشاطبی: ۱/۳۰۸ و ۲/۱۵۰۔ [3] رواہ النسائی بحوالہ مشکوۃ: ۱/۸۶۔

درود بھیجتے رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچا دیا جائے گا۔"

قبر شریف کو عید بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو عبادت اور میلہ کی جگہ نہ بنایا جائے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے:

((عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ))[1]

"حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کی بطور بت عبادت نہ کی جائے، ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا غضب بھڑک اٹھا تھا اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا اور ان پر مجاور بن کر ان کی عبادت کرنے لگ گئے تھے۔"

حالی مرحوم کیا خوبصورت اور پاکیزہ الفاظ میں اس حدیث مبارکہ کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

بنانانہ تربت کو میری صنم تم

نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم

کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی

بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

**برسی اور فقہاء رحمہم اللہ:**

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَى الْقُبُوْرِ وَ نَهٰى اُمَّتَهٗ اَنْ يُتَّخَذَ قَبْرُهٗ عِيْدًا))[2]

[1] رواہ مالک مرسلا، مشکوۃ: ۱/۷۲۔ [2] زاد المعاد: ۱/۱۴۶۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو میلہ کی جگہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو منع کر دیا ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنائیں۔“

**شیخ علی محفوظ مصری رحمہ اللہ:**

((وَاِذَا ثَبَتَ هٰذَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ وَ هُوَ سَيِّدُ الْقُبُوْرِ وَ اَفْضَلُهَا فَقَبْرُ غَيْرِهٖ اَوْلٰى بِالنَّهْيِ كَائِنًا مَنْ كَانَ))[1]

”جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر میلہ، عرس وغیرہ منع اور حرام ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف دنیا بھر کی تمام قبروں کی سردار اور ان تمام سے افضل ہے تو پھر دوسرے کسی بزرگ کی قبر پر میلے اور عرس کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔“

## فقہاء احناف کے فتاویٰ شیخ علی متقی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد شیخ علی متقی مکی سے عرس کے متعلق دریافت کیا تو آپ کچھ دیر کے لیے متامل ہوئے، "پس سر مبارک زمانے فرو افگند وبر آورد و فرمودند اینہاں در میان سلف نہ بود ، مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ۔[2]

"شیخ علی متقی نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا اور پھر سر اوپر اٹھا کر فرمانے لگے کہ یہ تمام رسمیں سلف صالحین میں مروج نہ تھیں۔"

## شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((وَمِنْ اَعْظَمِ الْبِدَعِ مَا اخْتَرَعُوْا فِیْ اَمْرِ الْقُبُوْرِ وَاتَّخَذُوْهَا عِيْدًا))[3]

[1]الابداع فی مضار الابتداع، ص: ۸۶۔ [2] بحوالہ اکمل البیان، ص: ۱۲۲۔ مصنفہ عزیز الدین مراد آبادی۔ [3] تفہیمات الھیة، ص: ۲/۶۴۔

"بزرگان دین کی قبروں کو میلہ گاہ بنالینا اور ان کے متعلق اختراعی باتیں سراسر خلاف سنت اور ناجائز باتیں ہیں۔"

## شاہ محمد اسحاق کا فتوی:

"مقرر ساختن روز عرس جائز نیست۔"[1] "عرس کا دن مقرر کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

### دوسرا فتوٰی:.....

"مقرر کردن یوم عرس ثبوت آں از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین وائمہ اربعہ نرسیدہ پس امرے کہ ثبوت آں از شارع و مجتہدین متحقق نباشد آں امر رابر اصل خود باید اداشت۔"[2]

"یعنی عرس کا دن مقرر کرنے کا ثبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ سے ثابت نہیں ہے پس ہر وہ کام کہ جس کا ثبوت جناب شارع علیہ السلام اور مجتہدین سے ثابت نہ ہو اس کو جوں کا توں رہنے دیا جائے۔"

## عرس اور بزرگان دین

### حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی وصیت:

"برسمیات عرفے از عرس وغیرہ مقید نباید شد کہ در ارتکاب آں شناعت بسیار است یکے التزام خلاف حضرات ایں طریقہ کہ از قید رسمیات خارج است الخ۔"[3]

"عرس کی مروجہ رسموں کی پابندی ہرگز نہ کی جائے کیونکہ ان میں بہت سی شرعی قباحتیں پائی جاتی ہیں: (۱) رسم عرس بزرگان دین کے طریقے کے خلاف ہے۔(۲) التزام مالم یلزم ہے۔(۳) اسراف وغیرہ۔

[1]اربعین مسائل، ص:۳۶۔ [2] مائۃ مسائل، ص: ۱۵۔ [3] کلمات طیبات: ۹۲۔

### قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((لَا یَجُوْزُ مَا یَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ بِقُبُوْرِ الْاَوْلِیَاءِ وَ الشُّهَدَاءِ مِنَ الْاِجْتِمَاعِ بَعْدَ الْحَوْلِ كَالْاَعْیَادِ وَ یُسَمُّوْنَهٗ عُرْسًا))[1]

"جو لوگ اولیاء کرام اور شہداء عظام کی قبروں پر سال بہ سال بنام عرس جو میلے لگاتے ہیں ناجائز ہیں۔"

### قاضی صاحب کی وصیت:

"وبعد مردن من رسم دنیوی مثل برسینی، ہیچ نہ کنند۔"[2]

"میرے مرنے کے بعد دوسری دنیاوی رسموں کی طرح میری برسی بھی نہ منائی جائے۔" **عرس کے کھانے کا حکم** سوم، ہفتم، دہم اور چہلم کے کھانے کی طرح فقہاء حنفیہ نے عرس کے کھانے کو بھی مکروہ لکھا ہے۔

### شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"و آنکہ بعد از سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزیدند و در میان برادراں بخشش کنند و آں را بہاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آں است کہ نخورند۔"[3]

"برسی، ششماہی اور چہلم کے روز کھانا پکانا محض رسم ہے، بہتر ہے کہ ایسا کھانا نہ کھایا جائے۔"

### شاہ اسحاق کا فتویٰ:

’’مکروہ است اجابت کردن طعامیکہ بجئت مردہ کردہ باشند وچیزے خواندن و

[1]تفسیر مظھری۔ اربعین، ص: ۳۸۔ [2] ما لا بد منه، مع وصیت نامه، ص: ۱۳۸۔ [3] جامع البرکات بحواله اربعین مسائل، ص: ۳۸۔

دست برداشتن از طعام خواندن و دست برداشتن از طعام خواندن و دست برداشتن از طعام بطریق فاتحہ مروجہ پیش از اطعام از علماء ماثور نیست۔‘‘[1]
’’مردے کے لیے پکائی گئی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے اور مروجہ ختم علماء شریعت سے منقول نہیں ہے۔‘‘

### دوسرا فتویٰ:.....

’’طعام اعراس اگر بطریق نذر و تقرب ایشاں پزند پس آں طعام کردن ہم حرام وخوردن آں ہم حرام چنانکہ از روایات سابقہ معلوم شد۔‘‘[2]

’’اگر عرس کرنے والے صاحب عرس کی نذر اور تقرب کے لیے کھانا پکاتے ہیں تو یہ کام حرام ہے اس کو کھانا بھی حرام ہے۔‘‘

## روحوں کی واپسی کا باطل عقیدہ:

جمعرات یا کسی دوسری شب کو روحوں کے واپس آنے کا ذکر کسی صحیح روایت میں موجود نہیں ہے اور وہ روایات جن میں ارواح کا واپس آنا معلوم ہوتا ہے محققین علمائے حدیث کے نزدیک وہ روایات سخت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔

## شاہ اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق:

’’در بعض روایات غریبہ آمدہ است کہ روح میت بخانہ خود در بعض شبہا مثل شب جمعہ و شب براءت و شب عرفہ وغیرہ می آید، ایں روایات در کتب صحاح ستہ نیست و تاوقتیکہ روایات صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد نہ باشد از درجہ اعتبار ساقط است، اگرچہ بعض آں را در کتاب خود نقل کنند بلکہ بعض علماء محدثین مثل ملا علی قاری و شیخ الاسلام وغیرہ ایں روایات را تضعیف گفتہ و شیخ عبد الحق ایں روایت را جامع البرکات بہ بیان غرابت آں آوردہ۔‘‘[3]

[1]اربعین مسائل، ص: ۳۶، ۳۷۔ [2] مائة مسائل، ص: ۴۷۔۴۸۔ [3] اربعین مسائل، ص: ۳۸۔۳۹۔

’’بعض ضعیف روایات میں ہے کہ جمعرات، شب براءت اور عرافہ وغیرہ کی رات کو اپنے اپنے گھروں میں روحیں واپس آتی ہیں۔ مگر یہ روایات صحاح ستہ میں موجود نہیں اور نہ صحیح مرفوع اور متصل الاسناد ہیں اور جب تک کوئی روایت صحیح مرفوع اور متصل الاسناد نہ ہو درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری اور شیخ الاسلام اور دوسرے محدثین نے ان روایات کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور خود شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس کو غریب (ضعیف) لکھا ہے۔‘‘

## شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق:

شاہ اسحاق کے جانشین سید نذیر حسین رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"مرنے کے بعد انسان کی روح کا آنا یا نابالغ روح کا بڑھنا، ان باتوں کا شریعت میں کچھ ثبوت نہیں۔"[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ روایات ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ میت کی روح یا تو نیک اور سعید ہو گی یا پھر بد اور شقی۔ اگر وہ نیک ہے تو واپس آنا تو کجا وہ واپس آنے کی آرزو بھی نہیں کرے گی۔ جیسے کہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَ لَهٗ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا الشَّهِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلُ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَةِ))[2]

"جنتیوں میں سے کوئی بھی واپس آنے کو تیار نہ ہو گا خواہ اس کو ساری دنیا ملنے کا یقین ہو ہاں شہید دوبارہ شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے واپس آنا چاہیے گا (مگر اسے بھی اجازت نہ ہو گی)۔"

[1]فتاوی نذیریه، ص: ٦٥٧۔ [2] متفق علیه، مشکوة: ۲؍۳۳۰۔

اگر روح بد اور شقی ہو گی تو اس کی خواہش کے باوجود اسے واپس آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ، وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا کَذٰلِکَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ،﴾ (البقرة: ١٦٦۔١٦٧)

"جب مقتدا اپنے پیروؤں سے الگ ہو جائیں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے اور پیرو کہنے لگیں گے کاش! ہم کو پھر ایک دفعہ (واپس جانا) مل جاتا تو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے الگ ہو گئے، بس اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو انہیں (خالی) ارمان (کر کے) دکھائے گا اور دوزخ سے کبھی نہ نکل پائیں گے۔" مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ،﴾ (الانبیاء: ٩٥)

"جس بستی کو ہم ہلاک کر چکے ہیں اس کے باشندے لوٹ کر نہیں آ سکتے۔"

یعنی جن بستیوں کو تباہ کر دیا گیا ہے" ان کے باشندے پھر دنیا میں نہیں آسکتے۔ س

یدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى وَ أَصَمُّ مَعَهُ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا يَضْرِبُهُ ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ))[1]

"جب کافر اور مجرم حساب میں فیل ہو جاتا ہے تو قبر اس کی پسلیاں توڑ ڈالتی ہے پھر اس پر ایک اندھا بہرا داروغہ مقرر کیا جاتا ہے اس کے پاس اسے پیٹنے کے لیے

[1] رواہ احمد۔ ابو داود، مشکوۃ: ۲۶/۱۔

اتنی بھاری گرز ہوتی ہے جس کی ضرب سے پہاڑ بھی مٹی ہو جاتا ہے پھر وہ داروغہ اس کو مارتا ہے جس سے وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔"

اور اس کا یہ حشر قیامت تک ہوتا رہے گا۔ بتایئے اس صورت حال میں کوئی روح واپس آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

## پیر جیلانی رحمہ اللہ کی آخری وصیت:

مرض موت میں آپ کے لخت جگر شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے ایسی وصیت فرمایئے جس پر میں آپ کے بعد عمل پیرا ہو سکوں۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے یہ وصیت کی کہ

"اللہ سبحانہ سے ہمیشہ ڈرتا رہ اور اس کی مخلوق میں سے کسی کا ڈر نہ رکھ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اپنی امیدیں اور حاجتیں وابستہ نہ کر۔ اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق توحید کی مضبوطی اختیار کر کیوں کہ توحید پر سلف نے اجماع کیا ہے۔"[1]

ناظرین باتمکین! ہم نے قرآن عزیز کی سیکڑوں آیات میں سے بخوف طوالت سات آیات دو احادیث اور نامور مفتیان احناف کے چھ فتوے، علامہ اقبال کی رائے گرامی اور پیر عبدالقادر جیلانی کی آخری وصیت آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہے تاکہ آپ خود فیصلہ کر سکیں کہ اہل قبول سے استمداد ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک جلی ہے۔ ایک شبہ:..... ایک حدیث میں ہے:

((إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا بِأَہْلِ الْقُبُوْرِ))

"جب تمھیں کسی کام میں حیرانی ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔"

معلوم ہوا کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔

جواب:..... یہ حدیث نہیں بلکہ یار لوگوں کی خود ساختہ حدیث ہے۔یعنی محدثین نے صراحت سے لکھا ہے کہ یہ جھوٹی بات ہے۔

((ہُوَ کَلَامٌ مَوْضُوْعٌ مَکْذُوْبٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ))[2]

[1]فتوح الغیب مع شرح فارسی، ص: ۲۱۵۔ [2] اقتضاء الصراط المستقیم۔

"اس روایت کے فرضی اور جھوٹی ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔" شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس روایت کے بعد فرماتے ہیں: "ایں حدیث قول مجاوراں برائے اخذ نذر و نیاز بر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم افترا کردہ اند، در کتب صحاح حدیث اصل ندارد۔"[1]

"یہ حدیث نذر نیاز بٹورنے کے لیے مجاوروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کی ہے احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

شبہ دوم:...... ((اِذَا اَعْیَتْکُمُ الْاُمُوْرُ فَعَلَیْکُمْ بِاَصْحَابِ الْقُبُوْرِ))

"جب مشکلات تمھیں تھکا دیں تو اہل قبور سے مدد مانگو۔"

شبہ سوم:..... ((لَوْ اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ ظَنَّہٗ بِحَجَرٍ لَنَفَعَہٗ))

"اگر کوئی پکے یقین کے ساتھ پتھر سے کچھ مانگے تو وہ بھی نفع دے۔"

جواب:..... حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وامثال ایں حدیث ہابسیار اند کہ صریح مناقض دین اسلام است، نسبت وضع عابدان اصنام مقابر یہ۔"[2]

"ایسی فرضی احادیث بکثرت مشہور ہیں جو کہ دین اسلام کے صریح خلاف ہیں جنہیں قبر کے مجاوروں نے گھڑ رکھا ہے۔"

## حصول فیض کے لیے کسی قبر کے پاس جاناناجائز ہے:

زیارت قبور بلاشبہ مسنون اور باعث ثواب ہے مگر اندرون ملک اور بیرونِ ممالک میں خانقاہوں اور مزاروں پر باہتمام خاص حصول فیض کے لیے جانا، بحکم رسول منع اور ناجائز ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ

[1] ابلاغ المبین، ص: ۹۹۔ [2] ابلاغ المبین، ص: ۲۵۔

مَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَ مَسْجِدِ الْاَقْصٰی))[1]

"سواریوں پر سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔" یہاں صیغہ "لَاتُشَدُّ" نفی مجہول کا استعمال ہوا ہے اور سیّدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث میں صیغہ لَاتُشَدُّوْا جمع مذکر حاضر فعل نہی بھی وارد ہے۔ یعنی سواریاں استعمال نہ کرو۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللّٰہ عنہ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَا تُشَدُّوْا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِیْ ہٰذَا وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی))[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثواب کی نیت سے کسی بھی جگہ کی طرف سفر نہ کرو سوائے ان تین مساجد کے، میری یہ مسجد، بیت اللہ شریف اور مسجد اقصی۔" ان دونوں صحیح حدیثوں سے ظاہر ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے ثواب اور تبرک حاصل کرنے کے لیے کسی نبی، صحابی، شہید اور ولی کی قبر کی طرف جانا منع ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کوہ طور پر جانے پر سیّدنا بصرہ بن ابی بصرہ نے اعتراض کیا تھا۔ پوری حدیث یہ ہے:

((قَالَ اَبُوْہُرَیْرَةَ رضی اللّٰہ عنہ فَلَقِیْتُ بُصْرَةَ بْنَ اَبِیْ بُصْرَةَ الْغِفَارِیَّ فَقَالَ مِنْ اَیْنَ اَقْبَلْتَ فَقُلْتُ مِنَ الطُّوْرِ فَقَالَ لَوْ اَدْرَکْتُکَ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ اِلَیْہِ مَا خَرَجْتَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا تُعْمَلُ الْمُطِیُّ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِلٰی مَسْجِدِیْ ہٰذَا وَ اِلٰی مَسْجِدِ اِیْلِیَاءَ))[3]

[1] صحیح بخاری: ۱/۱۵۸۔ صحیح مسلم: ۱/۴۴۷۔ [2] صحیح مسلم: ۳/۲۳۳۔ [3] موطأ امام مالک، ص: ۹۲، اصح المطابع کراچی۔

"سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ بن ابی بصرہ غفاری سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے ہو کر آئے ہو؟ تو میں نے کہا کوہ طور سے، انہوں نے کہا اگر میں تمہارے کوہ طور جانے سے پہلے ملتا تو تم کوہ طور کی طرف نہ جاتے یعنی میں تم کو روک دیتا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ نہ کام میں لائی جائے سواری یعنی سفر نہ کیا جائے مگر ان تین مسجدوں کی طرف؛ مسجد حرام، مسجد نبوی

اور مسجد اقصیٰ۔" سیدنا قزعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کوہ طور کی زیارت کا قصد کیا اور پھر اس بارے میں سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اپنے ارادے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی بصرہ غفاری والی حدیث سنا کر کہا:

((دَعْ عَنْکَ الطُّوْرَ فَلَا تَأْتِہٖ))[1]

"کوہ طور پر جانے کا خیال چھوڑ دیجیے، وہاں مت جائیے۔"

## سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

((اَنَّہٗ رَاَی النَّاسَ فِیْ سَفَرٍ یَتَبَادَرُوْنَ اِلٰی مَکَانٍ فَسُئِلَ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْا قَدْ صَلّٰی فِیْہِ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَقَالَ مَنْ عَرَضَتْ لَہُ الصَّلٰوۃُ فَلْیُصَلِّ وَ اِلَّا فَلْیَمْضِ فَاِنَّمَا ہَلَکَ اَہْلُ الْکِتَابِ لِاَنَّہُمْ تَتَبَّعُوْا اٰثَارَ اَنْبِیَائِہِمْ فَاتَّخَذُوْہُمْ کَنَائِسَ وَ بِیَعًا))[2]

"سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک سفر میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک مکان کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس جگہ پر نماز پڑھی تھی، اس لیے وہ بھی وہاں نماز پڑھنے کے خواہاں ہیں تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جسے نماز پڑھنی

[1]قال ناصر الدین الالبانی اخرجه الازرقی فی اخبار مکة باسناد صحیح و رجاله رجال الصحیح۔ [2] فتح الباری: ۱/۵۶۹۔ احکام الجنائز البانی، ص: ۲۲۶۔

ہو وہ یہاں ہی نماز پڑھ لے ورنہ اپنا سفر شروع رکھے۔ اہل کتاب اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو گرجے اور عبادت خانے بنالیا تھا۔" سیدنا بصرہ بن ابی بصرہ رضی اللہ عنہ اور قزعہ رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس امتناعی حکم سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے "لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ" کے الفاظ کو ان کے عموم پر ہی رکھا ہے یعنی ان تینوں مساجد کے سوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نہ تو کسی مسجد کی طرف سفر کی اجازت ہے اور نہ کسی مزار اور کاشانے کی طرف جانے کی چھٹی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَقَالَ الشَّیْخُ اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْجُوَیْنِیُّ یَحْرُمُ شَدُّ الرِّحَالِ اِلٰی غَیْرِہَا عَمَلًا بِظَاہِرِ ہٰذَا الْحَدِیْثِ اَشَارَ الْقَاضِیْ حُسَیْنٌ اِلٰی اِخْتِیَارِہٖ وَ بِہٖ قَالَ عَیَاضٌ وَ طَائِفَۃٌ وَ یَدُلُّ عَلَیْہِ مَا رَوَاہُ اَصْحَابُ السُّنَنِ مِنْ اِنْکَارِ بُصْرَۃَ الْغِفَارِیِّ عَلٰی اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ خُرُوْجَہٗ اِلَی الطُّوْرِ وَ اسْتَدَلَّ بِہٰذَا الْحَدِیْثِ فَتَدَلَّ عَلٰی اَنَّہٗ یَرٰی حَمْلَ الْحَدِیْثِ عَلٰی عُمُوْمِہٖ وَ وَافَقَہٗ اَبُوْہُرَیْرَۃَ))[1]

"شیخ ابو محمد جوینی نے کہا ہے کہ حرام ہے جانا سوائے ان تین جگہوں کے کسی اور جگہ کی طرف بوجہ عمل کرنے کے اس حدیث کے ظاہر پر اور اشارہ کیا قاضی حسین نے اس کے پسند کرنے پر اور قاضی عیاض نے بھی یہی کہا ہے اور دوسری ایک جماعت کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور دلالت کرتی ہے

اوپر اس کے وہ روایت جس کو اصحاب سنن نے ذکر کیا کہ سیّدنا بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کوہ طور پر جانے کے بارے میں اور بصرہ نے استدلال کیا اس حدیث سے جو دلالت کرتی ہے اس پر کہ انہوں نے اس حدیث کو اس کے عموم

[1]فتح الباری: ۳؍۵۳۔

پر قائم رکھا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت کی۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَ مِنۡهَا الۡحَجُّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ وَ ذٰلِكَ اَنۡ يَقۡصُدَ مَوَاضِعَ مُتَبَرَّكَةٍ مُخۡتَصَّةٍ بِشُرَكَائِهِمۡ يَكُوۡنُ الۡحُلُوۡلُ بِهَا تَقۡرِيۡبًا مِنۡ هٰؤُلَاءِ فَنَهَى الشَّرۡعُ ذٰلِكَ وَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم وَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ))[1]

"من جملہ شرکیہ امور میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کے لیے حج کرنا ہے یعنی قصد کیا جائے اپنے معبودوں کے متبرک مخصوص مقام کا کہ وہاں جانا ان کے نزدیک حج ہونے کا باعث ہے پس شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف سفر نہ کیا جائے۔"

الشیخ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

((اَقُوۡلُ كَانَ اَهۡلُ الۡجَاهِلِيَّةِ يَقۡصُدُوۡنَ مَوَاضِعَ مُعَظَّمَةٍ بِزَعۡمِهِمۡ وَ يَزُوۡرُوۡنَهَا وَ يَتَبَرَّكُوۡنَ بِهَا وَ فِيۡهِ مِنَ التَّحۡرِيۡفِ وَ الۡفَسَادِ مَا لَا يَخۡفٰى فَسَدَّ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم الۡفَسَادَ لِئَلَّا يَلۡتَحِقَ غَيۡرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ وَ لِئَلَّا يَصِيۡرَ زَرِيۡعَةً لِعِبَادَةِ غَيۡرِ اللّٰهِ وَ الۡحَقُّ عِنۡدِيۡ اَنَّ الۡقَبۡرَ وَ مَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِيٍّ مِنۡ اَوۡلِيَاءِ اللّٰهِ وَ الطُّوۡرَ كُلُّ ذٰلِكَ سِوَاءٌ فِي النَّهۡيِ، وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ))[2]

"میں کہتا ہوں اہل جاہلیت مکانات معظمہ کا قصد کرتے تھے کہ اپنے گمان میں ان مکانات کو بزرگ جانتے تھے اور زیارت کرتے تھے اور اس طرح کے قصد کرنے میں اور بزرگی جاننے میں تحریف (دین) اور فساد مقرر ہے کہ نہیں پوشیدہ پس بند کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد تاکہ نہ مل جاویں غیر شعائر ساتھ شعائر

[1]حجۃ اللہ: ۱؍۶۳۔ [2] حجۃ اللہ: ۱؍۱۹۲۔

کے اور نہ ہو جاوے وسیلہ واسطے عبادت غیر اللہ کے اور حق میرے نزدیک یہ ہے کہ قبر اور جگہ بندگی کرنے کسی ولی کی اولیاء اللہ میں سے اور کوہ طور نہی میں سب برابر ہیں۔ یعنی ان سب چیزوں کی طرف سفر نہ کرے۔"[1]

الشیخ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:

((مَنْ ذَہَبَ اِلٰی بَلْدَۃِ اَجْمِیْرَ اَوْ اِلٰی قَبَرِ سَالَارِ مَسْعُوْدٍ غَازِیْ اَوْ مَضٰھَا لِاَجْلِ حَاجَۃٍ یَطْلُبُھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ اِثْمًا کَبِیْرًا مِنَ الْقَتْلِ وَ الزِّنَا لَیْسَ مِثْلَہٗ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ الْمَصْنُوْعَاتِ اَوْ مِثْلَ مَنْ کَانَ یَدْعُو اللَّاتَ وَ الْعُزّٰی))[2]

شیخ عبد الحق لکھتے ہیں:

((وَ لٰکِنَّ الْمَعْنَی الْمُتَبَادَرَ اِلَی الْفَھْمِ عِنْدَ الْاِنْصَافِ ہُوَ النَّھْیُ عَنِ السَّفَرِ اِلٰی مَکَانٍ اِلَّا الْمَسَاجِدَ الثَّلَاثَۃَ وَ الْاَمْکِنَۃَ مِنْ جِنْسِ الْمَسَاجِدِ غَیْرَ اَنَّہٗ جِنْسٌ بَعِیْدٌ وَ لَا یَجِبُ فِی الْمُسْتَثْنَی الْمُفَرَّغِ اَنْ یَکُوْنَ جِنْسًا قَرِیْبًا))[3]

"انصاف کی رو سے ذہن کے قریب یہی معنی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان تین مسجدوں کے ثواب و تبرک کی نیت سے کسی جگہ کی طرف بھی سفر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لا تشد الرحال میں مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ مفرغ میں جنس قریب کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔"

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مترجم گوید تحقیق درینجا آں است کہ در جاہلیت سفر می کردند بمواضع متبرکہ بزعم خویش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سد باب تحریف فرمود و سفر را برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد

[1]مظاہر حق: ۱/۲۴۰۱، مطبع نول کشور۔ [2] تفہیمات الٰہیۃ: ۲/۴۹۔ [3] اشعۃ اللمعات بحوالہ اشیۃ بخاری: ۱/۲۵۱۔

بقصد خصوصیت تبرک بآں مواضع منع فرمود تا امر جاہلیت رواج نہ گردو، آیا نمے بنی کہ بصرہ غفاری نہی را شامل طور داشت و ابوہریرہ را از طور منع کرد، واللہ اعلم۔"[1]

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ بزعم خویش مقامات متبرکہ کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف (دین) کا دروازہ بند فرمایا اور سوائے تین مساجد کی طرف سفر کے باقی تمام متبرک مقامات کی طرف سفر بقصد خصوصیت تبرک منع فرمادیا تاکہ امر جاہلیت رواج نہ پکڑ جائے، کیا تو دیکھتا نہیں کہ سیّدنا بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے طور جیسی مقدس جگہ کی طرف سفر کو حکم منع میں شامل رکھا ہے اور سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کوہ طور کی طرف جانے سے منع فرمایا ہے۔

## قبر کو قبلہ بنانا:

کسی بھی قبر کو قبلہ بنانا اور اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا سخت منع ہے، چنانچہ سیّدنا ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِنِ الْغَنَوِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَ لَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا))[2]

"سیّدنا ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھو۔"

محقق علی محفوظ مصری لکھتے ہیں:

((وَ السِّرُّ فِیْ ذٰلِکَ اَنَّ تَخْصِیْصَ الْقُبُوْرِ عِنْدَہَا یَشْبَہُ تَعْظِیْمُ الْاَصْنَامِ بِالسُّجُوْدِ وَ التَّقَرُّبِ اِلَیْھَا))[3]

"بالخصوص قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے منع کرنے میں راز یہ ہے کہ اس طرح ان لوگوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے جو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور اس وجہ

[1]مصفی شرح موطأ، ص: ۹۰۔ [2] صحیح مسلم مع نووی: ۱؍۳۰۲۔ [3] الابداع فی مضار الابتداع۔

سے بھی منع ہے کہ اس نماز کو غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔" عراق میں مختار ثقفی کی قبر پر یہ منظر دیکھنے کو ملتا ہے کہ لوگ اس کی قبر کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی اور سمت نماز ادا کرنا صریحاً حرام ہے۔ ویسے بھی یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ حضرت علی یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی قبروں پر صرف سلام دعا کی جائے اور مختار ثقفی کی قبر کی طرف نماز ادا کی جائے..... یہ لوگ کس کی توہین کر رہے ہیں اور کس کی توقیر؟ (مختار ثقفی والی بات کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے کتاب: عروس البلاد بغداد میں از قلم عمر فاروق قدوسی)

## قبر کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا:

قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بدترین بدعت ہے۔ علامہ علی محفوظ مصری لکھتے ہیں:

((وَ مِنَ الْبِدَعِ الْفَاشِیَۃِ الزَّائِرُوْنَ یَقِفُوْنَ قَلِیْلًا بِغَایَۃِ الْخُشُوْعِ عِنْدَ الدَّارِ کَاَنَّھُمْ یَسْتَأْذِنُوْنَ ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ وَ بَعْضُھُمْ یَقِفُ اَمَامَ الْقَبْرِ وَاضِعًا یَدَیْہِ کَالْمُصَلِّیْ ثُمَّ یَجْلِسُ فَھٰذَا مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ لَمْ یَشْھَدْ لَھَا اَصْلٌ وَ لَا اَدَبٌ یَقْتَضِیْہِ وَ مَنْشَأُ ہٰذِہِ الْبِدْعَۃِ عَمَلٌ لِلشِّیْعَۃِ))[1]

"بعض زائرین کمال خشوع کے ساتھ مزار کے دروازے پر کھڑے ہو کر قبر کے پاس جانے کی اجازت لیتے ہیں پھر قبر کے پاس جاتے ہیں اور کچھ زائرین نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کچھ دیر قبر کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور پھر بیٹھتے ہیں، یہ سب ایسی بدعات ہیں جن کا نہ تو قرآن و حدیث میں ثبوت ملتا ہے اور نہ آداب قبور ان کے مقتضی ہیں۔"

## قبر کو سجدہ کرنا شرک ہے:

بعض عقیدت کیش قبروں کی طرف سجدہ کرنا ثواب سمجھتے ہیں اور اسے بہترین عمل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کھلا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1]الابداع، طحطاوی: ۱/۳۸۳۔

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (حم السجدة: ۳۷)

"تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو (بلکہ) اس اللہ کو سجدہ کیا کرو جس نے ان (سب چیزوں) کو پیدا کیا۔ اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔"

﴿وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الرعد: ۱۵)

"اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں سجدہ ریزی تمام آسمان والے اور زمین والے کرتے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((اِنَّهُمْ كَانُوْا یَسْجُدُوْنَ لِلْاَصْنَامِ وَالنُّجُوْمِ فَجَآءَ النَّهْیُ عَنِ السَّجْدَةِ لِغَیْرِ اللّٰهِ))[1]

"اہل جاہلیت بتوں اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے تو حکم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ مت کرو۔"

## غیر اللہ کو سجدہ کفر ہے:

نصاب الاحتساب میں ہے:

((اِذَا سَجَدَ لِغَیْرِ اللّٰهِ یَكْفُرُ لِاَنَّ وَضْعَ الْجَبْهَةِ عَلَی الْاَرْضِ لَا یَجُوْزُ اِلَّا لِلّٰهِ))[2]

"جب کوئی شخص غیر اللہ (بت قبر وغیرہ) کو سجدہ کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ زمین پر پیشانی صرف اللہ کے لیے رکھی جاتی ہے۔"

فتاویٰ حمادیہ میں ہے:

((اَلتَّوَاضُعُ لِغَیْرِ اللّٰهِ حَرَامٌ وَاِذَا لِغَیْرِ اللّٰهِ مُعْتَقِدًا حَقِیْقَةً كُفْرٌ))[3]

"غیر اللہ کے سامنے تواضع کرنا (یعنی سر جھکانا وغیرہ) حرام ہے۔ اگر غیر اللہ

[1]حجة اللّٰہ: ۱/۶۲۔ [2] بحوالہ مائة مسائل، ص: ۳۵۔ [3] مائة مسائل، ص: ۳۶۔

کے لیے کوئی جھکنے کو سچ مچ جائز سمجھے گا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔"

مائۃ مسائل میں ہے:

((فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَوْ جَازَتِ السَّجْدَۃُ لِغَیْرِ اللّٰہِ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا وَ الْمَعْنٰی فِیْ ذٰلِکَ ہُوَ اَنَّ ہٰذِہٖ عِبَادَۃٌ خَالِصَۃٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی فَمَنْ اَتَاہَا لِغَیْرِ اللّٰہِ یَکْفُرُ لِاَنَّہٗ اَشْرَکَ))[1]

"اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے سوا اگر کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ سجدہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شرک کا ارتکاب کر لیا ہے۔"

## فتویٰ احمد رضا بریلوی:

بے شک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت میں سوائے نیت کے کوئی فرق نہیں، سجدہ زمین بوسی کی نسبت در مختار سے گزرا کہ "یَشْبَہُ عِبَادَۃَ الْوَثَنِ" (قدم بوسی بت پرستی ہے)۔[2]

نیز لکھتے ہیں سجدہ عبادت تو یقینا اجماعاً شرک معین و کفر مبین اور سجدہ تحیت (تعظیمی) حرام گناہ کبیرہ بالیقین اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف۔[3]
فاضل بریلوی نے ماشاء اللہ کوئی ابہام رہنے ہی نہیں دیا:

ترے رندوں پر کھل گئے اسرار دیں ساقی

ہوا علم الیقین، عین الیقین حق الیقین ساقی

## طوافِ قبر:

اولیاء کرام، صلحاء امت اور بزرگان دین کی قبروں کا طواف کرنا بدعت ہے اور بعض

[1]مائة مسائل، ص: ۳۶۔ [2] الزبدة الزکیة، ص: ۵۸۔ [3] الزبدة الزکیة، ص: ۶۰۔

صورتوں میں کفر ہے۔ کیونکہ حسب تصریح فقہاء احناف طواف صرف کعبۃ اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ بلکہ بقول فقہاء احناف کعبہ کے سوا کسی مسجد کا بھی طواف جائز نہیں، لیکن ہم ہیں کہ قبروں کی طرف لپک پڑتے ہیں، کوئی قبر کا طواف کر رہا ہے، کوئی معانقہ قبر میں مصروف اور کوئی پھولوں کی چادر چڑھا رہا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ فقہاء احناف کے فتاویٰ سے قبل ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایمان تازہ کرتے چلیے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰه عنهما اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ الطَّوَّافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ))[1]

"جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف نماز کی مثل ہے" یعنی جیسے اللہ کے سوا کسی اور کی نماز پڑھنا شرک ہے اسی طرح بیت اللہ کے علاوہ کسی مسجد تھان، آستانہ، درگاہ اور قبر کا طواف بھی شرک ہے۔ معراج الدرایہ میں ہے:

((لَا يَطُوْفُ لَا يَدُوْرُ اِلٰى حَوْلِ الْبُقْعَةِ الشَّرِيْفَةِ لِاَنَّ الطَّوَّافَ مِنْ مُخْتَصَّاتِ الْكَعْبَةِ الْمَنِيْفَةِ فَيَحْرُمُ حَوْلَ قُبُوْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَلَا عِبْرَةَ بِمَا يَفْعَلُهُ الْعَامَّةَ الْجَهْلَةُ وَلَوْ كَانُوْا فِيْ صُوْرَةِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ))[2]

"کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرقد شریف کا طواف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ طواف کعبہ شریف کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مقابر کا طواف بھی حرام ہے، جاہل عوام اگر اس فعل حرام پر عمل پیرا ہیں تو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ علماء و مشائخ ہی کیوں نہ ہوں۔"

لباس خضر میں ہزاروں رہزن پھرتے ہیں

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

[1]ترمذی، نسائی، دارمی، بحوالہ مشکوۃ: ۱/۲۲۷۔ [2]کذا فی شرح المناسک بحوالہ مائۃ مسائل، ص: ۳۸۔ واربعین مسائل، ص: ۴۴۔

## قاضی ثناء اللہ حنفی کا فتویٰ:

"سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و طواف گردن قبور دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیزہا ازاں بکفر رساند، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ و ازاں منع فرمود و گفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند۔"[1]

"انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ اور ان کا طواف کرنا جائز نہیں۔ قبروں والوں سے دعا کی درخواستیں کرنا، قبروں پر چڑھائی ہوئی نذریں قبول کرنا نہ صرف حرام ہیں بلکہ یہ چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں پر لعنت فرمائی ہے اور ان سے منع کرتے ہوئے امت کو وصیت فرمائی تھی کہ میری تربت کو بت نہ بنالینا۔ یعنی میری تربت کی پوجا نہ کرنا۔"

## شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا فتویٰ:

''آنکہ طواف کردن قبور صلحاء اولیاء بلاشبہ بدعت است زیر آنکہ در زمان سابق نہ نبود..... زیر آنکہ مشابہت بابت پرستاں لازم می آید و نیز طواف در شرع محض برائے کعبہ وارد شدہ قبر بزرگ مشابہ کردن کعبہ خوب نیست۔''[2]

''صلحائے امت اور اولیاء کی قبروں کا طواف کرنا بلاشبہ بدعت ہے کیونکہ سابق زمانہ میں اس کا رواج نہ تھا۔''

## معانقہ قبر:

قبر سے بغل گیر ہونا، قبر کو چھونا اور اس پر بیٹھنا از روئے حدیث اور فقہ حنفیہ منع اور بدعت ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى اَنْ يُقْعَدَ وَ يُجَصَّصَ وَ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَ قَالَ عُثْمَانُ وَ زَادَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسٰى اَوْ اَنْ يُكْتَبَ

[1] مالا بد منه، ص: ۷۰۔ [2] فتاویٰ عزیزی: ۱۰۴/۲۔

عَلَيْهِ))[1]

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے، اس کو پختہ کرنے، اس پر اضافہ اور اس پر کتبہ لکھنے سے منع فرمایا ہے۔''

## شاہ اسحاق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

''وہر دو دست مالیدن و طواف کردن ہمہ مکروہ تحریمی است۔''[2]

''قبر پر دونوں ہاتھ ملنا اور اس کا طواف کرنا وغیرہ سب مکروہ تحریمی ہے۔'' مائۃ مسائل میں ہے: ''دست مالیدن و سجدہ و طواف و تقبیل نمودن و منحنی شدن دریں جا کہ مالیدن درست نیست در کتاب کشف الغطاء شیخ الاسلام دست ننہد بر قبر و مسح نہ کند و بوست ندہد و منحنی نشود و خاک نمالد کہ ایں عادت نصاریٰ است و مشائخ در منع آں تشدید بسیار دارند۔''[3]

''قبر پر ہاتھ ملنا، طواف کرنا، سجدہ کرنا، بوسہ دینا، قبر کے سامنے جھکنا اور اس کی مٹی میں لتھڑنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے کشف الغطاء میں ان حرام اور بدعی رسموں کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبر سے بغل گیر ہونا وغیرہ نصاریٰ کی عادت ہے اور مشائخ نے ان رسموں کی سختی سے تردید کی ہے۔''

## قبر پر پھول چڑھانے کے دلائل اور ان کا جواب:

قبروں پر پھول چڑھانا بدعت ہے۔ سلف صالحین میں اس بدعت کا نام ونشان نہ تھا۔ تاہم اس کے جواب میں یہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر گیلی لکڑی کی دو پھانکیں گاڑ کر فرمایا تھا:

((لَعَلَّهٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ یَیْبِسَا)) [4]

[1] ابو داود، مع شرح عون المعبود: ۳/۲۱۰، باب فی البناء علی القبر۔ [2] اربعین، ص: ۴۴۔ [3] مائة مسائل، ص: ۴۲۔ [4] صحیح مسلم: ۱/۱۴۱۔

"شاید ان دونوں لکڑیوں کے خشک ہونے تک ان مردوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔"

لہٰذا پھول بالاولیٰ باعث تخفیف عذاب قبر ہیں۔

جواب 1:..... یہ کہنا کہ شاخ تر تخفیف عذاب کا باعث تھی صحیح نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سفارش کے ساتھ تخفیف عذاب کی توقع کی تھی۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے:

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ مَرَرْتُ بِقَبَرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَاَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِیْ اَنْ یُّرْفَعَ ذَاکَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانُ رُطَبَیْنِ))[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسی دو قبروں پر آیا جنہیں عذاب ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ ان دونوں شاخوں کے خشک ہونے کی مدت تک بوجہ میری سفارش کے اگر ان سے عذاب تھم جائے تو اچھا ہے۔" جواب 2:..... یہ بات شرع اور عقل کے خلاف ہے کہ شاخ کی رطوبت تخفیف عذاب کا باعث بنی ہو۔ ورنہ سدا بہار باغیچوں، گلبنوں اور نرسریوں میں دفن ہونے والے کافروں اور ملحدوں کے عذاب میں بھی تخفیف ماننی پڑے گی۔

جواب 3:..... ان کے عذاب میں متوقع تخفیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مرہون منت ہے۔ تخفیف عذاب کا سوال گویا شاخ کے خشک ہونے تک تھا۔ محقق ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

((اَلتَّبَرُّکُ بِاَثَرِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ دُعَائِهٖ بِالتَّخْفِیْفِ عَنْهُمَا وَ کَاَنَّهٗ جَعَلَ مُدَّةَ بَقَاءِ النَّدَاوَةِ فِیْهِمَا حَدًّا لِمَا وَقَعَتْ بِهِ الْمَسْاَلَةُ))[2]

جواب4:..... ان دونوں قبروں پر دو پھانکوں کا گاڑنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔(۱)عذاب قبر ایک غیبی اور ان دیکھی چیز ہے جس پر سوائے رسول کے کسی کو اطلاع نہیں دی جاتی جیسے کہ قرآن مجید میں ہے:﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا . اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (الجن: ۲۶-۲۷) "(وہ) غیب کو جاننے والا ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر کوئی رسول، جسے وہ پسند کرلے۔"(۲) اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہ ہوتی تو ہمارے سلف اس عمل کو جاری رکھتے اور سلف میں اس کا رواج تو کجا اس کا کھوج تک نہیں ملتا۔
شبہ2:..... حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے کہاہے کہ گیلی شاخ تسبیح کرتی ہے اور تسبیح تخفیف عذاب کا باعث ہے۔

جواب:..... یہ توجیہ بالکل غلط ہے کیونکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں مصروف کار ہے جیسے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

"ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے درآنحالیکہ وہ اس کی تعریف کرنے والی ہے یہ الگ بات ہے تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔"

علاوہ ازیں یہ توجیہ اگر صحیح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاخ کو پھاڑ کر دو نہ بناتے بلکہ ایک شاخ اور مہیا کرتے اور ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ دیتے کیونکہ ہر آدمی یہ جانتا ہے کہ پھٹی ہوئی شاخ سالم شاخ کی بہ نسبت جلد خشک ہو جاتی ہے: فافہم وتدبر ولا تکن من القاصرین۔

شبہ3:..... سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر شاخ گاڑ کر فرمایا تھا کہ شاید اس کے خشک ہونے تک قبر والے کو چین رہے۔[1]

جواب:..... اس روایت کے دو راوی شاہ بن عمار اور نصر بن منذر مجہول ہیں اور قتادہ مدلس ہے اور لفظ "عن" سے روایت کرتا ہے لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے

[1]شرح الصدور للسیوطی۔

پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

شبہ4:..... سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر میں دو شاخیں رکھ دینا۔(صحیح بخاری)

جواب1:..... یہ وصیت بلاشبہ ثابت ہے اور سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا پہلی حدیث کا حکم عام سمجھتے تھے مگر ان کا یہ خیال صحیح نہ تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وصیت کے ذکر کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول "اِنَّمَا يُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ" ذکر کرکے اس حدیث کی تقیید کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس وصیت کی شرح میں رقم طراز ہیں:

((وَ كَانَ بُرَيْدَةُ حَمَلَ الْحَدِيْثَ عَلٰى عُمُوْمِهٖ وَ لَمْ يَرَهٗ خَاصًّا بِذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ قَالَ ابْنُ رُشَيْدٍ وَ يَظْهَرُ مِنْ تَصَرُّفِ الْبُخَارِيِّ اَنَّ ذٰلِكَ خَاصٌّ بِهِمَا فَلِذٰلِكَ عَقَبَهٗ بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ عنهما اِنَّمَا يُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ))[1]

''امام بخاری رحمہ اللہ کے تصرف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قبروں پر جو دو ٹہنیاں گاڑی تھیں وہ ان دو آدمیوں کے ساتھ خاص تھیں اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے لکھا ہے کہ میت کو بس اس کا عمل سایہ کرتا ہے۔''

جواب2:..... یہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی اور کسی کی رائے بلا دلیل شرعی حجت نہیں۔

جواب3:..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دفن کے بعد دونوں قبروں پر شاخیں گاڑی تھیں اور سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی وصیت میں دفن کے وقت قبر میں دو شاخیں رکھنے کا بیان ہے یعنی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی وصیت میں اختلاف ہے۔

[1]فتح الباری: پ۵ص۲۹۹۔

**ملحوظہ:**..... آج کل یہ بدعت دینی حلقوں سے نکل کر سرکاری حلقوں میں بھی پہنچ گئی ہے، چنانچہ جب ہمارے حکمران بیرون ملک دوروں پر جاتے ہیں تو غیر مسلم بلکہ بدمذہب اور دہریوں کی مڑھیوں شمشان بھومیوں اور سمادھیوں پر پھول چڑھاتے ہیں حالانکہ یہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رضی اللّٰہ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیه وسلم اِذَا مَرَرْتَ بِقَبْرٍ كَافِرٍ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ))[1]

''سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کافر کی قبر پر تمہارا گزر ہو تو اس کو جہنم کی آگ کی بشارت دو۔'' اور یہاں پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یَالَلْعَجَب!

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تیری ظلم کشی کو

ہزاروں ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

### شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال:..... جنازہ پر پھولوں کے ہار ڈالنے کیسے ہیں؟

جواب:..... شرع شریف میں اس کا ثبوت نہیں۔

### قبر کو بوسہ دینا:

اگرچہ اس بدعت کا کچھ ذکر معانقہ قبر کے بیان کے ضمن میں گزر چکا ہے تاہم دو فتاویٰ اور بھی حوالہ قرطاس کیے جاتے ہیں:

### شاہ اسحاق رحمہ اللہ کا فتوی:

"بوسہ دادن بر قبر و سجدہ کردن ہمہ مکروہ تحریمی است۔"[2]

"قبر کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے۔"

[1] اخرجہ الطبرانی بسند صحیح، احکام الجنائز، ص: ۱۹۸۔ [2] اربعین مسائل، ص: ۴۴۔

### مفتی رشید احمد لدھیانوی حنفی کا فتویٰ:

سوال:..... قبر کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے یا کہ حرام؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب قبر کا بوسہ بہ نیت عبادت و تعظیم شرک ہے اور بلانیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔

((وَكَذَا مَا يَفْعَلُوْنَهٗ مِنْ تَقْبِيْلِ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ، فَحَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِىْ بِهٖ اٰثِمَانِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثْنِ وَهَلْ يَكْفُرَانِ عَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كُفْرٌ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ اِطْلَاقُ السُّجُوْدِ عَلٰى هٰذَا التَّقْبِيْلِ))[1]

"علماء اور عظماء کے سامنے مٹی کو چومنا حرام ہے۔ چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہگار ہیں کیونکہ یہ بت پرستی سے مشابہت ہے۔ اگر بوسہ تعظیم اور عبادت کے طور پر ہو تو کفر ہے اور فقہاء حنفیہ کے ظاہر کلام سے سجدہ بمعنی بوسہ معلوم ہوتا ہے۔"

## چراغ جلانا:

قبر پر روشنی کرنا اور چراغاں کرنا بدعت ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیه وسلم ثَلَاثَ مَرَّاتٍ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ))[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے والوں اور قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر تین بار لعنت کی ہے۔"

## قبر پر چراغاں کرنا مجوسیوں کا مذہب ہے:

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ الزواجر فی رد الکبائر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قبر پر

[1] رد المختار کتاب الحظر و الاباحۃ احسن الفتاوی، ص: ۱۱۷۔ [2] ابو داود مع شرح عون المعبود: ۲۱۲/۳۔

چراغاں کرنا آتش پرستوں کی رسوم کا چربہ ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

((صَرَّحَ اَصْحَابُنَا بِحُرْمَةِ السِّرَاجِ عَلَى الْقَبْرِ وَ اِنْ قَلَّ حَيْثُ لَمْ يَنْتَفِعُ بِهٖ مُقِيْمٌ وَ لَا زَائِرٌ عَلَّلُوْهُ بِالْاِسْرَافِ وَ اِضَاعَةِ الْمَالِ وَالتَّشَبُّهُ بِالْمَجُوْسِ))[1]

"ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ قبر پر ایک آدھ چراغ جلانا بھی حرام ہے۔ اول اس لیے کہ اس چراغاں سے نہ تو مقامی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ زائرین۔ دوم اس لیے کہ اس فعل بد میں آتش پرستوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔"

## شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغ ہا و ملبوس ساختین قبور و سرود ہا و نواختن معارف بدعات شنیعہ اند و حضور چنیں مجالس ممنوع۔"[2] "قبروں پر دیئے جلانا، غلاف پہنانا اور ان پر قوالیاں کرنا سب ناجائز باتیں ہیں اور ان مجالس میں شرکت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔"

## قبر پر غلاف چڑھانا:

قبروں پر غلاف چڑھانا اور شامیانے کھڑے کرنا بقول شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ غیر شرعی امور ہیں اور غیر شرعی ہونے کی دو وجہیں ہیں:

1۔ ہمارے سلف صالحین میں اس کا رواج نہ تھا اور جس چیز کا سلف صالحین میں رواج نہ ہو وہ چیز ممنوع ہوتی ہے لہٰذا قبروں پر غلاف وغیرہ بھی جائز نہیں ہے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَقُوْلُ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ)) [3]

[1] زواجر، ص: ۱۳۴ بحوالہ احکام الجنائز للألبانی، ص: ۲۳۲۔ [2] فتاویٰ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی۔ [3] سنن النسائی، باب کیف الخطبة: ۱۸۸/۱

"سب سے زیادہ بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کیے گئے ہیں اور ہر نیا کام بدعت اور بدعت جہنم میں لے جانے والی ہے۔"

2۔ یہ اضاعت مال اور اسراف ہے کیونکہ صاحب قبر کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراف سے منع فرمایا ہے جیسا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَاِضَاعَةِ الْمَالِ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ)) [1]

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیل و قال، اضاعت مال اور کثرت سوال کو حرام قرار دیا ہے۔"

## علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((تُكْرَهُ السُّتُوْرُ عَلَى الْقُبُوْرِ)) [2]

"قبروں پر غلاف اور شامیانے چڑھانا حرام ہیں۔"

## شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"چادر پوشانیدن بر قبر حرکت لغو است، نباید کرد در حدیث شریف وارد است کہ ((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنْ نَّكْسُوا الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ))"[3]

"قبر کو چادر پہنانا لغو حرکت ہے اور یہ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اور مٹی کو لباس پہنانے سے منع فرمایا ہے۔"

## شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"وایستادن خیمہ وشامیانہ بر قبر مکروہ است۔"[4]

"قبر پر خیمہ اور شامیانہ کھڑا کرنا مکروہ ہے۔"

[1]صحیح البخاری، باب لا یسئلون الناس الحافا: ۱/۲۰۰،۱۹۹۔ [2] شامی: ۱/۸۳۹۔ [3] فتاوی عزیزیہ: ۱/۹۰، ۹۱۔ [4] اربعین، ص: ۴۵۔

## قبر پر کتبہ لگانا:

معانقہ قبر کے بیان میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرقوم ہو چکی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر کتبہ وغیرہ لگانے سے منع فرمایا ہے۔"

## ترجمان حنفیہ امام محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((تُكْرَهُ اَنْ يُجَصَّصَ اَوْ يُطَيَّنَ اَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهٗ مَسْجِدٌ اَوْ عَلَمٌ اَوْ يُكْتَبُ عَلَيْهِ وَ هُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ)) [1]

"قبر کو پختہ کرنا، لیپنا، اس پر مسجد تعمیر کرنا، جھنڈا گاڑنا اور اس پر کتبہ لگانا مکروہ (حرام) ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔"

## قبروں پر نذریں چڑھانا:

آستانوں، مزاروں، خانقاہوں یعنی بزرگان دین اور اہل اللہ کی قبروں پر نذریں چڑھانا، کھانا چورمہ شیرینی اور نقدی تقسیم کرنا..... یہ تمام اُمور قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے مطابق شرک جلی اور مشرکین مکہ کی بت پرستی کا چربہ ہیں۔ وہ بھی اپنے نام نہاد خداؤں کا تقرب اور مرے ہوئے نیک لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی نذریں اور منتیں مانا کرتے تھے اور شیرینیوں کے علاوہ ان کے سامنے جانور بھی ذبح کیا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴾ (النحل: ۵۶)

"اور (ان مشرکوں کی جہالت سنو) کہ جن چیزوں کی ماہیت کو (بھی) نہیں جانتے ان کے لیے ہمارے دیئے میں سے حصے (نذریں) مقرر کرتے ہیں (کہ فلاں بت کا اتنا اور فلاں قبر والے کا اتنا) سو اللہ کی قسم اس بہتان بندی کا تم سے ضرور سوال ہو گا۔"

[1] کتاب الآثار، ص: ۴۲۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح:

((عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ رضی الله عنه قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبَوَانَةَ فَسَاَلَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ هَلْ کَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يعْبَدُ؟ قَالُوْا لَا۔ قَالَ فَهَلْ کَانَ عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوْا لَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اَوْفِ بِنَذْرِکَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ)) [1]

"سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے بوانہ کے ٹیلے پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر اس کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفساراً دریافت کیا کہ کیا وہاں کبھی کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نفی میں جواب عرض کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا وہاں کوئی میلہ لگتا ہے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا نہیں (وہاں کوئی میلہ نہیں لگتا)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اپنی نذر پوری کرو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی میں نذر پوری کرنا جائز نہیں۔"

## درسِ عبرت:

((عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ۔ قَالُوْا وَ کَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَّهُمْ صَنَمٌ لَا يُجَاوِزُهٗ اَحَدٌ حَتّٰی يُقَرِّبَ لَهٗ شَيْئًا، فَقَالُوْا لِاَحَدِهِمَا قَرِّبْ! قَالَ لَيْسَ عِنْدِیْ شَیْئٌ اُقَرِّبُ۔ قَالُوْا لَهٗ قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا۔ فَقَرَّبَ

[1] عون المعبود شرح ابی داود، باب ما یومر به من وفاء النذر: ۲۳۰۱/۳ و قال الشیخ عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ اسنادہ علی شرطهما، فتح المجید، ص: ۱۲۷۔

ذُبَابًا، فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ۔ وَ دَخَلَ النَّارَ۔ وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ! فَقَالَ مَا کُنْتُ لِاُقَرِّبَ لِاَحَدٍ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ)) [1]

"سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں جا چکا ہے اور ایک آدمی ایک مکھی کی وجہ سے جہنمی ہو چکا ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! یہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دفعہ دو آدمی ایک ایسی قوم پر سے گزرے جو اپنے بت پر چڑھاوا چڑھوائے بغیر کسی مسافر کو آگے نہیں جانے دیتی تھی۔ اس قوم نے ان دونوں

سے بھی اپنے بت پر چڑھانے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ خواہ ایک مکھی ہی چڑھادو۔ تب ایک آدمی نے تو بت پر ایک مکھی چڑھادی اور وہ یوں اس شرک سے جہنمی ہو گیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر چڑھاوا چڑھانا نہیں سیکھا۔ تو ان مشرکوں نے اس موحد کو شہید کر دیا اور یوں شرک سے نفرت کی وجہ سے جنت مکان ہو گیا۔" قرآن مجید اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -فداہ ابی وامی- کی تصریحات کے بعد ہم مزید فتاویٰ کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے فرامین ہی بلاشرکت غیرے اصل دین ہیں اور بس۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن

پس حدیث مصطفی بر جاں مسلم داشتن

یعنی: ہوتے ہوئے مصطفی کی گفتار

مت دیکھ کسی کا قول و کردار

[1]فتح المجید، ص: ۱۳۱، ۱۳۲۔ کتاب الزہد امام احمد بن حنبل، ص: ۱۰۔

تاہم ناواقف بھائیوں کی اصلاح اور اطلاع کے پیش نظر چند حنفی فتاویٰ بھی عرض کیے دیتے ہیں، شاید کہ ان کی تسلی و تشفی ہو جائے۔

**شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ کا فتویٰ:**

((اَلنَّذْرُ الَّذِیْ یَنْذُرُہٗ اَکْثَرُ الْعَوَامِ عَلٰی مَا ہُوَ مُشَاہَدٌ کَانَ یَکُوْنُ لِلْاِنْسَانِ غَائِبٍ اَوْ مَرِیْضٍ اَوْ لَہٗ حَاجَۃٌ فَیَاْتِیْ اِلٰی بَعْضِ الصُّلَحَاءِ وَ یَقُوْلُ یَا سَیِّدِیْ اِنْ رَدَّ اللّٰہُ غَائِبِیْ اَوْ عُوْفِیَ مَرِیْضِیْ اَوْ قُضِیَتْ حَاجَتِیْ فَلَکَ مِنَ الذَّہَبِ کَذَا اَوْ مِنَ الْفِضَّۃِ کَذَا اَوْ مِنَ الطَّعَامِ کَذَا اَوْ مِنَ الشَّمْعِ وَ الزَّیْتِ کَذَا فَھٰذَا نَذْرٌ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِوُجُوْہٍ مِنْھَا اَنَّہٗ نَذَرَ لِمَخْلُوْقٍ وَ النَّذْرُ لَا یَجُوْزُ لِلْمَخْلُوْقِ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَ الْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَ مِنْھَا اَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَہٗ مَیِّتٌ وَ الْمَیِّتُ لَا یَمْلِکُ وَ مِنْھَا اَنَّہٗ ظَنَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰہِ وَ اعْتِقَادُ ذٰلِکَ کُفْرٌ اِذَا عَلِمْتَ ہٰذَا فَمَا یُوْخَذُ مِنَ الدَّرَاہِمِ وَ الشَّمْعِ وَ الزَّیْتِ وَ غَیْرِہَا وَ یَنْقُلُ اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَاءِ تَقْرِیْبًا اِلَیْھَا فَحَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ)) [1]

"آج کل صالحین کی قبروں پر جا کر جو نذریں مانی جاتی ہیں، مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے فلاں بزرگ اگر اللہ تعالیٰ میری فلاں کھوئی ہوئی چیز لوٹا دے یا میرے مریض کو صحت بخش دے یا میری فلاں حاجت پوری ہو جائے تو میں تیرے لیے اتنا سونا چاندی لاؤں گا۔ تیری قبر پر اتنا طعام اور شیرینی تقسیم کروں گا اور تیری قبر پر روشنی کے لیے اتنا تیل بتی لاؤں گا وغیرہ تو یہ نذریں سب کے نزدیک بوجوہ ذیل باطل ہیں۔ اول یہ نذریں اس لیے باطل ہیں کہ یہ مخلوق کی نذریں ہیں اور مخلوق کی نذر جائز نہیں، کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت شرک

[1]کذا فی رد المختار، فتاوی عبدالحی حنفی، ص: ۴۶۱۔ فتح المجید، ص: ۱۳۔

ہے لہٰذا مخلوق کی نذر بھی شرک ہے۔ دوم اس لیے کہ نذر میں تملیک (مالک بنانا) شرط ہے اور مردہ مالک نہیں ہوتا لہٰذا یہ نذر باطل ہے۔ سوم اس لیے کہ نذر ماننے والا گویا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح فوت شدہ بزرگ بھی انسانوں کے معاملات میں تصرف کرتے ہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی قبروں پر نقدی اور تیل بتی وغیرہ کی جو نذریں چڑھائی جاتی ہیں سب حرام ہیں اور ان کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔"

## شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

سوال:..... در مقدمہ شیرینی قبور و شیرینی حلوائی تعزیہ ہائے کہ مردم او برائے آنہا بطریق پیشکش می نہند قول صحیح و مرجح نزد آنجناب چیست کہ قبروں اور تعزیوں پر شیرینی چڑھانا کیسا ہے؟ آپ اپنا صحیح اور راجح فتویٰ تحریر فرمائیں۔

جواب از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ:..... مکروہ است۔[1]

"قبروں پر شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا مکروہ ہے۔"

## شاہ اسحاق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"نذر کردن برائے غیر خدا شیرینی و طعام آوردن نزد قبر بطریق نذر یا بطریق تقرب جائز نیست بلکہ بدعت است و مکروہ تحریمی و عادت کفار است بنسبت بتاں۔"[2]

"غیر اللہ کی نذر ماننا اور بطورِ نذر تقرب کسی قبر پر شیرینی اور طعام تقسیم کرنا نہ صرف جائز نہیں بلکہ بدعت مکروہ تحریمی اور کفار کی عادت ہے یعنی وہ اپنے بتوں پر اس طرح نذریں چڑھایا کرتے تھے۔"

[1]فتاوی عزیزی: ۱۰۶/۲۔ [2] مائۃ مسائل و اربعین مسائل۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

## شیخ سید نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کا فتویٰ:

اولیاء کی قبروں پر کھانا لے جانا اور مساکین کو دوسری جگہ سے بلا کر غرض مذکور (ازدیاد ثواب) سے وہاں کھلانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب یہ ثابت نہیں تو اس میں ثواب کی امید نہیں چہ جائے کہ ثواب ہو بے اصل اور محدث (بدعت) بات ہے احتراز لازم ہے۔[1]

☆☆☆

## زیارتِ قبور

محدث عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں:

"قبر کی زیارت کرنا مردوں کے واسطے سنت ہے اور عورتوں کے واسطے بعض احادیث سے جائز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ناجائز، قبر کی زیارت اس غرض سے مشروع ہوئی ہے کہ اہل قبور کے واسطے استغفار و دعا کی جائے۔ قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل ہو اور اپنی موت اور آخرت یاد پڑے، دنیا سے دل سرد ہو۔ آخرت کے سامان کا خیال و فکر پیدا ہو۔ پس اسی غرض کے حصول کے لیے قبروں کی زیارت کرنا چاہیے زیارت قبر کے واسطے کوئی خاص وقت مقرر نہیں جب اور جس وقت چاہے دن کو یارات کو زیارت قبر کے لیے قبرستان جائے۔ ہاں جمعہ کے روز قبروں کی زیارت کرنا بہ نسبت اور دنوں کے افضل ہے۔ دوشنبہ، پنج شنبہ، جمعہ اور ہفتہ کے دنوں کی تخصیص ثابت نہیں۔"

(۱)..... محمد بن نعمان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ہر جمعہ اپنے ماں باپ دونوں کی قبروں کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس شخص کی مغفرت کی جاتی ہے اور لکھ لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار ہے۔ (روایت کیا ہے اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں)

(۲)..... سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر جمعہ کو ایک بار اپنے ماں باپ دونوں کی قبروں کی یا ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشے گا اور لکھے گا کہ وہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار ہے۔ (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے)

(۳)..... سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ کی قبروں کی یا ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورۂ یٰس پڑھے تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے۔ (روایت کیا اس کو ابن عدی نے)

لیکن یہ تینوں احادیث ضعیف ہیں ان سے دلیل نہیں لی جاسکتی اور حاکم کی ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں۔ (نیل الاوطار)

اگر رات کو زیارت کرنا چاہے تو آخر رات کو زیارت کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر آخر رات کو زیارت کے واسطے جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے۔

## زیارت کا طریقہ:

قبر کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ منہ قبر کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو اور زیارت قبر کی جو دعائیں آگے آ رہی ہیں ان میں سے کوئی دعا پڑھے اور ان کے علاوہ مردوں کے واسطے اور بھی دعائیں کریں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی قبروں پر آئے تو اپنے منہ کو قبروں کی طرف کیا اور فرمایا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ)) [1]

"اے قبروں کے باسیو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔"

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ زیارت کرنے والا میت پر سلام کرنے کے وقت اپنے منہ کو میت کے منہ کی طرف کرے اور دعا کرنے کے وقت بھی اپنے منہ کو میت کے منہ کی طرف کیے رہے اور اسی پر عام مسلمانوں کا عمل ہے اور زیارت قبر کے وقت بیٹھ کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

[1] ترمذی، باب ما یقول اذا دخل المقابر، ص: ۱۷۱۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور دیر تک کھڑے رہے پھر تین بار دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے۔"

## زیارت قبر کی دعائیں:

۱۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں جائیں تو یہ کہیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ)) [1]

"اے قبرستان کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمھیں عافیت میں رکھے۔"

۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ہر باری کی رات کو آخر شب میں جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ الْبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ)) [2]

"اے قبروں کے رہنے والی ایمان والی قوم تم پر سلام ہو اور تمہارے پاس وہ چیز آ گئی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ کل تک یعنی قیامت تک تم مہلت دیئے گئے ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع الغرقد کے رہنے والوں کو بخش دے۔"

اور بھی بہت سی دعائیں احادیث کے مجموعوں میں موجود ہیں، وہاں سے دیکھ لیں۔

سوال: عورتوں کا قبرستان میں جا کر دعا مانگنا جائز ہے یا منع؟ کہتے ہیں قبرستان میں

[1] رواہ مسلم: ۱/۳۱۳۔ [2] رواہ مسلم: ۱/۳۱۳۔

عورتیں ننگی بے پردہ نظر آتی ہیں۔ جواب: عورت قبر کی زیارت کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ نوحہ اور جزع فزع سے اجتناب کرے۔ جہاں تک پردے کا تعلق ہے تو عورت کے لیے ہمیشہ باپردہ رہنے کا حکم ہے۔ اگر باپردہ عورت قبرستان میں چلی جائے اور وہاں رونا دھونا نہ کرے تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ قبرستان میں عورتوں کی عریانی وبے پردگی کی بابت جو کہا جاتا ہے، وہ بے ثبوت ہے۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کتنی اونچی تھی؟

(سائل: آپ کا بھائی محمد اسماعیل ولد مولانا محمد حسین بلوچ، چک ۱۳۵ گ ب، فیصل آباد)

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ایک بالشت کے قدر اونچی تھی۔

((وَ رُفِعَ قَبْرُهٗ مِنَ الْاَرْضِ نَحْوًا مِّنْ شِبْرٍ)) [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ایک بالشت کے قدر اونچی تھی۔"

مراسیل ابی داؤد میں صالح بن ابی صالح سے روایت ہے:

((رَاَیْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم شِبْرًا اَوْ نَحْوَ شِبْرٍ)) [2]

''میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بالشت یا اس سے کچھ کم و بیش اونچی تھی۔''

## زیارتِ قبر نبوی کی شرعی حیثیت اور اس کا مسنون طریقہ

زیارت قبور کے مسائل میں ایک نہایت اہم مسئلہ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ تو ہر صاحب علم جانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ)) [3]

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ و البیہقی و اسنادہ حسن۔ احکام الجنائز للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی و بلوغ المرام، ص: ۱۳۵ طبع دار السلام۔ [2] دیکھیے: مہذب مع شرح للنووی: ۵/۲۶۰۔ [3] قاعدۃ عظیمۃ، امام ابن تیمیۃ، ص: ۸۵۔

''میری قبر کو عید (میلہ) نہ بنانا، تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [1]

''میری قبر کو تم بت مت بنا لینا کہ اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔ (یاد رکھنا) اس قوم پر اللہ کا سخت غضب نازل ہوا جس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ (عبادت گاہ) بنا لیا۔''

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو سجدہ گاہ کے طور پر زیارت گاہ نہ بنایا جائے کیونکہ یہی چیز کسی بھی قبر کے عید (میلہ) یا عبادت گاہ بننے کا ذریعہ بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشیت الٰہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی کسی کھلی جگہ پر بننے کی بجائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں بنائی گئی تاکہ لوگوں کی وہاں آمد و رفت زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے، اسی طرح دوسرے شہروں سے بھی لوگ خلفائے اربعہ (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم) سے ملنے اور دربار خلافت میں بہت سے مسائل کے حل کے لیے حاضری دیا کرتے تھے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دربارِ خلافت، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا لیکن لوگ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں نہیں جاتے تھے۔ اس مسئلے کو جذبات سے ہٹ کر کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اور احترام کے جو پاکیزہ جذبات ان کے ہاں تھے، بہر حال ہماری وہ کیفیت نہیں۔

[1]حوالہ مذکور بتحقیق جدید، دار العاصمہ، ریاض ۱۴۱۱ھ۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((كُلُّ حَدِيْثٍ رُوِيَ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِهٖ فَاِنَّهٗ ضَعِيْفٌ بَلْ كِذْبٌ مَوْضُوْعٌ)) [1]

"زیارت قبر مبارک کے متعلق جتنی بھی احادیث ہیں، وہ صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں۔" اس کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم ہے سلام تو تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کے الفاظ میں پڑھ لیا جاتا ہے اور درود شریف بھی التحیات کے بعد پڑھ لیا جاتا ہے علاوہ ازیں دیگر اوقات میں بھی درود پڑھا جاتا ہے اور اس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو درود مجھ تک فرشتوں کے ذریعے سے پہنچایا جاتا ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اذان کے بعد جو شخص بھی یہ دعا مانگے گا:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَهٗ))

اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔ اس دعا کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعائے خیر ہو جاتی ہے۔ گویا چوبیس گھنٹوں یا شب و روز میں کم از کم پانچ مرتبہ دعائے خیر اور متعدد مرتبہ صلوٰۃ وسلام ہر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پڑھتا ہے۔ اس لیے قبر مبارک پر جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، کیونکہ قبر پر جا کر بھی یہی کام کرنا مسنون ہے جو ایک مسلمان دن اور رات میں متعدد مرتبہ کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نے، جو شریعت کے صحیح رمز شناس تھے۔ اسی وجہ سے زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو معمول بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کا معنی قطعاً یہ نہیں کہ وہ قبر نبوی کا احترام نہیں کرتے تھے یا ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تیسری وجہ یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ)) (الحديث)

[1]قاعدة عظيمة، ص: ۸۵۔

"تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور جگہ کا (تقرّبی) سفر نہ کیا جائے۔"

اس حدیث کے الفاظ خبر کے ہیں لیکن مقصود اس سے نہی ہے کیونکہ اصول ہے کہ خبر کو خبر پر محمول کرنا متعذر ہو تو اسے نہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

((لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ)) [1]

''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔'' اس میں انداز خبر کا ہے لیکن مراد نہی ہے۔

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۳۳)

''کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔'' یہ بھی صیغہ خبر کا ہے لیکن معنی نہی کا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے اس کی مزید متعدد نظائر پیش کی جا سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اسے اگر لَا تَشَدَّ الرِّحَالَ پڑھ لیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور یہ صیغہ نہی ہے، اس صورت میں تو نہی کے معنی میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذکورہ تین مساجد (مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی بھی جگہ کا سفر ہی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مطلب لیا جائے گا تو پھر تجارت، جہاد، طلب علم، کسی رشتے دار سے ملاقات یا کسی نیک آدمی کی زیارت وغیرہ کسی بھی کام کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہو گا، جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ تمام علماء، فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ مذکورہ مقاصد کے لیے سفر جائز ہے کیونکہ مذکورہ مقاصد کے لیے سفر میں کسی مخصوص جگہ کا تقدس پیش نظر نہیں ہوتا اور حدیث زیر بحث کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی بھی جگہ کو مقدس و متبرک سمجھ کر قرب الٰہی کے حصول کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس مقصد کے لیے تقربی سفر صرف تین مسجدوں ہی کے لیے جائز ہے مثلاً کوہ طور ہے کوئی شخص اس مقصد کے لیے وہاں جائے کہ یہ پہاڑ اس لحاظ سے مقدس ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جناب موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا، وہاں جانے سے مجھے بھی خصوصی اجر اور قرب الٰہی حاصل ہو گا۔

[1]صحیح بخاری۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع۔

تو اس نقطہ نظر سے یہ سفر اس حدیث کے خلاف ہو گا۔ البتہ ایک تاریخی مقام کے دیکھنے کے نقطہ نظر سے اس کا سفر جائز ہو گا۔

حدیث کے اسی مفہوم کے پیش نظر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی مسلمان مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کرے تو زیارت اور تقرب کے لیے اس کی نیت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہونی چاہیے، جب وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ جائے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کا موقع اسے از خود مل جائے گا۔ یوں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی اس کا عمل نہیں ہو گا اور قبر مبارک کی زیارت کا شرف بھی اسے حاصل ہو جائے گا۔ یہ تفقہ اور احتیاط کی ایک عمدہ مثال تھی لیکن شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس نقطہ نظر کو مسخ کرنے کی اور اس بنیاد پر انہیں بدنام کرنے کی مذموم اور ناپاک سعی کی گئی۔ حالانکہ امام موصوف رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ناجائز ہے وہ تو اس کا جواز بلکہ استحباب تسلیم کرتے ہیں البتہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے پیش نظر اس احتیاط کی تلقین کرتے ہیں کہ سفر کرتے وقت نیت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی جائے۔ وہاں جا کر پھر قبر مبارک کی زیارت بھی کر لی جائے۔

امام موصوف کا یہ نقطہ نظر مذکورہ دلائل شرعیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ کے کردار و عمل کے بالکل مطابق ہے۔ اگر کسی نے فتویٰ عاید کرنا ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام پر کرے۔

### قبر مبارک پر کھڑے ہو کر کیا پڑھا جائے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھا جائے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل نقل ہوا ہے کہ وہ ''الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللّٰہ'' پڑھا کرتے تھے، اس لیے اگر کوئی یہ پڑھنا چاہے تو یہ بھی پڑھ سکتا ہے البتہ اس کا عقیدہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلوۃ و سلام سن بھی رہے ہیں۔ بعض روایات میں جو یہ آتا ہے کہ قریب سے درود پڑھنے والے کی آواز میں سنتا ہوں، یہ روایت سنداً صحیح نہیں۔ اس لیے سنانے کی نیت سے نہ پڑھا جائے، صرف سنت سمجھ کر سلام پڑھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہے کہ جب تم قبروں کے پاس سے گزرو تو ''السلام علیکم یا اہل القبور'' پڑھا کرو، اس اعتبار سے قبر مبارک پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا مسنون عمل ہے۔ علاوہ ازیں عام مسنون دعا ''السلام علیکم یا اہل القبور'' اور درود ابراہیمی بھی پڑھا جا سکتا ہے۔[1]

## زیارت قبور اور دعا کا صحیح اور مسنون طریقہ

مذکورہ مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فوت شدگان یا قبروں میں مدفون اشخاص سے مدد طلب کرنے کی حسب ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ فوت شدہ بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا، نفع نقصان پہنچانے کا اور دُور و نزدیک سے ہر ایک کی فریادیں سن کر ان کی حاجت روائی مشکل کشائی کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ شرک جلی ہے اس سے اجتناب واجب ہے۔

۲۔ وہ خود تو اختیارات نہیں رکھے لیکن وہ چونکہ مقربان بارگاہ الٰہی ہیں، اس لیے ان کے واسطے اور وسیلے سے دعا کی قبولیت کے زیادہ امکانات ہیں، ہم ان کے سامنے عرض حاجات کرتے ہیں، وہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری دعاؤں کی قبولیت کی سفارش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری سنتا نہیں اور ان کی مسترد کرتا نہیں۔ اعیاذاباللہ یہ صورت بھی مشرکانہ ہے، کیونکہ اس میں وہی عقیدہ کارفرما ہے جو مشرکین مکہ رکھتے تھے، علاوہ ازیں یہ عقیدہ بھی نصوص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کریم تو صاف صراحت کرتا ہے کہ قبر والوں کو کوئی بات نہیں سنائی جا سکتی اور یہ صورت ہے ہی اس عقیدے پر مبنی کہ ہم جب چاہیں اور جو چاہیں، قبر والوں کو سنا سکتے ہیں۔

۳۔ کسی قبر پر جا کر یا کسی بزرگ کا نام لے کر اس طرح دعا کرے کہ بحرمت فلاں یا فلاں کے صدقے یا اللہ میرا فلاں کام کر دے میری حاجت پوری فرما دے، فلاں مشکل سے نجات عطا فرما دے۔

[1] کتاب قبر پرستی از حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ۔

یہ صورت مشرکانہ تو نہیں البتہ غیر مسنون طریقۂ دعا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کبھی دعا نہیں مانگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس طرح دعا نہیں کی۔ کسی صحیح حدیث سے اس طرح دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس طرح کے اطوار سے شرک کے دروازے کھلتے ہیں۔ بنابریں دعا کے لیے کسی قبر پر جانے کی ضرورت نہیں کسی کے جاہ و حرمت کا واسطہ دینے کی ضرورت نہیں۔ براہ راست بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے البتہ اپنے نیک اعمال کے واسطے اور وسیلے سے دعا کرنی جائز ہے مثلاً یہ کہے یا اللہ میں نے فلاں کام محض تیری رضا کے لیے کیا تھا، اس کے واسطے اور وسیلے سے میری دعا قبول فرمالے جس طرح کہ ایک حدیث میں تین اشخاص کا واقعہ آتا ہے جو ایک غار میں پھنس گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نیک عمل کے واسطے سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے غار کا منہ کھول دیا۔ قرآن کریم کی آیت ﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (المائدۃ: ۳۵) میں یہی تقویٰ اور نیک اعمال کا وسیلہ مراد ہے۔ اسی طرح کسی زندہ نیک بزرگ سے دعا کرانا بھی جائز ہے جس طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے موقع پر عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی تھی۔ اسی طرح قبرستان جانا مسنون عمل ہے لیکن مخصوص قبروں پر جانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ وہ قبرستان کے حکم میں نہیں ہیں۔

قبرستان میں جانے کا مقصد موت کی یاددہانی اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ مستحضر کرنا ہے۔

قبرستان میں جاکر یہ مسنون دعا پڑھی جائے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَہْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ)) [1]

"اے خاموش گھروں کے مومن و مسلمان ساکنو! تم پر سلامتی ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ

[1]رواہ مسلم، مشکوۃ، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور۔

نے چاہا تو یقیناً ہم بھی تمہیں ملنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کے طالب ہیں۔" اس دعا میں مُردوں سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے اور اپنے لیے دعا کی گئی ہے۔ یہ دعا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے اور جس طرح سکھلائی ہے، اسی طرح پڑھنا ہمارے لیے ضروری ہے، مُردے ہماری یہ دعا سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں، نہ ان کو سنانا مقصود ہی ہے، مقصد تو صرف دعا ہے۔

اس مسنون دعا یا ان کی مغفرت اور عذاب سے نجات کے لیے اپنی زبان میں دعا کرنے کے علاوہ کسی اور چیز کا ثبوت نہیں، جس طرح کہ لوگ فاتحہ پڑھ کر یا کوئی اور قرآنی سورت پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں یا ان کی مغفرت کی دعا کے لیے اس طریقے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ مُردوں کے لیے فاتحہ خوانی یا قرآنی خوانی کا کوئی ثبوت نہیں ہے نہ اس طریقے سے ان کے حق میں مغفرت کی دعا ہی ہوتی ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ یا قرآن کریم کی کسی اور سورت میں مُردوں کی مغفرت کے لیے کوئی دعائیہ الفاظ ہی نہیں ہیں۔ دعائیہ الفاظ تو اس دعا میں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبرستان

والوں کے لیے سکھلائی ہے جس کے الفاظ ابھی نقل کیے گئے ہیں۔ اس لیے صرف یہی دعا قبرستان میں جا کر کرنی چاہیے، یہ مسنون دعا یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں مُردوں کی مغفرت کے لیے دعا کرے۔ ہر جمعہ کو والدین کی قبر کی زیارت کرنے کی فضیلت میں ایک روایت آتی ہے لیکن یہ روایت موضوع ہے۔[1] جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح شب براءت، محرم اور دیگر خصوصی مواقع پر قبرستان جانا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ قبرستان جب چاہیں جائیں خصوصی موقعوں پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کسی عزیز کی خاص قبر پر ہاتھ اٹھا کر بھی مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے۔

[1] الاحادیث الضعیفة: ۱/۴۹۔ مشکوة به تحقیق البانی: ۱/۵۵۴، باب زیارة القبور۔

قبر پر پھول وغیرہ چڑھانے کا رواج بھی غیر مسنون ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ قبروں پر چراغاں کرنا بھی ناجائز ہے ایک تو یہ ثابت نہیں، دوسرا اضاعت مال ہے، تیسرا آتش پرستوں کی نقل اور ان کی مشابہت ہے۔ بعض لوگ بزرگوں سے استغاثہ و استعانت کے تو قائل نہیں ہوتے لیکن استفاضہ عن القبور (قبروں میں مدفون بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے) کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ وہ بزرگوں کی قبروں پر چلہ کشی یا مراقبہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان سے فیض حاصل ہو گا۔ یہ تصور بھی غلط ہے، اگر قبروں سے یہ استفاضہ جائز یا ممکن ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے ضرور روحانی فیض وبرکت حاصل کرتے۔ لیکن کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا۔

## توحید کی تین اقسام:

توحید کی تین اقسام:

۱۔ توحید ربوبیت

۲۔ توحید الوہیت

۳۔ توحید صفات

۱۔ **توحید ربوبیت** کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ و زنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔

۲۔ **توحید الوہیت** کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام و خواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی اقسام وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

**۳۔توحید صفات کا مطلب** ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے۔ یہ یا اس قسم کی اور صفات الٰہیہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ واضح شرک ہو گا۔

زیارت قبور کے وقت توحید کی یہ قسمیں بھی مستحضر رہنی چاہئیں تاکہ کوئی مسلمان کسی بھی قبر والے کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں سے کوئی صفت تسلیم کرے اور نہ اس کے لیے کسی قسم کی عبادت بجالائے کیونکہ کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کا حامل سمجھنا یا اس کے لیے عبادت کی کوئی قسم اختیار کرنا، اس بزرگ اور ولی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا ہے اسی کا نام شرک ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں معاف نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ مشرک پر جنت حرام ہے۔[1]

☆☆☆

[1]قبر پرستی، حافظ صلاح الدین یوسف حفظه الله

## حرفِ آخر

اللہ رب العالمین کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے مجھ ناکارے کو یہ کتاب مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب اُن ہی سے عاجزانہ التجاہے، کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائیں۔ آمِيْنَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ۔

### ا:خلاصہ کتاب:

کتاب میں بیان کردہ باتوں کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

ا:ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان، والدین، اہل وعیال، مال ودولت اور ہر چیز سے زیادہ محبت کرے۔

۲:رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت [دنیا میں ایمان کی لذّت] اور [آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی] کے حصول کے اسباب میں سے اہم سبب ہے۔

۳:نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامتیں ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل چار نشانیوں کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے:

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور صحبت کے حاصل کرنے کی شدید خواہش اور اس سے محرومی کا، دنیا کی تمام چیزوں کی محرومی سے زیادہ گراں اور شاق ہونا۔

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان اور مال نچھاور کرنے کے جذبات سے اپنے سینے کو لبریز پانا۔

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، اُن پر عمل کرنا اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، اُن سے باز رہنا۔

د: سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعتِ حقہ کے دفاع کی خاطر ہمہ وقت مستعد اور تیار رہنا۔

۴: حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والے تھے۔ ان کی نگاہوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور صحبت دنیا اور اُس کے سارے مال و متاع سے زیادہ قیمتی تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان اور مال نچھاور کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں وہ ضرب المثل تھے۔ تائید سنت اور دفاعِ شریعت کی خاطر اپنی قیمتی جانوں کو قربان کرنے کے لیے وہ ہمہ وقت مستعد اور تیار رہتے تھے۔

۵: کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں راہِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی صفات بیان نہ کرے، جو قرآن و سنت میں نہیں۔ قرآن و سنت میں بیان کردہ صفات سے تجاوز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت نہیں، بلکہ گمراہی ہے۔

**ب: اپیل:**

اس موقع پر تمام مسلمانانِ عالم سے درخواست ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حقیقی اور سچی محبت کریں، جیسی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔ صرف محبت کے دعویٰ پر اکتفا نہ کریں اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں راہِ اعتدال سے تجاوز کریں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ابو عطاء المنعم رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ باجوری حفظہ اللہ

***

| صفحہ | عنوانات | نمبرشمار |
|---|---|---|
| 2 | مقدمہ | |
| 4 | انبیاء علیہما السلام کی بعثت کا بڑا مقصد | |
| 6 | علم اور اس کے درجات | |
| 8 | توحید ربوبیت اور مشرکین کا عقیدہ | |
| 9 | نمبر 1:... توحید ربوبیت | |
| 10 | تمام انبیاء کا دین کیا تھا؟ | |
| 11 | نوح علیہ السلام کے آنے کا مقصد | |
| 12 | قوم نوح کے نیک لوگ | |
| 13 | خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں | |
| 14 | نیک لوگوں کی عبادت کس نے ختم کی | |
| 15 | محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دین ابراہیمی | |
| 16 | ابراہیمی دین | |
| 18 | مشکل وقت میں پکارنا | |
| 19 | توحید الوہیت کے لیے جنگ | |
| 20 | دعا کی اقسام | |
| 22 | مدد مانگنا عبادت ہے | |
| 23 | خلاصہ بحث۔۔۔۔ تبرکات کی شرعی حیثیت | |
| 32 | آثار سے تبرک، خاصہ نبوی ہے: | |
| 36 | حجر اسود اور آثارِ صالحین سے تبرک: | |
| 41 | ایک جھوٹی روایت: | |
| 42 | رُکنِ یمانی سے تبرک: | |

| | | |
|---|---|---|
| | مقامِ ابراہیم سے تبرک: | 44 |
| | انوکھی بات: | 50 |
| | بدعت کی قسمیں: | 51 |
| | تیسری قسم: بدعت قولی اعتقادی اور بدعت عملی: | 55 |
| | قبروں کے پاس انجام دی جانے والی بدعات: | 59 |
| | آٹھواں مطلب: عصر حاضر کی بدعات: | 61 |
| | ۲-ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں جشن منانا: | 67 |
| | خواب کی حقیقت | 73 |
| | خواب کی قسمیں | 75 |
| | تعبیر رؤیا | 78 |
| | خواب میں قمیص سے مراد دین | 79 |
| | خواب میں سرسبز وشاداب باغ مکمل اسلام کی تمثیل ہے | 80 |
| | انبیاء علیہم السلام کے خواب | 86 |
| | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی حقیقت؟ | 89 |
| | حدیث کی تشریح | 95 |
| | علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے | 99 |
| | توکل | 101 |
| | شفاعت | 106 |
| | مشرکوں کے لیے بخشش مانگنے کی ممانعت | 108 |
| | قُرب قیامت | 110 |
| | ہدایت اللہ کی طرف سے ہے | 113 |

| | | |
|---|---|---|
| | عذابِ قبر / عالم برزخ | 115 |
| | اصلی اور دائمی گھر | 118 |
| | دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر فخر جتاناہے | 119 |
| | جن اور انسان کی پیدائش کا مقصد | 120 |
| | کفروشرک | 121 |
| | ذبائح کا حکم | 129 |
| | حلال وحرام اشیاء | 130 |
| | سُود کالین دین اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ ہے | 132 |
| | سود کی حُرمت | 133 |
| | شراب، جوا، آستانے، اور پانسے شیطانی کام ہیں | 134 |
| | حقوق العباد | 136 |
| | 14 ( الف ) والدین کے حقوق | 137 |
| | 14 (ب)رشتہ داروں کے حقوق | 138 |
| | 14 (ج)عورتوں کے حقوق | 141 |
| | نیک بیویاں خاوند کی فرمانبر دار اور شوہر کی غیر موجودگی میں مال و آبرو کی نگہبان ہوتی ہیں | 145 |
| | کفار سے دوستی کی ممانعت | 147 |
| | یہود اور مشرکین اہل ایمان کے بدترین دشمن ہیں | 150 |
| | مال، اولاد اور بیویاں | 151 |
| | قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم | 153 |
| | مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں | 155 |
| | رزق | 157 |

| | | |
|---|---|---|
| 159 | دنیا کے حریص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔۔۔ غصب شدہ زمین پر قبرستان کا حکم | |
| 163 | پختہ قبر بنانا جائز نہیں: | |
| 164 | پکی قبر خلاف شریعت کام ہے | |
| 170 | موت کے بعد تلقین ثابت نہیں۔ | |
| 175 | قبر پر قرآن خوانی، شیخ علی متقی حنفی کا فتویٰ: | |
| 178 | ۷۰ یا ۴۰ قدم پر دعا کرنا شرعاً ہرگز ثابت نہیں: | |
| 179 | اسقاط: | |
| 181 | ایصال ثواب کے لیے دنوں کی تعیین: ۔۔۔۔اہل میت کا پھوڑ اور بھورا بچھانا: | |
| 183 | تعزیت صرف ایک بار ہے: | |
| 184 | اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا: | |
| 185 | میت کے گھر کا تیار شدہ کھانا حرام ہے: | |
| 187 | تیجا، ساتا، چالیسواں اور برسی کا حکم: | |
| 188 | صوفیاء کے ارشادات | |
| 192 | گوشت سے پرہیز: | |
| 194 | عرس اور اقبال | |
| 196 | برسی اور فقہاء رحمہم اللہ | |
| 198 | عرس اور بزرگان دین | |
| 199 | روحوں کی واپسی کا باطل عقیدہ: | |
| 203 | حصول فیض کے لیے کسی قبر کے پاس جانا ناجائز ہے: | |
| 206 | قبر کو قبلہ بنانا: | |
| 207 | قبر کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا: | |

| | | |
|---|---|---|
| | قبر کو سجدہ کرنا شرک ہے: | 208 |
| | طوافِ قبر: | 209 |
| | معانقہ قبر: | 211 |